خدا نمبر

جنوری و فروری ۱۹۵۶ء

نگار

ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ
قیمت فی کاپی -/3 تین روپیہ

سالانہ چندہ ہندوستان و پاکستان
آٹھ روپیہ چھ آنہ (مع سالنامہ)

تصانیف نیاز فتح پوری

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجۂ قبول حاصل کیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ اس ایڈیشن میں متعدد افسانے اور ادبی مقالات ایسے اضافہ کیے گئے ہیں جو پچھلے ایڈیشنوں میں نہ تھے اس لیے ضخامت بھی زیادہ ہو۔

قیمت چار روپیہ للعہ/ (علاوہ محصول)

جمالستان

ایڈیٹر نگار کے افسانوں اور مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں حسن بیان، ندرت خیالات اور پاکیزگی زبان کے بہترین شاہکاروں کے علاوہ بہت سے اجتماعی و معاشرتی مسائل کا حل بھی نظر آئے گا، ہر افسانہ ہر مقالہ اپنی جگہ معجزۂ ادب کی حیثیت رکھتا ہے، اس ایڈیشن میں متعدد افسانے اضافہ کئے گئے ہیں جو پہلے ایڈیشنوں میں نہ تھے۔

قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے عہ (علاوہ محصول)

من ویزدال

ہندو مسلم نزاع کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے والی انجیل انسانیت

مولانا نیاز فتحپوری کی ۴۰ سالہ دور تصنیف و صحافت کا ایک غیر فانی کارنامہ جس میں اسلام کے صحیح مفہوم کو پیش کر کے تمام نوع انسانی کو انسانیت کبریٰ و اخوت عامہ کے ایک رشتہ سے وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے جس میں مذاہب کی تخلیق دینی عقائد رسالت کے مفہوم اور صحائف مقدسہ کی حقیقت پر تاریخی، علمی، اخلاقی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے نہایت بلند انشائیاں اور پُر زور خطیبانہ انداز میں بحث کی گئی ہے

قیمت سات روپیہ آٹھ آنے عہ (علاوہ محصول)

مجموعہ مذہبی استفسارات و جوابات

اس مجموعہ میں جن مسائل پر حضرت نیاز نے روشنی ڈالی ہو ان کی مختصر فہرست یہ ہے (۱) اصحاب کہف (۲) معجزہ (۳) انسان مجبور ہے یا مختار (۴) مذہب و عقل (۵) نوح (۶) خضر کی حقیقت (۷) مسیح علم و تاریخ کی روشنی میں (۸) یونس و ہارون (۹) حسن یوسف کی داستان (۱۰) قارون (۱۱) سامری (۱۲) علم غیب (۱۳) دعا (۱۴) توبہ (۱۵) عالم برزخ (۱۷) یاجوج ماجوج (۱۸) ہاروت ماروت (۱۹) حوض کوثر (۲۰) امام مہدی (۲۱) نور محمدی اور پل صراط (۲۲) آتش نمرود وغیرہ ضخامت ۲۲۰ صفحات کاغذ سفید دبیز قیمت عہ

حسن کی عیاریاں

اور دوسرے افسانے

حضرت نیاز کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ جس میں تاریخی اور انشاء لطیف کا بہترین امتزاج آپ کو نظر آئے گا اور اُن افسانوں کے مطالعہ سے آپ واضح ہو گا کہ تاریخ کے بوسیدہ اوراق میں کتنی دلکش حقیقتیں پوشیدہ ہیں جنہیں حضرت نیاز کی انشا نے اور زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔ قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے (علاوہ محصول)

ترغیبات جنسی یا شہوانیات

اس کتاب میں فحاشی کی تمام فطری اور غیر فطری قسموں کے حالات پر تاریخی و نفسیاتی حیثیت سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ فحاشی دنیا میں کب اور کس طرح رائج ہوئی، نیز یہ کہ مذاہب عالم نے اسکے رواج میں کتنی مدد کی اس کتاب میں آپ کو حیرت انگیز واقعات نظر آئیں گے۔ نیا ایڈیشن۔ قیمت چار روپیہ للعہ/

فلاسفۂ قدیم

اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے دو علمی مضامین شامل ہیں (۱) چند گمشدہ فلاسفۂ قدیم کی سوانح کے ساتھ (۲) مادیین کا مذہب، نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ (علاوہ محصول)

۱۳۶۲۸

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۶۹ | فہرست مضامین جنوری، فروری ۱۹۵۶ء | شمار-۱-۲

مذہب کا آغاز و ارتقاء ۹

ابتدائی اقوام کا مذہب ۱۴

عہدِ قبل تاریخ کا مذہب ۱۷

قدیم عراق کا مذہب ۲۰

مصر قدیم کا مذہب ۲۴

حطی و فنیقی مذاہب ۲۸

کریٹ کا مذہب ۳۲

یونانی مذہب ۳۴

رومی مذہب ۴۰

ٹیوٹانی قوم کا مذہب ۴۳

کیلٹی مذہب ۴۵

قدیم امریکہ کے مذاہب ۴۶

ہندو مذہب ۴۹

جین مذہب ۶۲

بدھ مذہب ۶۴

چین کے مذاہب ۷۷

جاپان کا مذہب ۸۱

ایرانی مذاہب ۸۳

یہودی مذہب ۸۹

عیسوی مذہب ۱۰۳

مذہب اسلام ۱۱۳

فلسفہ اسلام ۱۲۰

تصوف اسلام ۱۲۷

عقلیت کا عروج ۱۳۵

کتابیات

جن انگریزی کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان میں خاص خاص کا نام درج کیا جاتا ہے، غیر انگریزی
کتابوں کے حوالے فٹ نوٹ کی صورت سے ہر مضمون کے ساتھ درج کر دئے گئے ہیں۔

GRANT ALLEN	EVOLUTION OF THE IDEA OF GOD.
JAMES HASTINGS	ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION & ETHICS.
JOSEPH MCCABE	A RATIONALIST ENCYCLOPAEDIA.
FUNK & WAGNALL.	STANDARD DICTIONARY OF FOLKLORE, MYTHOLOGY & LEGEND.
C. P. TIELE	OUTLINES OF THE HISTORY OF RELIGION.
DR.A. CHURCHWARD	ORIGIN & EVOLUTION OF RELIGION.
JOSEPH. GAER	HOW THE GREAT RELIGIONS BEGAN.
LIFE MAGAZINE (1955)	THE WORLD'S GREAT RELIGIONS.
R.A. GREGORY	RELIGION IN SCIENCE & CIVILIZATION.
A.C. BOQUET	COMPARATIVE RELIGION.
BHAGAVAN DAS	THE ESSENTIAL UNITY OF ALL RELIGIONS.
RADHA KRISHNAN	HISTORY OF EASTERN & WESTERN, PHILOSOPHY.
M.HIRIYANNA	THE ESSENTIALS OF INDIAN PHILOSOPHY.
SWAMI ABHEDANAND	DIVINE HERITAGE OF MAN.
M. de. MORGAN	PREHISTORIC MAN.
A.HYATT VERRILL	OLD CIVILIZATIONS OF THE NEW WORLD
C.HUART	ANCIENT PERSIA & IRANIAN CIVILIZATION.
GEORGE RAWLINSON	PHOENICIA.
W.A. CRAIGIE	RELIGION OF ANCIENT SCANDINAVIA.
B.ANWYL	CELTIC RELIGION.
CHARLES SELT MAN	THE TWELVE OLYMPIANS.
W.G. ASTON	SHINTO: THE RELIGION OF JAPAN.
LUZAC	ENCYCLO PAEDIA OF ISLAM.
MOHD ALI	THE RELIGION OF ISLAM.
A.GUILLAUME	ISLAM (*PELICAN SERIES*)
J.A. SUBHAN	SUFISM: ITS SAINTS & SHRINES.

نگار کا قرآن نمبر

جو نایاب تھا اس کے دو نسخے مل گئے ہیں اور اب معہ محصول پانچ روپیہ میں مل سکتا ہے۔

رعایتی اعلان

من و یزداں ــــ مذہبی استفسارات و جوابات ــــ جمالستان ــــ نگارستان ــــ شہوانیات ــــ

مغیر　　　　صہ　　　　جحر　　　　للعہ　　　　للعہ

مکتوبات نیاز تین حصے ــــ انتقادیات ــــ حسن کی عیاریاں ــــ مالہ و ماعلیہ ــــ شہاب کی سرگذشت۔

عـــہ　　　　للعہ　　　　عا　　　　عا　　　　عا

فلاسفۂ قدیم ــــ مذاکرات نیاز ــــ فراست الید ــــ مذہب ــــ نقاب اٹھ جانے کے بعد ــــ

عہ　　　　مغیر　　　　عہ　　　　عہ　　　　۸

میزان ۵۳ روپے

تمام کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے پر معہ محصول صرف چالیس روپے میں مل سکتی ہیں۔

"نگار" کے پچھلے فایل

سنہ ۳۲ء	=	جولائی تا دسمبر	=	ــــــــــ	=	۱۰ روپے
سنہ ۳۶ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ ہندی شاعری)	=	۲۰ روپے
سنہ ۳۷ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ اصحاب کہف و خلافت نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۳۹ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ مصحفی نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۴۰ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ نظیر نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۴۴ء	=	جولائی تا دسمبر	=	ــــــــــ	=	۱۰ روپے
سنہ ۴۶ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ انتقاد نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۴۷ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ ماجد ولین نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۴۹ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ افسانہ نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۵۰ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ تنقید نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۵۲ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ حسرت نمبر)	=	۲۰ روپے
سنہ ۵۳ء	=	جنوری تا دسمبر	=	(سالنامہ داغ نمبر)	=	۲۰ روپے

نوٹ:۔ صرف ایک ایک فایل موجود ہے اور سب سے پہلے جس کا آرڈر پہونچے گا اُسی کو دیا جائے گا۔　　قیمت محصولڈاک کے علاوہ ہے۔

مینیجر نگار لکھنؤ

"نگار" کے پچھلے تین سالنامے

سالنامہ سنہ ۳۶ء
جس میں علم "فراست التحریر" کے اُصول پیش کئے گئے تھے اور جن کو دیکھ کر آپ ایک شخص کا سواد خط دیکھ کر اس کے کیرکٹر کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں ۔ صرف ایک کاپی باقی ہے ——— قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

سالنامہ سنہ ۳۷ء
اس میں "ڈراما اصحاب کہف" اڈیٹر کے قلم سے پورا شایع ہوا ہے اور "خلافت و امامت" کے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہوا ہے ۔ ——— قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

سالنامہ سنہ ۳۸ء
اس میں "تاریخ اسلامی" کے عہد خلافت و امامت پر مختتم بحث کی گئی ہے جس کی ابتداء ۳۰ء میں ہوئی تھی ——— قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

فلسفۂ مذہب

مولوی مقبول احمد صاحب کی وہ ہنگامہ خیز تصنیف جس نے علماء اسلام کی "کافر ساز" مجالس میں ہلچل ڈال دی تھی اس میں مذہب کی ابتداء و ضرورت، مذہب، قومیت، قومیت و الٰہیات، مذہب و نبوت، مذہب و تکوین، مذہب و معاد، مذہب و تقریر، مذہب و اخلاق، مذہب و عبادات اور انجام مذاہب پر نہایت محققانہ و عالمانہ بحث کی گئی ہے ۔ قیمت تین روپیہ

گلہائے جعفری

یعنی

جناب اثر لکھنوی کے ڈیڑھ سو اشعار

جو اڈیٹر نگار نے اپنے تعارفی مقدمہ کے ساتھ بہت اہتمام سے شائع کئے تھے اس کی چند جلدیں اتفاق سے رہ گئی ہیں ۔ ۸؍ کے ٹکٹ ملنے پر انتخاب ذریعہ پوسٹ مل سکتا ہے ۔

ملک خطا کے شہزادے

وصی احمد بلگرامی کا وہ مشہور مقالہ جس میں انھوں نے اپنے مخصوص انداز بیان میں مسئلۂ خمر پر مولانا شبلی مرحوم کی تحریر پر اعتراض کیا تھا اور اڈیٹر نگار نے اس پر تبصرہ کیا تھا ۔ قیمت بارہ آنے

توقیت

تاریخ اسلامی ہند کے سلسلہ میں اڈیٹر نگار نے یہ توقیت مرتب کی تھی جس میں سنہ ۱ھ سے سنہ ۹۳۲ھ تک کے تمام اہم تاریخی واقعات بقید سنہ ہجری یکجا کر دئے گئے ہیں، تاریخ کے طلبہ کے لئے بڑی کارآمد چیز ہے ۔ قیمت ایک روپیہ

مرثیہ نگاری اور میر انیس

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا بسیط مقالہ جس میں جدید اصول نقد کے پیش نظر میر انیس کے فن مرثیہ نگاری پر بالکل نئے زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے قیمت عہ

عورت اور اسلام

مالک رام صاحب ایم اے کی مشہور کاوش کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے عورت کی زندگی کے ہر پہلو پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی ہے ۔ قیمت تین روپیہ

قول فیصل

جس میں ملک کے مشہور مفکر و بلند خیال شاعر علی اختر اختر حیدر آبادی نے ثابت کیا ہے کہ انسان لاکھ ترقی کرے کتنی ہی عقل و فراست سے کام لے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس کو خدا کے سامنے سر جھکانا ہی پڑتا ہے ۔ فنی حیثیت سے اختر کا یہ بڑا زبردست کارنامہ ہے ۔ ثبوت میں بآسانی پیش کیا جا سکتا ہے ۔ شروع میں حضرت نیاز فتحپوری کا مقدمہ بھی شامل ہے ۔ کاغذ ۲۸ پونڈ دبیز گرد پوش رنگین ۔ قیمت دو روپے

استفسار و جواب سوم ۔ معہ محصول دو روپیہ ۔

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

بعض کمیاب کتابیں

[...]تہی الارب دو جلدیں کامل .... ۶۰ ر

[...]قاموس چہار حصص ... محمد مجدالدین احمد ...... ۴۰ ر

[...]ج المصادر .... سید ابو عبداللہ حسین بن احمد قلمی ... ۳۵ ر

[...]شاف اصطلاحات الفنون ..... شیخ محمد علی .... ۱۵ ر

[...]ابنامہ ..... مطبوعہ نول کشور پریس .... ۴۰ ر

[...]انگیر نامہ ..... خواجہ ابوالحسن .... ۵ ر

[...]ریخ فرشتہ ۲ حصے ۔ محمد قاسم فرشتہ .... ۳۵ ر

[...]صائل السعادت تاریخ و نسب نامہ افاغنہ .... ۱۰ ر

[...]ئین اکبری مصور سہ حصص ابوالفضل فیضی .... ۶۰ ر

[...]ریخ جہانکشائے نادری مصور .... ۲۰ ر

[...]کندر نامہ مصور ..... مولوی نظامی گنجوی .... ۲ ر

[...]قایع نعمت خان عالی انشائے حسن و عشق .... ۲ ر

[...]رۂ نادرہ ..... مرزا محمد مہدی خاں .... ۸ ر

[...]ریخ گلستان ہند مصور ۔ درگا پرشاد .... ۱۵ ر

[...]ریخ جامع التواریخ ..... فقیر محمد .... ۱۲ ر

[...]قبال نامہ جہانگیری سہ حصہ محمد شریف معتمد خاں ... ۵ ر

[...]یر المتاخرین سہ حصہ ۔ غلام حسین خاں .... ۳۵ ر

[...]ر نامہ حیدری ۔ حالات حیدر علی خاں بانی دولت میسور

حالات ٹیپو سلطان مرتبہ شاہزادہ محمد سلطان ۔ ۶ ر

[...]کرۂ نجوم السماء ..... مرزا محمد علی .... ۳۰ ر

[...]کرہ صبح گلشن ..... علی حسن خاں .... ۳۵ ر

[...]کرہ دولت شاہ ۔ دولت شاہ سمرقندی .... ۱۰ ر

[...]کرہ مآثر الکرام دفتر ثانی سرو آزاد ۔ غلام علی آزاد ... ۱۲ ر

[...]لیات ظہیر ۔ حکیم ظہیر فاریابی .... ۴ ر

[...]صاید عرفی محشی ..... جمال الدین .... ۳ ر

[...]وسف زلیخا ..... عبدالرحمٰن جامی .... ۶ ر

مثنوی نلدمن ... ابوالفیض فیضی .... ۸ ر

مثنوی غنیمت ... محمد اکرام .... ۲ ر

مثنوی مخزن اسرار ۔ شیخ نظامی گنجوی .... ۲ ر

دیوان ظہیر ۔ حکیم ظہیر فاریابی .... ۲ ر

کلیات اسمٰعیل ۔ اسمٰعیل اصفہانی .... ۱۲ ر

دیوان ناصر علی سرہندی .... ۸ ر

دیوان صائب ... محمد علی صائب .... ۳ ر

کلیات صائب ... محمد علی .... ۲۰ ر

شرح شادانی قصاید خاقانی .... ۱۰ ر

کلیات سعدی ... شیخ مصلح الدین سعدی .... ۱۲ ر

لیلیٰ مجنوں نظامی ۔ مولانا نظامی .... ۲ ر

دیوان عرفی ... جمال الدین عرفی .... ۵ ر

دیوان ہلالی محشی ۔ ہلالی .... ۵ ر

دیوان قصاید عنصری ... حکیم ابوالقاسم .... ۲ ر

سبع سنابل ... عبدالواحد بلگرامی .... ۴ ر

اخلاق محسنی ۔ ملا حسین واعظ کاشفی .... ۲ ر

مصطلحات الشعراء محشی خلاصہ بہار عجم .... ۱۰ ر

غیاث اللغات ... محمد غیاث الدین مطبوعہ سنہ ۱۲۶۵ھ ... ۱۵ ر

برہان قاطع کشوری ۲ حصے کامل محمد حسین برہان ... ۶۰ ر

گنج شائیگاں معروف بہ ٹکسال محمد رفیع تاریخ سکہ جات مصور ۵ ر

احسن التواریخ ۔ تاریخ صوبۂ اودھ ۔ منشی رام سہائے تمنا ... ۱۰ ر

محل خانۂ شاہی ۔ فدا علی خنجر ۔ حالات محلات واجد علی شاہ ... ۳ ر

تاریخ ڈھاکہ مصور ... رحمان علی طیش .... ۱۲ ر

آثار غالب ۔ شیخ محمد اکرام .... ۱۰ ر

غالب ... غلام رسول مہر .... ۱۰ ر

یادگار غالب ۔ الطاف حسین حالی .... ۲ ر

الغزالی ۔۔۔۔۔۔ شبلی نعمانی ۔۔۔۔۔ ۱؎

تذکرہ کاملان رام پور ۔۔ احمد علی خاں ۔۔۔۔ عہ

تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سید احمد قادری ۔۔ ۸؎

حیات امیر خسرو ۔۔۔ سعید احمد ۔۔۔۔۔۔ ۸؎

تذکرہ آب بقا ۔۔۔ عبدالرؤف عشرت ۔۔۔۔۔ للعہ

ہندو شعراء ۔۔۔۔۔۔ ۔۔ ۲؍

تذکرۃ الخواتین ۔۔۔ عبدالباری آسی ۔۔۔ ۳؎

تذکرہ آب حیات ۔۔۔ محمد حسین آزاد ۔۔۔۔ عنہ

خطبات گارسان دتاسی ۔ لکچر ہندوستانی زبان پر ۔ شایع کردہ انجمن ترقی اردو ۔۔ ۳؎

تذکرہ ہندی ۔۔۔۔ مصحفی ۔۔۔ عنہ

دیوان میر حسن ۔۔۔ میر حسن حسن ۔۔ ۱؎

مرآۃ الغیب ۔۔۔ امیر احمد امیر ۔۔ ۸؎

کلیات ناسخ ۔۔۔ امام بخش ناسخ ۔۔ للعہ

مجموعہ قصاید ذوق ۲۳ عدد قصاید مع ترجمہ ۔۔ ۸؎

گلکدہ ۔۔۔ مرزا محمد ہادی عزیز ۔۔ للعہ

دیوان رنگین و انشاء ۔ ریختی کلام ۔۔ للعہ

دیوان تاج سخن ۔۔۔ جلیل حسن خاں جلیل ۔۔ ۶؎

کلیات سودا ۔۔۔ مرزا رفیع سودا ۔۔ ۶؎

مظہر معانی دیوان مجروح ۔ میر مہدی حسین ۔۔ معہ

آیات وجدانی ۔۔ مجموعہ غزلیات مع شرح ۔۔ ۶؎

کلیات حسرت ۔۔۔ فضل الحسن موہانی ۔۔ معہ

کلیات مومن ۔۔۔ مومن خاں دہلوی ۔۔ معہ

کلیات میر ۔۔۔ میر تقی میر ۔۔ عنہ

مکمل شرح کلام غالب ۔۔ مرتبہ عبدالباری آسی ۔۔ معہ

مطالب الغالب شرح دیوان غالب ۔ شارح مرزا سہا ۔۔ عنہ

دیوان شگوفہ ۔ دیوان نسیم محمد اصغر علی خاں ۔۔ عنہ

مظہر عشق دیوان قلق ۔ خواجہ اسد علی قلق ۔۔ ۱؎

آفتاب داغ ۔۔ نواب مرزا خاں داغ ۔۔ ۸؎

کلیات جعفر ۔ مرتبہ محمد فرحت اللہ ۔ میر جعفر زٹلی ۔۔ للعہ

دیوان حیدر علی ۔ طباطبائی ۔۔ للعہ

مجموعہ قصاید مومن ۔ مرتبہ ضیا احمد ۔۔ ۸؎

کلیات نظیر اکبر آبادی ۔ مرتبہ عبدالباری آسی ۔۔ عشہ

مثنوی میر حسن ۔ میر حسن ۔۔ ۶؍

مثنوی گلزار نسیم ۔۔ پنڈت دیا شنکر ۔۔ ۱؍

مثنوی زہر عشق ۔۔ نواب مرزا ۔۔ عہ

مراثی میر انیس ۔ جلد اول و دوم و سیوم و چہارم ۔ میر انیس ۔۔ للعہ

مراثی میر انیس جلد ششم ۔ مرتبہ میر عبدالحسین ۔۔ عشہ

دریائے لطافت ۔ انشاء اللہ خاں ۔۔ معہ

فسانہ عجائب ۔ مرزا رجب علی بیگ سرور ۔۔ للعہ

رسالہ فن شاعری ۔ مرزا سلطان احمد ۔۔ معہ

تنقیح اللغات ۔ ضامن علی جلال لغت قلمی ۔۔ عنہ

بحر الفصاحت ۔ حکیم محمد نجم الغنی ۔ عروض و قوافی ۔۔ عنہ

موازنہ انیس و دبیر ۔ شبلی نعمانی ۔۔ ۸؎

فردوسی پر چار مقالے ۔ محمود شیرانی ۔۔ معہ

تذکرہ آب بقا ۔ عبدالرؤف عشرت ۔۔ للعہ

رسایل شبلی ۔ شبلی نعمانی تاریخی و علمی مضامین ۔۔ ۶؎

عود ہندی ۔ اسد اللہ خاں غالب خطوط ۔۔ ۸؎

لکچروں کا مجموعہ ۲ جلد ۔ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ۔ ۴۲ لکچر ۔۔ ۳؎

تاریخ حبیب السیر ۔ غیاث الدین بن ہمام الدین ۔۔ ۱۲؎

آفتاب داغ ۔ نواب مرزا داغ ۔۔ للعہ

کلیات ظفر چہار دیوان ۔ بہادر شاہ ظفر ۔۔ ۱۵؎

ان کتابوں پر کمیشن نہیں دیا جائے گا قیمتیں علاوہ محصولڈاک ہیں

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

مذہب کا آغاز و ارتقاء

مذہب کیا ہے؟ — مذہب کی ایسی تعریف کرنا جو تمام مذاہب کے جملہ روایتی معتقدات پر حاوی ہو، بہت مشکل ہے۔ تاہم بنیادی طور پر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مذہب نام ہے انسان کے احساس بیچارگی اور کسی ایک یا متعدد اعلیٰ قوتوں کے اعتراف و پرستش کا۔ پھر مذہب نام صرف ذہنی احساس ہی کا نہیں بلکہ اس کے زیر اثر کردار و عمل کا بھی ہے جسے اصطلاح میں شعائر کہتے ہیں۔

مذہب اور اخلاق — بعض مذاہب نے اخلاقیات کو مذہب کا ضروری جزو قرار دیا ہے، لیکن دراصل یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کسی اعلیٰ قوت کی پرستش نہ کرے لیکن پھر بھی وہ سماج کا ایک اچھا فرد ثابت ہو۔ مثلاً قدیم اہلِ یونان زنا کو بُرا سمجھتے تھے لیکن خود ان کے دیوتا بار بار اس کے مرتکب ہوئے تھے، اسی طرح بائبل کثرتِ ازدواج کی تائید کرتی ہے لیکن عیسائی بہ یک وقت ایک عورت سے زیادہ شادی نہیں کرتے۔

الہام یا ایجاد — ہر چند زمانۂ قدیم کے ہر مذہب نے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اب اس خیال کے مویدوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے کہ مذہب خود انسان کی ایجاد ہے۔

ابتدائی نامذہبیت — اگر نظریہ ارتقاء صحیح ہے (اور اُس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں) تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور جانوروں کی طرح وہ بھی کسی شے کی پرستش نہ کرتا تھا، لیکن چونکہ غور و فکر انسان کی فطری ودیعت ہے، اس لئے اول اول جب اسے مناظر فطری و حوادث طبیعی سے واسطہ پڑا ہوگا تو ضرور اس نے سمجھنے کی کوشش کی ہوگی کہ پہاڑوں کی آتش فشانی، طوفان برق و باد، دریاؤں کی طغیانی، سردی کی شدت، آفتاب کا طلوع و غروب کیا ہے، وہ ذہنی و جسمانی حیثیت سے ان تمام باتوں سے متاثر ہوتا ہوگا، سود و زیاں کا سوال بھی اس کے سامنے آتا ہوگا اور عملی طور پر اس نے دفع ضرر کی کوشش کی ہوگی اور غالباً اسی سلسلہ کی ابتدائی چیزوں میں آگ کا انکشاف بھی تھا جس کی اسے سخت ضرورت تھی اور اس طرح سرد ممالک میں آگ کی پرستش شروع ہوگئی، اسی کے ساتھ جب وہ کاشتکارانہ زندگی بسر کرنے کے لئے پانی برسانے والے آسمان کو امید و بیم کی نگاہوں سے دیکھنے لگا، تو اپنی بیچارگی اور کسی دوسری عظیم قوت کے وجود کا احساس اس میں اور زیادہ قوی ہوگیا۔

روح کا انکشاف — مناظر فطرت کو دیکھ کر قدیم انسان پر مختلف قسم کے جذبات طاری ہوتے تھے، لیکن وہ ان کی ماہیت کو نہ سمجھ سکا تھا اپنے جسم کی حفاظت، غذا کی فراہمی اور جنسی جذبات کی تسکین کے بعد جس چیز نے اُس کے دماغ کو پریشان کیا وہ اپنے کسی عزیز کی موت تھی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ وہ کیا چیز تھی، جو اس شخص میں بولتی تھی، اور کیا شے تھی جو اس کے اعضاء کو جنبش دیتی تھی کہ اب اُس کے نکل جانے کے بعد نہ تو وہ بولتا ہے اور نہ اپنے جسم کو حرکت دے سکتا ہے۔

پھر جب انسان نے اپنے اعزہ و اقربا کو خواب میں دیکھا تو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ ضرور اب بھی کسی نہ کسی طرح زندہ ہیں۔ اگرچہ اُن کا جسم فنا ہوگیا لیکن روح باقی ہے، جو ہے تو ہوا کے مثل لیکن اپنی قدیم حالت پر قایم ہے اور اسے اب بھی ضروریات زندگی کی حاجت ہے۔ اس خیال کی بنا پر مُردہ کے ساتھ ساتھ اُس کا سارا سامان بھی دفن کیا جانے لگا۔

اسلاف و اکابر پرستی — مُردوں کے ساتھ اُس کا سامان دفن کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کہیں وہ اپنے سامان کے لئے زندوں کو

پریشان نہ کریں، انسان خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ جاتا ہے، یہ مقولہ بعد کا ہے، پہلے تو لوگ اپنا سارا ساز و سامان ساتھ لے جایا کرتے تھے بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس غار یا گھر میں موت ہو جاتی تھی تو لوگ اُسے چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے والے کی روح یا اس کا بھوت زندوں کو پریشان کرے۔

زندگی میں جس شخص کی زیادہ عزت ہوتی تھی، مرنے کے بعد بھی، اُس کے مرتبہ کا امتیاز باقی رکھا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ، ساحروں، جادوگروں اور بادشاہوں کی روحیں بہت بڑی روحیں تھیں۔ لہذا انھیں خوش کرنے کے لئے بہت کچھ کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو دیوتا یا خدا سمجھا جانے لگا۔

مظاہر پرستی (Animism) ۔ اس کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح انسان و حیوان میں روح موجود ہے، اُسی طرح مظاہر فطرت بھی ارواح کے حامل ہیں، کیونکہ بغیر اس کے آفتاب کی حرکت، بجلی کی چمک اور ہوا کی سنسناہٹ کی تشریح نہیں کی جا سکتی تھی الغرض قدیم انسان کو ہر جگہ روح ہی روح نظر آتی تھی، کوئی خبیث، کوئی سعید، اور بیماری کو ارواحِ خبیثہ کے اثرات کا نتیجہ سمجھ کر انھیں زیر کرنے کے لئے جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک سے مدد لی جاتی۔

جب انسان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہر چیز روح کی حامل ہے تو اُس نے اپنے تصور سے کام لیکر ان کی مختلف صورتیں قرار دیں۔ اور ان کے مجسّمے بنانے لگے۔

سماج کا اولین نظام امہاتی نظام (Matriarchal) تھا اور مرد کے مقابلہ میں عورت کو زیادہ فضیلت حاصل تھی (یہاں تک کہ بچّوں کے نام ماں کے نام پر رکھے جاتے تھے) اور چونکہ زمین جس پر انسان رہتا بستا تھا ماں ہی کی طرح اس کی زندگی کا سامان فراہم کرتی تھی اس لئے سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی اور اسے مادرِ زمین یا دھرتی ماتا کہنے لگے اور مختلف ملکوں میں اسے مختلف ناموں سے پکارنے لگے۔ اس کے بعد جب کارزارِ حیات میں مرد کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بیبوکئی اور امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لی تو الوہیت کے تصور میں بھی تغیر پیدا ہوا اور دھرتی ماتا کے مقابلہ میں "آسمانی باپ" کی اہمیت زیادہ ہو گئی اور اس سلسلہ میں چاند، سورج وغیرہ کی بھی پرستش ہونے لگی۔

سورج اور چاند ۔ چاند کی پرستش نسبتاً کم ہوئی، سورج کا شمار معبودانِ اعلیٰ میں تھا، چنانچہ مصر کا دیوتا ادتیرؔ اور ہورسؔ، بابل کا شمس اشوریوں کا آشور سب آفتاب ہی تھے۔

یونان، ایٹروریہ، جرمنی، برطانیہ اور اسکینڈے نیویا کے لوگ بھی آفتاب پرست تھے۔ ہندوستان میں ویدک دور سے لیکر اب تک "سوریہ پوجا" ہوتی آئی ہے اور جاپان میں اپنے بادشاہ میکاڈو کو بھی آفتاب ہی کا اوتار مانا جاتا ہے۔ جب انسان نے سیر و شکار کی زندگی چھوڑ کر کاشتکارانہ زندگی شروع کی اور سورج کی حرکات سے غلّہ بونے اور کاٹنے کا زمانہ متعین کیا تو شمس پرستی کا عروج ہونے لگا۔

ستارے ۔ ستاروں کی پرستش مختلف اقوام نے کی ہے لیکن اُسے انتہا تک پہونچانے والے اہلِ بابل تھے۔ ستارہ پرستی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے علم نجوم اور بعد میں فلکیات کی بنیاد پڑی۔ قدیم ستارہ پرستی کا ثبوت ہندی اور انگریزی دنوں کے نام سے بھی ہوتا ہے۔

چاند، سورج کی طرح ہر ستارہ کا ایک دیوتا تھا اور اس میں روح کا پایا جانا تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی، کیونکہ وہ آسمان کا مرکزی نقطہ ہے اور تمام ستارے اُس کے گرد گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مصر قدیم کے دیوتا ہورسؔ کا قول ہے کہ "میں وہ ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشین ہے اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری طاقتیں ہیں"۔ سمیری قوم کا سب سے بڑا معبود انوؔ بھی قطب ستارے کا دیوتا تھا اور ہندوؤں کے برہما کا تعلق بھی قطب ستارے سے ہے۔ اسی طرح جاپان میں سب سے بڑے خدا کے نام کے معنی ہیں "آسمان کے مقدس مرکز کا مالک دیوتا"

پہاڑ ۔ یہ نہ صرف اپنے پرشکوہ منظر کی بناء پر قابلِ پرستش ٹھہرے، بلکہ اس لئے بھی کہ وہ بادلوں کو روک کر پانی برسانے کا سبب تھے

علاوہ ازیں وہ آسمان سے قریب تر تھے، جسے سب سے بڑا معبود مانا جاتا تھا۔ ہر قوم نے بعض پہاڑوں کو مقدس مانا ہے مثلاً ہندوؤں میں کیلاش پربت۔ یہودیوں میں کوہ صیون اور مسلمانوں میں کوہ طور۔

مختلف اقوام کی دیومالاؤں میں ایک ایسے مقدس پہاڑ کا ذکر پایا جاتا ہے جو دیوتاؤں کا مسکن ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا سمیرو، بابل والوں کا کھرساک کرّا۔ چینیوں کا کوئن لوئین۔ یونانیوں کا اولمپس، ایرانیوں کا البرز (یا ہرابرزایتی) وغیرہ وغیرہ۔

درخت — مقدس پہاڑ سے ایک مقدس درخت کا تصور بھی وابستہ ہے، مثلاً ہندوؤں کا سوم، ایرانیوں کا ہوم، نارڈک قوم کا ایش یگ ڈرازل، یہودیوں کا شجرۃ الحیات (یا شجرۃ العلم) مسلمانوں کا طوبیٰ وغیرہ۔ اہلِ بابل اپنے "بہشتی درخت" کی نقل بناکر پوجتے تھے جسے اشیرا کہتے تھے۔ نارڈک قوم میں بھی مقدس درخت کی پرستش ہوتی تھی اور یہ رسم عیسائیوں میں "کرسمس ٹری" کی صورت میں اب بھی جاری ہے۔

اس روایتی درخت سے قطع نظر ہر ملک میں درختوں کا احترام کسی نہ کسی صورت میں ضرور پایا جاتا ہے، عموماً انھیں جاندار مانتے ہیں ہندوستان میں درختوں کو بھوتوں، جنوں اور شہیدوں کا مسکن مانا جاتا ہے۔ اسی لئے رات کو پھول توڑنے یا دوپہر کو درخت (خصوصاً پیپل) پر چڑھنے سے لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں کسی وقت درختوں سے لڑکیوں کی شادی کرنے کا بھی رواج تھا۔

آگ — عناصر اربعہ میں سب سے زیادہ آگ کی پرستش ہوئی ہے۔ غالباً اس کی بنیاد اُس زمانہ میں پڑی جب انسان نے آگ کو دریافت کیا تھا، اور چونکہ ایک مرتبہ آگ بجھنے پر اُس کا دوبارہ فراہم کرنا مشکل ہوتا تھا جہاں تک ممکن ہوتا آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔ آگ کو زمین پر آفتاب کا نمائندہ مانا جاتا تھا۔ سورج یا آگ کی روشنی ہی کی بنا پر یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا نور محض ہے۔ بجلی بھی آگ کی ایک صورت تھی جسے "خدائی تازیانہ" اور غضب الٰہی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض اقوام نے آتش فشاں پہاڑوں کی بھی پوجا کی ہے۔ قدیم ہند کے آریہ لوگوں میں اگنی سب سے بڑا معبود تھا۔ اب بھی جب ایک ہندو چراغ روشن کرتا ہے تو اُسے ہاتھ جوڑکر نمسکار کرتا ہے۔ پارسی زمانۂ قدیم سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر شہر میں ایک بڑا آتشکدہ ہوا کرتا تھا جہاں رات دن آگ روشن رہا کرتی تھی۔ اٹلی میں بھی یہی رواج تھا وہاں آگ کی دیوی کا نام ویسٹا تھا۔

پانی — آگ کے بعد پانی سب سے بڑا معبود تھا۔ زمانۂ قدیم کی تمام مشہور تہذیبیں دریائی وادیوں میں پروان چڑھی تھیں مصر میں رود نیل، عراق میں دجلہ و فرات، ہندوستان میں سندھ اور گنگا و جمنا، چین میں ہوانگ ہو کی وادیاں زمانۂ قدیم میں تہذیب کا خاص مرکز تھیں۔ اس لئے ہمیں تعجب نہ ہونا چاہئے کہ یہاں کے باشندوں نے کسی نہ کسی صورت سے ان دریاؤں کی بھی پرستش کی ہے۔ اہلِ مصر نیل ندی کو دیوتا مانتے تھے، جس کا نام ہاپی تھا۔ عراق میں پانی کا دیوتا ایا پوجا جاتا تھا۔ اور ہندوستان میں اب بھی گنگا جل مقدس ہے اور دریائے سرسوتی کی دیوی علوم و فنون کی مربی بن گئی ہے۔ دریاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسان نے قربانیاں بھی پیش کی ہیں اور بسا اوقات اپنے ہی ابنائے جنس کو بھینٹ چڑھایا ہے۔

ہوا اور مٹی — آگ اور پانی کے مقابلہ میں ہوا کی پرستش کم ہوئی ہے اگرچہ ہر ملک کی دیومالا میں ہوا کا دیوتا ضرور پایا جاتا ہے مٹی کو زمین کے ساتھ ہی پوجا گیا ہے علٰحدہ نہیں۔ اس کا تعلق کاشتکاری اور جذبۂ حب الوطنی سے رہا ہے۔

اعضائے جنسی — غذا اور پانی کی طرح جنسی خواہش بھی بالکل فطری تقاضا ہے اور اس کی تسکین کے دو مقصود ہوتے ہیں، ایک حصول لذت اور دوسرے افزائش نسل اور اسی اہمیت کے پیش نظر اعضائے جنسی کی پوجا مصر، عراق، ہندوستان یونان، روم وغیرہ ہر جگہ ہونے لگی۔

حیوان پرستی (Zoolatry) — کا پتہ ہر جگہ چلتا ہے۔ شاید ہی کوئی جانور ایسا ہو جس کی پرستش نہ کی گئی ہو۔ مصری گبریلے (Scarab) سے لیکر ہاتھی، شیر تک پوجے گئے ہیں۔ حیوان پرستی کا آغاز غالباً جانوروں کے خوف سے ہوا۔ لیکن بعد کو

جب انسان کا عقیدہ یہ ہوا کہ مُردوں کی روحیں حیوانی قالب میں نمودار ہوتی ہیں تو حیوان پرستی کا رواج زیادہ ہوگیا اور اس سلسلہ میں انسان اور حیوان ملے ہوئے "مرکب دیوتا" (Composite gods) پیدا ہوگئے، جیسے ہندوؤں میں گنیش جی۔ وشنو کے بعض اوتار بھی اسی نوعیت کے تھے۔

مصری حیوان پرستی کا ایک شرمناک پہلو بھی تھا یعنی یہ کہ عورتیں اپنے کو مقدس جانوروں کے سامنے (جو مندروں میں پائے جاتے تھے) پیش کر دیتی تھیں۔ اسی طرح جاپان میں آئنو قوم کے لوگ اپنی عورتوں سے ریچھ کے بچوں کو دودھ پلواتے تھے اور جب ریچھ جوان ہو جاتا تو اُسے رسیوں سے باندھ کر میدان میں لایا جاتا اور اُس پر تیر اندازی کی جاتی تھی۔ بعد ازاں اُس کا گوشت سب لوگ ملکر کھاتے۔ ریچھ اُن کا معبود یا "ٹوٹم" تھا۔

ٹوٹم پرستی (Totemism) بھی حیوان پرستی ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شمالی امریکہ کی اوجبوا (Ojibwa) قوم اپنے مقدس جانوروں کو "ٹوٹم" کہتی تھی۔ اس ٹوٹم پرستی کا رواج شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں کے علاوہ افریقہ، آسٹریلیا اور ہندوستان میں بھی رہا ہے اور کسی حد تک اب بھی ہے۔ جانوروں کے علاوہ پیڑ پودے یا بعض دوسری چیزیں بھی ٹوٹم ہو سکتی ہیں۔

توحید کا تصور اور سماجی نظام

بائبل کا بیان ہے کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود انسان نے خُدا کو اپنا ایسا تصور کیا۔

زمانۂ قدیم کے بادشاہ اپنے کو "خدا کا سایہ" کہتے تھے لیکن اگر بادشاہ وجود میں نہ آتے تو خدا کا یہ تصور غالبًا پیدا نہ ہوتا۔

ہیکٹر ہاٹن کہتا ہے کہ چونکہ مذہب سماجی نظام کا انعکاس ہوا کرتا ہے لہٰذا کسی ایسی قوم میں توحید کا تخیل پیدا ہونا محال ہے جس میں بادشاہ نہ گزرے ہوں۔ جب بڑی بڑی سلطنتیں قایم ہوئیں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کائنات کا بھی کوئی حکمراں ہے۔ کائناتی خدا کے تصور سے پہلے قبائلی اور مقامی معبودوں کا تصور عام تھا۔

ہر شہر کا ایک الگ دیوتا ہوا کرتا تھا۔ جب کوئی شخص اپنے شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں جاتا تو اُسے اپنے معبود کو چھوڑ کے وہاں کے معبود کو اختیار کرنا پڑتا تھا اور جب ایک شہری ریاست دوسری شہری ریاست کو زیر کر لیتی تھی تو فاتح شہر کا معبود فاتح اور مفتوح شہر کا معبود مفتوح مانا جاتا تھا اور جب ایک شہری ریاست کئی شہری ریاستوں کو زیر کر لیتی تھی تو فاتح ریاست کے معبود کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ یہ صورت ہمیں قدیم عراق میں نظر آتی ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ فاتح معبود میں مفتوح معبود کی صفتیں ضم کر دی گئیں ہیں اس اصول نے جسے (Syncretism) کہتے ہیں توحید کا تخیل پیدا کرنے میں بڑی مدد کی ہے۔

توحید ناقص (Henotheism)۔ مذاہب عالم کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عابد اپنے معبود کی پرستش کرتے وقت دوسرے معبودوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے مخصوص معبود سے تمام وہ صفات منسوب کرتے ہیں جو خدا کے شایانِ شان ہیں۔ اسے ہم توحید ناقص کہہ سکتے ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال ہندو مذہب ہے۔ آج بھی ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ ہزاروں دیوتا موجود ہیں لیکن جب وہ اپنے معبودانِ اعلیٰ (وشنو، شیو، رام، کرشن) کی پرستش کرتے ہیں تو اُن سے وہی صفات منسوب کرتے ہیں جو خدائے برتر و اعلیٰ میں ہونا چاہئیں۔

توحید خالص (Monotheism)۔ اس تصور کو نہ تو ایرانی پیدا کر سکے کیونکہ وہ ثنویت (Dualism) کے قایل تھے اور نہ عیسائی جو تثلیث (Trinity) کے قایل ہیں۔ ایرانیوں نے خداوند خیر کا نام یزداں رکھا اور خداوند شر کا اہرمن (شیطان) اسی طرح عیسائی "باپ، بیٹا اور روح القدس" کی تثلیث کو مانتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی توحید کا تصور پیدا ہو چکا تھا، لیکن چونکہ انھوں نے مختلف دیوی دیوتاؤں کو بھی ایک ہی خدا کی مختلف صورتیں سمجھا اور بت پرستی کو بھی نہ چھوڑا اس لئے وہ موحد نہ کہلا سکے۔

ثنویت، تثلیث اور شرک کی تردید اور بت پرستی کا مکمل استیصال اسلام نے کیا، ہر چند ظہور اسلام سے قبل بھی یہودیوں اور عیسائیوں میں توحید کا عقیدہ پایا جاتا تھا لیکن وہ اتنا صاف و منزہ نہ تھا جو اسلام نے پیش کیا۔

وحدتِ الوجود (Monism) توحید میں خدا کا تصور شخصی تصور ہے اور انسان و خدا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو صانع و مصنوع یا خالق یا مخلوق میں ہونا چاہئے۔ برخلاف اس کے وحدت الوجود یا عقیدہ ہمہ اوست کے مطابق روح اور مادے کی تفریق غلط ہے۔ دُنیا کی ہر شے خود خدا ہے اُسی طرح جیسے قطرہ، حباب، جھاگ، لہریں وغیرہ پانی ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور اگر انسان کوشش کرے تو وہ بھی خدا ہو سکتا ہے یا خدا سے مل سکتا ہے۔ یہی فلسفہ ویدانت ہے۔ جسے سب سے پہلے ہندوؤں نے اپنشدوں میں پیش کیا اور پھر مسلمانوں نے اُسے اختیار کیا اور اسلامی تعلیمات سے ملکر تصوف کی شکل میں ظاہر ہوا۔

الحاد یا کفر (Atheism) اس کے معنی ہیں خدا کے وجود سے انکار کرنا یا اُسے نہ ماننا۔ تاریخ مذہب شاہد ہے کہ پہلے انسان کثرت پرست تھا، اس کثرت پرستی سے توحید پیدا ہوئی اور (۱) خدا کو صاحب صورت و صاحب صفات مانا جانے لگا پھر (۲) خدا کو بے صورت لیکن صاحب صفات مانا گیا اور (۳) تیسری منزل میں آکر خدا کو بے صورت اور بے صفت مانا گیا۔ بدھ اور جین مذہب میں خدا کا یہی تخیل پایا جاتا ہے اور یہ مذہب ملحد کہلاتے ہیں۔

الحاد کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بدھ اور جین مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے یا ان کے زمانہ میں ہند قدیم میں چارواک نامی ایک فرقہ تھا جو پکا ملحد تھا۔ اسی طرح اسلام نے بھی بڑے بڑے ملحد پیدا کئے ہیں۔ آخر میں یورپ اور امریکہ کا نمبر آیا، جہاں اب اس کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ خدا یا دوسری غیر مادی اشیاء کی ماہیت ہم جان ہی نہیں سکتے کیونکہ ہمارا ادراک اور تعقل محدود ہے اور یہ مسایل ہماری عقل کے لئے ناقابلِ فہم ہیں۔ اس عقیدہ کو لا اُدریت (Agnosticism) کہتے ہیں۔

یہ آسمان کے دیوتا زیوس (یونانی) یا جوپیٹر (رومی) کی تصویر ہے۔
آسمان کو مختلف اقوام نے خدا یا اُس کا مسکن مانا ہے۔

ابتدائی اقوام کا مذہب

اس وقت بھی دنیا میں بعض قومیں ایسی پائی جاتی ہیں، جن کا تمدن قدیم حجری عہد کا ہے۔ یہ وہ قومیں ہیں جو اب سے تقریبًا لاکھ سال قبل ترقی پذیر اقوام سے جدا ہوگئی تھیں اور ان کی ترقی رک گئی تھی۔ ان کے عقاید کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین انسان کا مذہبی تصور و ماحول کیا تھا۔

نیگریٹو اقوام اس نسل کے لوگ جزیرۂ فلیپائن، انڈمان، سیلون، ملایا، آسٹریلیا، تسمانیہ اور افریقہ وغیرہ میں آباد ہیں اور تہذیب و شایستگی کی سب سے ادنیٰ منزل میں ہیں۔ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے مذہب کہا جا سکے یہاں تک کہ ان میں مظاہر پرستی بھی نہیں پائی جاتی۔ ان میں سے بعض روح کو "سایہ" کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی آدمی کا سایہ برقرار رہتا ہے۔

آسٹریلیا کے جنگلی باشندے نیگریٹو لوگوں سے ذرا اونچی سطح پر ہیں۔ ان میں بقائے روح کا واضح تخیل پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں وہ ایک ایسی اعلیٰ ہستی کے معتقد ہیں جسے سب کا باپ کہتے ہیں۔ مختلف قبایل میں اسکے مختلف نام ہیں ان میں ایک بائی بھی ہے جسکے معنی "بنانے والا" کے ہیں۔ اسے ایک بوڑھا شخص ظاہر کیا جاتا ہے۔ جو پہلے زمین پر رہتا تھا پھر آسمان پر سے کسی دوسری جگہ چلا گیا، جہاں وہ اب بھی رہتا ہے اور انسانوں کی نگہداشت کرتا ہے۔ اسی نے آسمان، زمین، انسان، جانور اور درخت پیدا کئے اور اسی نے انسانوں کو ہتھیار بنانا، جال بننا وغیرہ مختلف مشاغل حیات سکھائے۔

ڈاکٹر اے۔ ڈبلیو ہووٹ (Dr. A. W. Howitt) کا خیال ہے "سب کے باپ" کا تخیل محض قبیلے کے بزرگ پر مبنی ہے۔ اور ہیکٹر ہاٹن (Hector Hawton) نے بھی اس خیال کی تردید کی ہے کہ آسٹریلیا کے قبایل میں خدا کا تصور پیدا ہوگیا تھا۔ کیونکہ کسی قوم میں خدا کا تصور پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُس میں بادشاہ گزرے ہوں۔ اور آسٹریلیا میں بادشاہی تو درکنار سرداروں کا بھی پتہ نہیں ہے۔

میلانیشیا کے باشندے آسٹریلیا کے جنگلی باشندوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ یہ لوگ فیجی، نیوگنی اور جزائر سالومن وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان میں انسانی اور غیر انسانی روحوں اور دیوتاؤں کا ابتدائی تخیل موجود ہے وہ ایک خاص ہستی کے قایل ہیں جسے مانا کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی پراسرار قوت ہے جو انسانوں، حیوانوں، درختوں، الغرض کائنات میں ہر جگہ مخفی ہے اور ساری کامیابی، صحت اور مادی خوشحالی اسی غیر مرئی قوت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ مانا اگر طوفان روک سکتا ہے تو اُسے لانے پر بھی قادر ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مردوں کی روحیں یکسر مانا ہوتی ہیں۔

پالی نیشیا کے لوگ، میلانیشیا کے لوگوں سے زیادہ اونچی سطح پر ہیں۔ تاروآ اُن کا خاص معبود ہے جو خالق ہے۔ وہ کائناتی بیضہ کی تاریکی میں چھپا تھا جسے توڑکر وہ باہر آیا اور کچھ عرصہ تک جنت میں تنہا رہا۔ پھر اس نے ایک عورت کو پیدا کیا جس کی مدد سے اُس نے زمین، آسمان اور

---

[1] اس سے ملتی جلتی روایات ہندوستان اور چین میں بھی پائی جاتی ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ ماضی بعید میں ان ممالک کے بعض لوگ پالی نیشیا پہونچے ہوں اور اُن کے ساتھ یہ روایت بھی گئی ہو۔

سمندر کو بنایا۔ بعض روایات کے مطابق اُس نے زمین کو مچھلی کی طرح کانٹے سے پکڑ کر سمندر کی گہرائی سے باہر نکالا۔ پھر اُس نے کچھ لال مٹی لیکر انسان بنایا۔ ایک روایت کے مطابق اُس نے آدمی پر گہری نیند بھیجی اور اُس کی ایک ہڈی نکال کر عورت بنائی"۔ یہ روایت غالباً عیسائی تبلیغ کا نتیجہ ہے
افریقہ ۔ پروفیسر میکس مُلر (Prof. Max Müller) افریقی مذہب کے عناصر اعلیٰ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : "اگر ہم افریقی اقوام کو توحید کا قایل نہ مانیں تو اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ توحید کی حدود سے بہت قریب ہیں"۔

اوجی (Odji) یا اشانتی (Ashanti) قبایل کے نزدیک آسمان سب سے بڑا معبود ہے جسے وہ شخصی خدا، خالق اور تمام اچھائیوں کا مالک مانتے ہیں۔ تاہم دُنیا کی حکومت اُس نے اپنی پیدا کی ہوئی روحوں کے حوالے کر دی ہے جو پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں، دریاؤں اور سمندروں میں رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض سعید ہیں اور بعض خبیث۔ اُن میں ایک بدترین روح کا تصور بھی پایا جاتا ہے جو انسانوں کی دشمن ہے اُس کا مقابلہ ہم شیطان سے کر سکتے ہیں۔

یبو (Yebu) لوگ خدا کی یوں حمد کرتے ہیں : "آسمان کے خدا بیماری اور موت سے ہماری حفاظت کر، اے خدا ہمیں خوشی اور دانش عطا کر"۔ یوروبا (Yoruba) لوگ بھی آسمان کے خدا میں اعتقاد رکھتے ہیں جسے اولوروُن (Olorun) کہتے ہیں۔
آکرا (Akra) لوگوں میں سب سے بڑے بڑے دیوتا کا نام جونگ مار Jongmaa) ہے جس کے معنی "بارش کے دیوتا" کے ہیں۔ غالباً یہ نیونگ مو (Nyongmo) کی بدلی ہوئی صورت ہے جو گولڈ کوسٹ پر خدا کا نام ہے۔ وہاں اس کے معنی آسمان کے ہیں جو ہر جگہ ہمیشہ سے موجود ہے۔

گولڈ کوسٹ کے نیگرو لوگوں میں بہت پُرانے زمانہ سے نیونگ مو کو خدائے برتر مانا جاتا ہے جس نے دُنیا کو بنایا اور اُس پر حکومت کرتا ہے۔ وہ اسے وہ "ہمارا بڑا دوست" یا "وہ جس نے ہمیں بنایا" کہتے ہیں۔ کسی بڑی مصیبت کے وقت اُن کے منہ سے یہی نکلتا ہے کہ "ہم خدا کے ہاتھوں میں ہیں وہ جو مناسب سمجھے گا کرے گا" یا "خدا قدیم ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ وہ مجھے دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھوں میں ہوں"
ماکوا (Makua) لوگوں میں خُدا، آسمان اور بادل کے لئے ایک ہی نام ہیں۔ خرطوم سے تقریباً تین سو میل جانب جنوب ڈنکا (Dinka) لوگ آباد ہیں۔ ان لوگوں میں خدا کو ڈینگڈٹ (Dengdit) کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں "بارش عظیم"۔ اس کا دوسرا نام ہے نیالچ (Nyalich) جس کے معنی ہیں "اوپر کا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بارش کا دیوتا ہے اور آسمان اُس کا مقام ہے، اُسے دُنیا کا خالق اور اُس کے نظام کا بانی بھی مانا جاتا ہے۔

داہومی (Dahomey) میں سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا ہے لیکن اُس کی پرستش نہیں کی جاتی۔ کیمبرون (Cameruns) کے دوآلہا (Duallahs) لوگوں میں خدا کے لئے وہی نام ہے جو سورج کا ہے، آکرا لوگ طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی پرستش کرتے ہیں۔

ایبو (Ibo) لوگ دُنیا کی بنانے والی ایک ہستی میں اعتقاد رکھتے ہیں جسے تشوکو (Tshuku) کہتے ہیں۔ اس کے آنکھیں اور دو کان ہیں جن میں سے ایک زمین پر ہے اور ایک آسمان پر۔ وہ غیر مرئی ہے اور کبھی نہیں سوتا۔ وہ سب کچھ سنتا ہے لیکن نہیں کے قریب جاتا ہے جو اُس کے پاس آتے ہیں۔ نیک لوگ اُسے مرنے کے بعد دیکھیں گے اور بُرے لوگ آگ میں جائیں گے۔ بشمین (Bushmen) بھی خدا میں اعتقاد رکھتے ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ "اُسی نے سب چیزیں بنائی ہیں اور ہم اُس کی عبادت کرتے ہیں"۔
اسی طرح زولو (Zulu) لوگ بھی خالق میں یقین رکھتے ہیں۔
امریکہ ۔ مغربی اقوام کے یورپ میں آباد ہونے سے قبل وہاں جو لوگ آباد تھے وہ امریکن ہندی کہلاتے ہیں، کولمبس نے جب امریکہ کا پتہ لگایا

• Encyclopaedia of Religion & Ethics vol. 4 "Dinka".

تو وہ یہ سمجھا کہ میں ہندوستان پہونچ گیا ہوں اس لئے وہاں کے باشندوں کو جن کا رنگ سُرخی مایل تھا اُس نے سرخ ہندی (Red Indian) کہا اور تب سے یہ نام مشہور ہوگیا۔ امریکن ہندی مختلف قبایل میں منقسم ہیں اور اب اُن کی نسل فنا ہونے کے قریب ہے۔ ان میں ٹوٹم پرستی اور جادو ٹونے کے سوا میلانیشیا والوں کے مانا کی طرح ایک روحانی قوت کا اعتقاد پایا جاتا ہے جیسے الگان کوئی (Algonquian) زبان میں مانیتو (Manitu) کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہر فوق البشر قوت حتیٰ کہ ریل اور موٹر کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ساؤک، دلاورے اور دوسرے الگان کوئی قبایل میں خالق اور دوسری فوق الفطرۃ ہستیوں کو بھی مانیتو کہا جاتا ہے۔ دلاورے لوگوں میں خالق کے لئے ایک خاص نام ہے، کیتانتووِت جس کے معنی "طاقتِ عظیم" کے ہیں۔

اراکوئی (Iroquois) لوگوں میں مانیتو کا مقابل اورینڈا (Orenda) ہے جسے طلسمی قوت سمجھا جاتا ہے۔ سُو (Sioux) نسل کے لوگ فوق الفطری قوت کو واکن (Wakan) یا واکنڈا (Wakanda) کہتے ہیں مثلاً واکنڈا تلوار کے معنی ہیں "بہت تیز تلوار"۔ الغرض خالق کے بارے میں یہ قبایل کوئی خاص تصور نہیں رکھتے۔

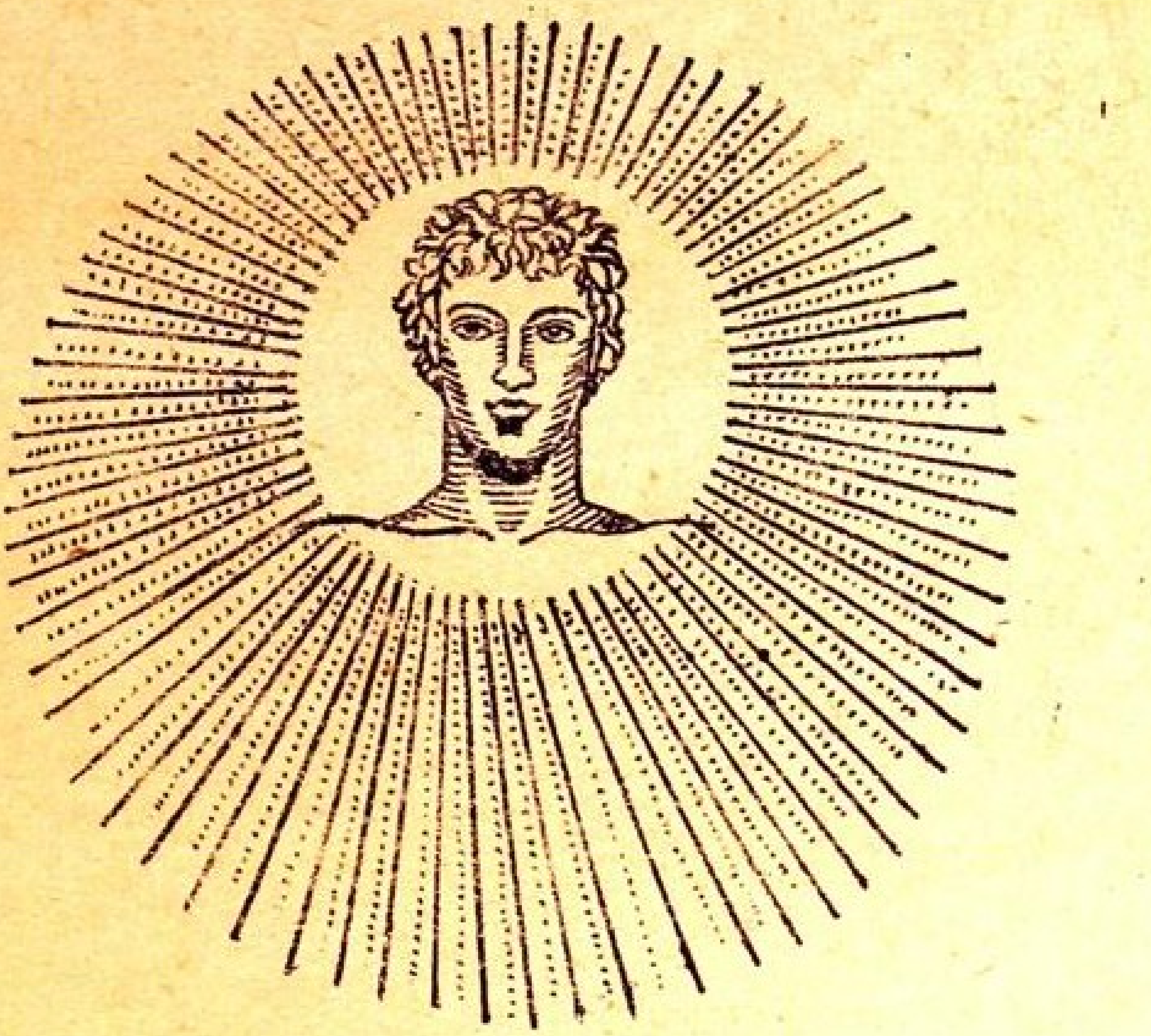

آفتاب جس کی مہذب اور نیم مہذب اقوام نے سب سے زیادہ پرستش کی ہے

عہدِ قبلِ تاریخ کا مذہب

بائبل میں آدم اور اُن کی نسل کا جو شجرہ دیا ہے اس کو سامنے رکھ کر پادری آشر نے ظاہر کیا تھا کہ ہماری دُنیا ۴۰۰۴ ق م ۲۶ اکتوبر کو ۹ بجے عالمِ وجود میں آئی۔ لیکن تحقیقاتِ جدیدہ نے اس خیال کو بالکل لغو ثابت کر دیا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے مطابق انسان اور انسان نما بندر (چمپینزی، اورنگ، گوریلا اور گبن وغیرہ) دونوں کا مورثِ اعلیٰ ایک تھا — قدیم ترین انسانوں کی ہڈیاں چین (پیکنگ) اور جاوا میں ملی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اب سے پانچ لاکھ سال پہلے پایا جاتا تھا۔ جنوبی انگلستان اور جرمنی میں جن انسانوں کی ہڈیاں ملی ہیں ان سے بھی انسان کا پچاس ہزار سال پہلے پایا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ ان ہڈیوں کا معائنہ کرنے کے بعد ماہرین نے یہ معلوم کیا ہے کہ وہ سیدھے نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور جُھکے جُھکے چلتے تھے اُن کی ٹھوڑیاں نہ تھیں اور غالباً وہ باتیں بھی نہ کر سکتے تھے۔ بایں ہمہ اُنھوں نے آگ کا استعمال معلوم کر لیا تھا۔ آگ کو غار کے سامنے جلا کر درندوں کو دور رکھا جاتا تھا۔ اُن کی غذا جانوروں کا گوشت تھا جنھیں لکڑی یا چقماق کے بھدّے ہتھیاروں سے مارتے تھے اُن کا لباس جانوروں کی سُکھائی ہوئی کھالیں تھیں۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دریاؤں کے کنارے رہتے تھے۔ اس لئے کہ اُن کے پاس پانی لے جانے کے لئے برتن نہ تھے حفاظت کے خیال سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں رہتے تھے۔ ہر گروہ کا ایک سردار ہوا کرتا تھا اور جب وہ کمزور ہو جاتا تو کوئی اور اُسے مار کر اُس کی جگہ لے لیتا۔ اس کے بعد یورپ میں جو انسان ظاہر ہوئے ہیں انھیں مکمل انسان (Homo Sapiens) کہتے ہیں جو اب سے تقریباً ۲۵۰۰۰ سال پہلے شمالی افریقہ یا جنوبی ایشیا سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان کے آثار فرانس میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی تصویریں اسپین اور فرانس کے تقریباً ۳۰ غاروں میں موجود ہیں جن سے ان کے مذہبی عقاید پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ عموماً تصاویر کو غار کے دہانہ سے بہت اندر کی طرف بنایا گیا ہے۔

(Les Combarelles) کے غار میں تصاویر کی تعداد ۳۰۰ سے اوپر ہے۔ عالموں کا خیال ہے کہ یہ تصاویر جانوروں کی افزائش کے لئے بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اب بھی بعض نیم مہذب اقوام اس اصول پر کاربند ہیں ایک سیاح نے وسطی آسٹریلیا کے ایک قبیلے کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کسی چٹان پر ایک خاص قسم کے کیڑوں کی تصویریں بناتے ہیں جسے وہ کھاتے ہیں اور پھر اُن کے سامنے گا کر افزائشِ نسل کی التجا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے قبیلے کے لوگ جن کی خوراک ایمو نامی پرندہ ہے اُس کی افزائش کے لئے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے خون سے زمین کو رنگتے ہیں اور پھر اُس پر ایمو اور اُس کے انڈوں کی تصویریں بنا کر بعض رسوم ادا کرتے ہیں اور یہ رسوم عورتوں سے چھپا کر ادا کی جاتی ہیں اس لئے بالکل ممکن ہے کہ عہدِ قدیم کا انسان بھی غار کے بعید ترین حصّوں میں اس لئے تصویریں بناتا ہو کہ وہاں تک عورتیں نہ پہونچ سکیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کا مذہب صرف جادو ٹونا تھا اور اس کا ثبوت ایک جادوگر کی تصویر سے ملتا ہے جس میں اسے بارہ سنگھے کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔

غاروں میں انسانی تصاویر بہت کم پائی گئی ہیں۔ انسانی تصاویر میں سب سے اہم (Cogul) کا ایک نقش ہے جس میں ۹ عورتوں کو ایک جانور کے گرد رقص کرتے دکھایا ہے۔

یہ تصویریں جس رقص کا منظر پیش کرتی ہیں اُس کا تعلق جانوروں کی افزائش نسل کی مذہبی رسم سے معلوم ہوتا ہے۔

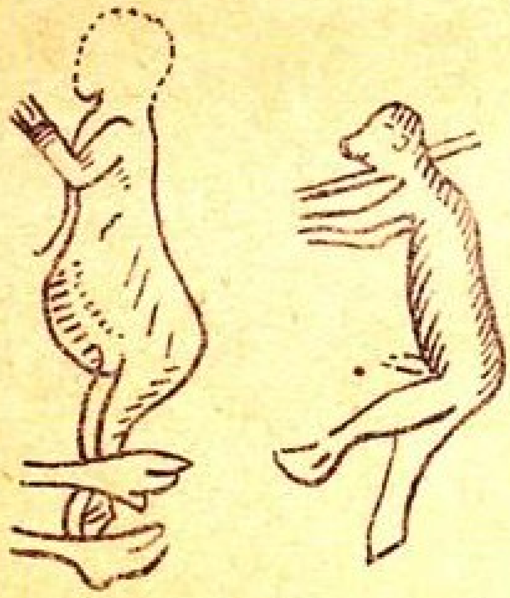

بعض جانوروں کے سینگوں پر بھی ایسی انسانی تصاویر پائی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم انسان کے نزدیک افزائش نسل کو بڑی اہمیت حاصل تھی مثلاً نیچے کی تصویر میں ایک مرد کو دکھایا ہے اور دوسری تصویر ایک حاملہ عورت کی ہے۔

اسی زمانہ میں "مادر پرستی" کا بھی پتہ چلتا ہے۔ نیچے کا مجسمہ آسٹریا میں ملا تھا۔ اس میں ایک گھونگھر والے بالوں والی عورت کو اپنی چھاتیوں کو ہاتھوں سے دباتے دکھایا ہے گویا وہ دودھ نکال رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ "ماں" ہے ایسے بُت تمام اُن ممالک میں پائے گئے ہیں جہاں "مادر پرستی" کا رواج پایا جاتا تھا۔ لیکن اس ماں سے مراد انسانی مائیں نہ تھیں بلکہ "مادرِ فطرت" تھی جو انسانوں کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔

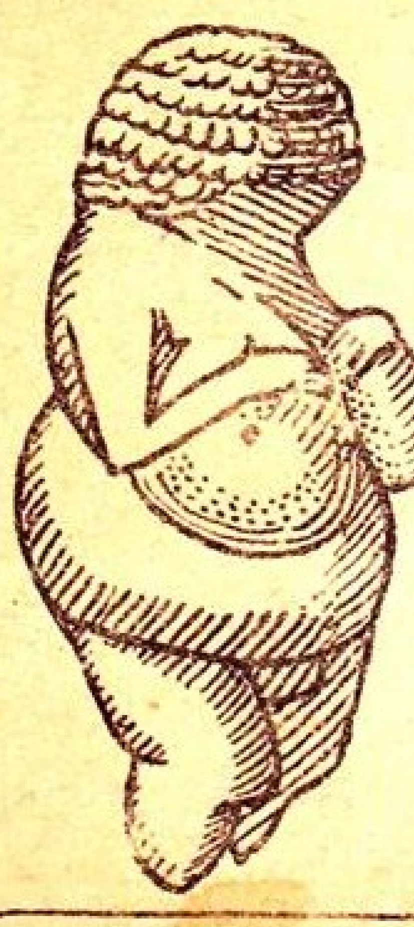

زمانہ قدیم میں مادر پرستی امریکہ تک پہونچ چکی تھی چنانچہ وہاں کی بعض نیم مہذب اقوام میں اس کے آثار باقی ہیں۔ مثلاً زدنی قوم کا عقیدہ تھا کہ زمین سب کی ماں ہے جس طرح ماں دودھ پلاتی ہے اُسی طرح زمین انسانوں کے لئے پانی مہیا کر دیتی ہے اور صحرائی پیداوار جو حقیقتاً جسم زمین کا گوشت ہے غذا کا کام دیتا ہے.... کلاماتھ کے وحشی کہتے ہیں کہ زمین کی ماں اپنے بچوں یعنی انسانوں کو غلہ اور پھل وغیرہ کی صورت میں بڑے بڑے انعام دیا کرتی ہے۔ جھیلیں اُس کی آنکھیں ہیں اور پہاڑیاں اُس کا سینہ جن سے نہروں اور دریاؤں کی صورت میں دودھ جاری رہتا ہے۔"[1] غالباً ایسے ہی خیالات عہدِ قبل تاریخ کے یورپ میں پائے جاتے تھے اور پھر ماضی بعید کی یورپی اقوام سے بحیرۂ روم کے ممالک مثلاً ایشیائے کوچک، مصر اور عراق وغیرہ پہونچے اور بتدریج یہ سلسلہ وادیٔ سندھ اور وسط ایشیا تک پہونچ گیا چنانچہ ان تمام مقامات پر ایسی دیویوں کے بُت بکثرت پائے گئے ہیں جو اپنے ہاتھ سے سینے کو دبا رہی ہیں (یا محض سینے پر رکھے ہیں) گویا دودھ نکال رہی ہیں یہی نہیں بلکہ ہندو علم اساطیر میں ایک ایسی

---

[1] مولانا نیاز فتحپوری "گہوارۂ تمدن" صفحات ۲۱۳-۲۱۴

دیوی کی تصویر موجود ہے جو اپنے ہاتھوں سے چھاتیوں کو دبا رہی ہے اور اُن سے دودھ کی دھاریں نکل نکل کر فرش پر گر رہی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مادرِ فطرت یا "دھرتی ماتا" ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ عہدِ قبل تاریخ میں مذہب کی بنیاد تو پڑ چکی تھی لیکن وہ جادو ٹونے کی حد سے آگے نہ بڑھا تھا۔ البتہ "مادرِ فطرت" کا تخیل ضرور ایک بلند چیز تھا۔ لوگ "حیات بعد ممات" کے بھی قایل تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد روح برقرار رہتی ہے اور مُردے کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس خیال سے اور نیز اس ڈر سے کہ کہیں مُردے کی روح زندوں کو اپنے سامان کے لئے پریشان نہ کرے اُس کا سب سامان بھی ساتھ ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ نیچے کی تصویر میں دکھایا ہے:۔

مُردوں کو دفن کرنے کا ایک خاص طریقہ تھا یعنی لاش کو اُسی طرح لٹاتے تھے جس طرح بچہ پیدا ہوتا۔ ٹانگیں موڑ کر پیٹ سے لگا دی جاتی تھیں اور ہاتھوں کو موڑ کر ٹھوڑی سے ملا دیتے تھے۔

عہدِ قبل تاریخ کے بارے میں جتنا اچھا علم ہمیں یورپ کے بارے میں حاصل ہے اتنا دوسرے ملکوں کے بارے میں نہیں اور اس کی ایک خاص وجہ ہے یعنی یورپ والوں نے جتنی تحقیقات اپنی سرزمین کے بارے میں کی ہے اُتنی دوسرے ملکوں میں نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی تحقیقات ہوئی ہے اُسکی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیگر ممالک میں بھی قدیم اور جدید عصر حجری میں وہی معتقدات تھے جو یورپ میں ان ادوار میں پائے جاتے تھے۔

قدیم عراق کا مذہب

عہدِ قبل تاریخ کے مذہبی عقاید پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ہم تاریخی زمانہ کے اُن مذاہب کو لیتے ہیں جو فنا ہو چکے ہیں۔

زمانۂ قدیم میں تمام وہ ممالک جو خطِ سرطان کے شمال میں واقع ہیں نہایت ہی عالیشان تہذیبوں کے گہوارہ تھے۔ پُرانی دُنیا میں وادیٔ سندھ، وادیٔ فرات اور وادیٔ النیل گویا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ مصر کے شمال میں کریٹ، یونان اور روم کے ممالک نے بالترتیب عروج حاصل کیا۔ ہندوستان کے شمال میں چین نے بڑی ترقی کی۔ نئی دنیا میں صرف وسط امریکہ (میکسیکو) ایک اہم تہذیب کا مرکز بن سکا اور جنوبی امریکہ میں پیرو نے ایک مہتم بالشان تہذیب پیدا کی۔

روم و یونان اور چین کو چھوڑ کر بقیہ ملکوں کی پُرانی تہذیبیں مٹ چکی تھیں۔ اُن کا تمدن ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مغرب کے بعض لوگوں نے اس طرف توجہ کی اور یکے بعد دیگرے اُنھیں کھود نکالا۔ اس کھدائی کے سلسلہ میں بہت سے کھنڈر نکلے اور ان کھنڈروں میں بہت سے کتبے نکلے۔ کھنڈروں سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مختلف زمانوں میں فنِ تعمیر کی کیا صورتیں تھیں اور سامان سے یہ معلوم ہوا کہ مختلف عہدوں میں انسان کس طرح کی زندگی بسر کرتا تھا۔ کتبوں کا رسم خط اور زبان آج کل سے بالکل جدا تھی۔ ان پر عبور حاصل کرنے سے ہمیں قدماء کے مذہب اور علمی مشاغل کا علم حاصل ہوا اور آج ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ زمانۂ ماضی کی تاریخ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ مذاہب قدیمہ میں معبود کا تخیل کیا تھا؟ یہ اسی تاریخ کا ایک سوال ہے جس کا جواب آپ آیندہ صفحات میں پائیں گے۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اس بارے میں اختلاف آراء تھا کہ دُنیا کا سب سے پُرانا تمدن کون ہے۔ بعض علماء مصری تہذیب کو سب سے زیادہ قدیم مانتے تھے لیکن اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ عراق کی تہذیب مصری تہذیب سے پُرانی ہے۔ عراق میں ۷۰۰۰ ق۔م کے مکانات برآمد ہوئے ہیں اور گیہوں کی کھیتی کے نشانات ملے ہیں۔

عراق کے سب سے پُرانے باشندے سمیری تھے، یہ لوگ کہاں سے ہجرت کرکے آئے تھے؟ نسلی اور لسانی اعتبار سے ان کا تعلق کس گروہ سے تھا؟ اسکی پوری تحقیق ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ ان کے عروج کا زمانہ ۳۵۰۰ سے ۳۰۰۰ ق۔م ہے۔

عراق کا جنوبی حصہ سمیریہ اور شمالی حصہ اکاد کہلاتا تھا۔ اکاد میں سامی قوم آباد تھی جو جزیرہ نمائے عرب سے ہجرت کرکے آئی تھی۔ اس کا سب سے مشہور حکمراں سارگون اول (زمانہ ۲۷۵۰ ق۔م) تھا جس نے سمیری ریاستوں کو زیر کرکے سامی حکومت قایم کی شاہانِ اکاد کے زوال کے بعد شہر بابل نے عروج حاصل کرنا شروع کیا بابل (باب ایل) کے معنی ہیں "خدا کا دروازہ" اس کا پہلا بادشاہ حمورابی (۲۱۰۰ ق۔م) تھا۔ اُس کی حکومت رفتہ رفتہ اکاد کی پوری مملکت پر پھیل گئی اور اُس کا نام بجائے اکاد کے بابل پڑ گیا۔ بابل کے لوگ بھی سامی النسل تھے۔

وادیٔ دجلہ و فرات کا شمالی حصہ آشوریہ یا اسیریا کہلاتا تھا۔ یہ نام ان کے مشہور شہر آشوریہ سے ماخوذ ہے، خود اس شہر کا نام اُن کے دیوتا کے نام پر رکھا گیا تھا۔

سمیری قوم کا مذہب مناظر فطرت کی پرستش تھا اور اس سلسلہ میں بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسکے

وہ شاماں پرستی (Shamanism) کا بھی رواج تھا۔ شاماں پرستی کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس دُنیا کی حکومت سعید
ضبیث روحوں کے ہاتھ میں ہے جنھیں سحر و افسوں سے قابو میں کرنا ضروری ہے۔

سمیری معبودوں میں سب سے بڑے تین دیوتا تھے۔ (۱) آنو، آسمان کا دیوتا۔ (۲) اینلل، فضا اور زمین کا دیوتا —
۳) اِیا، پانی کا دیوتا۔ غالباً یہ دُنیا کی قدیم ترین تثلیث ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق میں پہلے امہاتی نظام کا دور دورہ تھا اور دھرتی ماتا کی پرستش ہوا کرتی تھی جسے نینا یا نانا
ے تھے اُس کا خطاب "مقدس پہاڑ کی ملکہ" تھا۔ گویا وہ ہندوؤں کی پاربتی کی مقابل تھی جنھیں ہمالیہ پربت کی لڑکی مانا جاتا ہے
ی طرح کریٹ کی دھرتی ماتا کو بھی پہاڑ پر کھڑے دکھایا جاتا تھا۔

اس کے بعد جب امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لی تو نانا دیوی کی جگہ پانی کے دیوتا آیا کو مل گئی اور نانا یا نینا کو اس کی
ی قرار دیا گیا۔ پہلے نانا دیوی کا بُت اسے بتایا جاتا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چھاتیوں کو دبا کر دودھ نکال رہی ہے۔ بعد میں اس
ریانیت کو چھپانے کے لئے اُس کے ہاتھوں میں ایک ایسا لوٹا دکھایا جانے لگا جس سے پانی اُبل اُبل کر باہر نکل رہا ہے اور
ر یہی لوٹے اِیا دیوتا کے ہاتھوں میں دکھائے جانے لگے:۔

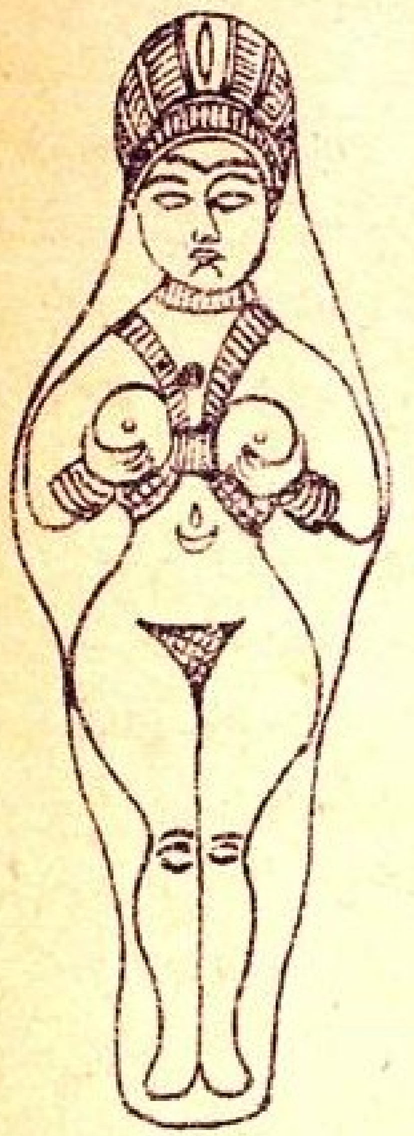

شاید سمیری قوم کسی پہاڑی مقام سے ہجرت کر کے آئی تھی اور چونکہ جنوبی عراق میں پہاڑ نہ تھے اس لئے وہ اپنے مندروں کو
صنوعی پہاڑوں پر بنایا کرتی تھی۔ انھیں زِگورات کہتے تھے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ ایسے ہی مندر میکسکو میں بھی ملے ہیں۔

بلی وآشوری اقوام

ہر چند بعد کو سمیری قوم کا سیاسی حیثیت سے زوال ہو گیا لیکن اُس کے تمدنی اثرات باقی رہے، کیونکہ سامی قوم
نے سمیری تمدن اختیار کر لیا تھا۔ شاماں پرستی کا اثر بابل کے ادنیٰ طبقے میں اس کے وجود تک باقی رہا۔
ی طرح بابلی معبود فی الواقع وہی تھے جو سمیری قوم کے تھے۔

بابل والوں میں دوہری تثلیث پائی جاتی تھی۔ پہلی تثلیث آسمان، زمین اور پانی کے دیوتاؤں پر مشتمل تھی، جن کے نام بالترتیب آنو، بیل (سمیری قوم کا اینلل) اور آیا تھے۔ دوسری تثلیث سورج، چاند اور زہرہ سیارے پر مشتمل تھی۔ سورج اور چاند کے دیوتاؤں کے نام بالترتیب شماس (شمس) اور سین تھے۔ زہرہ سیارے کا نام اشتر دیوی تھا۔ یہ چھ معبود بابل والوں کے مذہب کی بنیاد تھے ان کے علاوہ دیگر سیاروں کے بھی دیوتا تھے۔

سیارہ پرستی کی سب سے حیرت انگیز یادگار بارسپ (موجودہ برص نمرود) کا "مندر ہفت سیارگاں" ہے جسے بنبوکدنیزر (بخت نصر) نے ۶۰۰ ق۔م بنوایا تھا۔ اس کے باقی ماندہ آثار سے پتہ لگایا گیا ہے کہ اس کی اونچائی اپنی اصلی حالت میں ۱۵۶ فیٹ رہی ہوگی۔ یہ مندر سات منزلوں کی صورت میں تھا جو بتدریج نیچے سے اوپر کو چھوٹی ہوتی چلی گئی تھیں، ہر منزل ایک دیوتا یا سیارے سے منسوب تھی اور اسی مناسبت سے اُس کا رنگ بھی تھا:۔

نقرئی (قمر) سین دیوتا

نیلگوں (عطارد) بنبو دیوتا

زرد (زہرہ) اشتر دیوی

طلائی (شمس) شماس دیوتا

سرخ (مریخ) نرگل دیوتا

نارنجی (مشتری) مردوک دیوتا

سیاہ (زحل) ننب دیوتا (یا آدر دیوتا)

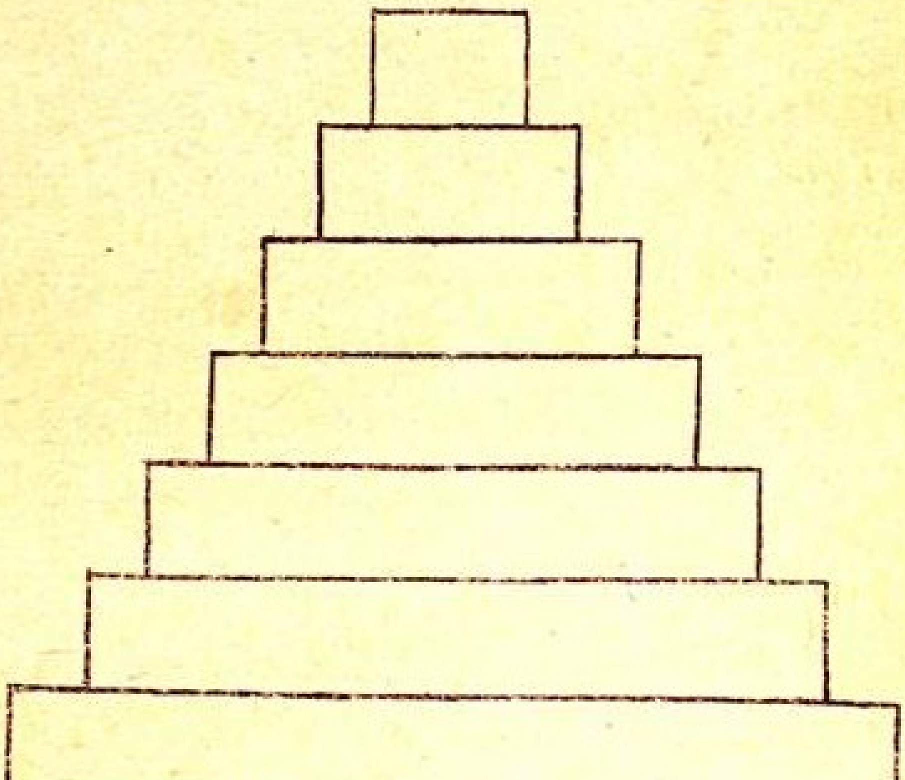

یہ مندر در اصل سمیری قوم کے "زگورات" کی نقل تھی اور غالبًا انھیں مندروں سے برج بابل کا تخیل پیدا ہوا جس کا کتاب پیدائش میں ذکر ہے۔

بابل کے ہر دیوتا کے کئی پہلو تھے مثلاً سورج دیوتا کی طلوع و غروب کے لحاظ سے دو صورتیں تھیں۔ اشتر دیوی کے بھی دو روپ تھے۔ جب زہرہ سیارہ شام کو طلوع ہوتا تو اسے جنسی محبت کی دیوی مانتے اور جب صبح کو طلوع ہوتا تو جنگ و جدل کی دیوی۔ ایسے ہی رمّن کی بھی دو حیثیتیں تھیں ایک تو بجلی کا دیوتا اور دوسرے بادل کی گرج کا دیوتا۔ دیوتاؤں کے اہل و عیال بھی تھے اور خدمت گار و حسین بھی۔ الغرض بابل والوں کا مذہب ظاہرا کثرت پرستی تھا۔ لیکن جب ہم دیوتاؤں کے کاموں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں تھیں۔

ان کے یہاں ہر ہر شہر کا ایک خاص دیوتا ہوتا تھا۔ ہر شہر کے الگ الگ پروہت ہوا کرتے تھے جو اپنے ہی معبود کے گن گاتے۔ لڑائیوں میں جب کوئی شہر غالب آجاتا تو اُس کا دیوتا بھی وقتی طور پر غالب مانا جاتا۔ چونکہ ہر شہر کا دیوتا الگ تھا اور لوگ اپنے شہر کے سوا دوسرے شہروں کے معبودوں سے غرض نہ رکھتے تھے اس لئے بابل والوں کے مذہب کو کثرت پرستی کے بجائے توحیدِ ناقص کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

بابل والوں کے بعد جب اسیریا کے لوگوں نے عروج حاصل کیا تو انھوں نے اپنے سرپرست دیوتا اشور (Ashur) کی ذات سے تمام وہ تصورات وابستہ کر دیئے جو خدا کی صفات کہے جا سکتے ہیں۔ اُن کی بے نظیر فوجی کامیابی کی وجہ سے بابل والوں کے تمام دیوتاؤں کی صفات بھی صرف اس ایک دیوتا میں مرکوز ہو گئیں یا اُسے اُن تمام قوتوں سے متصف مانا گیا جو بابل والے اپنے دیوتاؤں میں دیکھتے تھے۔ اشور، اسیریا والوں کا واحد

ی دیوتا تھا۔ اس دیوتا کی پرستش توحید سے زیادہ قریب تھی اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اشور بنی اسرائیل کے خدا یہوواہ (Jehovah) کے مماثل تھا۔ شاہانِ اسیریا، اشور کے سوا بہت کم دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان دوسرے دیوتاؤں کا بھی اشور سے الگ وجود تھا۔ —— اشور کی پرستش اور اسرائیل کے یہوواہ کی پرستش میں بڑا فرق تھا۔ اسرائیل میں بادشاہ کے علاوہ اعلیٰ پروہتوں کا ایک علیحدہ طبقہ تھا لیکن اشور کا سب سے بڑا پروہت خود بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ ان کی دعاؤں اور مناجاتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے تمام دیوتاؤں میں کسی قوت برتر کا نفوذ و اثر ضرور تسلیم کرتے تھے۔ مثلاً: سین (چاند دیوتا) کا ترانۂ حمد ہے۔

"آسمان میں افضل کون ہے؟ صرف تو ہی افضل ہے
جب تیرا حکم زمین پر سے گزرتا ہے تو وہ سبب ہوتا ہے پودوں کے اُگنے کا
تیرے حکم سے اصطبل اور غلے کے گودام بھر جاتے ہیں
اُس سے جانداروں کی افزائش ہوتی ہے۔"

مناجات کا یہی زور ذیل کے نغمۂ حمد میں پایا جاتا ہے جس کا مخاطب بابل کا سورج دیوتا مردوک ہے لیکن اس میں تخلیقی طاقت کے بجائے قہرمانی قوت کا تذکرہ ہے:-

"تیرا حکم ایک حکم رفیع ہے جو تو آسمان و زمین پر شایع کرتا ہے
وہ سمندر کی طرف رجوع ہوتا ہے اور سمندر پیچھے ہٹ جاتے ہیں
وہ کھیتوں کی طرف رجوع ہوتا ہے اور مرغزار ماتم کرتے ہیں
وہ فرات کی پرجوش طغیانی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور
مردوک کا حکم اُسے پانی کا ایک گڑھا بنا دیتا ہے
اے آقا تو افضل ہے۔ تیرا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟"

گناہ سے دیوتا ناراض ہوجاتے تھے لیکن وہ اپنے تائب بندوں پر رحیم و مہربان بھی ہوجاتے تھے۔ ہر انسان کی پیدائش ایک الٰہی فعل تھا اور انسان من حیث القوم خدا کی خاص مخلوق تھے۔ ذیل کی مناجات گناہ کے ارتکاب اور دیوتاؤں کی قوت عفو کی مظہر ہے:-

"جو اپنے دیوتا سے نہیں ڈرتا وہ نرکل کی طرح کٹ جاتا ہے
جو اشتر دیوی کی عزت نہیں کرتا اُس کے اعضا سڑ کر گر جاتے ہیں
وہ آسمان کے ستاروں کی طرح غائب ہوجاتا ہے
وہ رات کے پانی کی طرح پگھل جاتا ہے۔"

الٰہی قوت رحمان و رحیم تھی اور سچا تائب اپنے دیوتا سے معافی کی توقع کرسکتا تھا:-

"میں اپنے رحمدل دیوتا سے رجوع کرتا ہوں۔ اُسکی مدد چاہتا
ہوں اور آہیں بھرتا ہوں
جو افعال بد میں نے کئے ہیں ہوا اُنھیں اُڑا لے جائے
میرے گناہوں کو کپڑے کی طرح پھاڑ ڈال!"

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ ہر دیوتا کو انفرادی طور پر سب سے بڑا سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک ہر دیوتا کا نام سچے اور واحد خدا کا نمائندہ تھا۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ وہ ان سب میں ایک ہی خدا کی قوت کو کارفرما پاتے تھے۔

مصر قدیم کا مذہب

مصر کی تاریخ نہایت وسیع ہے - مینیس نے ۴۰۰۰ ق - م پہلے حکمراں خاندان کی بنیاد ڈالی - ۳۳۲ ق - م ، جب سکندر نے مصر کو اپنی مملکت میں شامل کیا تو اُس وقت مصری النسل حکمرانوں کے ۳۱ ویں خاندان کا خاتمہ ہوا - اس کے بعد یونانی ، رومی اور مسلمان حکمرانوں نے مصر پر حکومت کی - چونکہ اہلِ یونان و رومہ بُت پرست تھے لہٰذا ان اقوام کی حکومت کے زمانہ تک مصر کا قدیم مذہب زندہ رہا لیکن مصر میں اسلامی اقتدار قایم ہونے کے بعد اُس کا خاتمہ ہوگیا -

حیوان پرستی تاریخی زمانہ سے قبل مصر کا ملک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا - ہر حصّے کو " نوم " کہتے تھے اور ہر نوم کا ایک الگ " ٹوٹم " یا حیوانی دیوتا تھا - جب انسانی صورت و صفات والے دیوتاؤں کی پرستش شروع ہوئی تو انسانی جسم پر حیوان کا سر لگاکر " مرکب معبود " بنائے گئے - غالباً ابتدا میں مصریوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ فی الحقیقت دیوتاؤں کی یہی صورت ہے بلکہ اسے محض رمز و کنایہ سمجھا جاتا تھا - بعض مذہبی رسوم میں پروہت جانوروں کے مصنوعی چہرے لگاکر دیوتاؤں کا پارٹ ادا کیا کرتے تھے - اس کا مقابلہ ہم تبت کے مذہبی ناچوں سے کر سکتے ہیں -

اگرچہ اہلِ مصر ، تمدن کے دوسرے شعبوں میں کافی ترقی کر گئے تھے لیکن مذہب کے معاملہ میں بہت پیچھے تھے ان میں کثرت پرستی انتہا کو پہونچ گئی تھی - تخمینہ کیا گیا ہے کہ اہلِ مصر کے تقریباً دو ہزار دو سو معبود تھے - ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص جانور تھا - مصری معبودوں اور اُن کے مخصوص جانوروں کی ایک مختصر فہرست یہ ہے :-

۱ -	اوسریز	دیوتا	(بیل)	۱ -	آئی سس	دیوی	(گائے)
۲ -	ہورس	"	(باز)	۲ -	ہاتھور	"	(گائے)
۳ -	سیت	"	(گدھا)	۳ -	باست	"	(بلّی)
۴ -	انوبیس	"	(گیدڑ)	۴ -	نیتھ	"	(گدھ)
۵ -	پتاح	"	(گبریلا)	۵ -	رانوت	"	(سانپ)
۶ -	تھوتھ	"	(لقلق)	۶ -	سرک	"	(بچھو)
۷ -	سیبیک	"	(مگر)	۷ -	سخیت	"	(شیرنی)

ان میں سے بیشتر کا جسم انسان کا اور سر حیوان کا تھا - بعض عالموں کا خیال ہے کہ مصر کے تمام وہ دیوتا جن کے حیوانی سر تھے مصر والوں کے اپنے تھے اور جن کے سر حیوان کے نہ تھے وہ باہر سے آئے تھے - چنانچہ اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ اوسیرز اور آئی سس کی پرستش ملک شام سے آئی تھی - اسی طرح پتاح جس کا سر انسان کا بنایا جاتا تھا سامی قوم کا معبود تھا جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اُس کے نام کے معنی " کھولنے والے " کے ہیں (عربی مفتاح بہ معنی " کنجی ")

مصر والوں کا عقیدہ تھا کہ دیوتا مختلف جانوروں کے قالب میں ظاہر ہوتے ہیں - بیل کو اوسریز کا اوتار مانا جاتا تھا - اسکے شناخت کے لئے چند نشانیاں مقرر تھیں - جس بیل میں وہ علامتیں پائی جائیں وہ اوسریز کے مندر میں لاکر رکھدیا جاتا تھا اور اُس کا دیوتا کی طرح احترام کیا جاتا تھا اور یہی حال تمام دوسرے جانوروں کا تھا - ہر دیوتا کے مندر میں مخصوص جانور رہا کرتے تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی - اگرچہ بعد میں

اعلیٰ معبودوں سے اس حیوان پرستی کا خاتمہ ہوگیا لیکن جانوروں کی عزت میں فرق نہ آیا۔ بعض صورتوں میں جانوروں کو مارنے کی سزا موت تھی اور جانوروں کے مرنے کے بعد ان کی ممی بنائی جاتی تھی۔ جانوروں کی حفاظت کا اس قدر خیال تھا کہ دو شہروں میں عرصہ تک صرف اس لئے جنگ ہوتی رہی کہ ایک شہر والوں نے مگر کو مار ڈالا تھا جس کی دوسری شہر پرستش کرتا تھا۔

فطرت پرستی

یہ بتانا مشکل ہے کہ اہلِ مصر میں پہلے مناظرِ فطرت کی پرستش کا رواج ہوا یا حیوان پرستی کا۔ بہرحال اُن کے معبودانِ فطرت میں خاص یہ تھے :-

۱-	نوط	(آسمان کی دیوی)
۲-	سیب	(زمین کا دیوتا)
۳-	تھوتھ	(چاند کا دیوتا)
۴-	آئی سِس	(چاند کی دیوی)
۵-	ہاپی	(رودِ نیل کا دیوتا)
۶-	سیت	(خداوندِ ظلمت)
۷-	اوسریز	(خداوندِ نور)
۸-	ہورس	سورج دیوتا
۹-	را	"
۱۰-	ہراچس	"
۱۱-	آمن	"
۱۲-	آٹن	"

اس مختصر فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ سورج مصریوں کا خاص معبود تھا جس کی نمایندگی مختلف دیوتا کرتے تھے۔ اُن کی مذہبی روایتوں میں آفتاب کو خالقِ عالم کی حیثیت حاصل ہے۔ آئی سِس اُس کی بیوی تھی اور ہورس اُس کا بیٹا۔ یہ مصریوں کی خاص تثلیث تھی۔

بادشاہ پرستی

مصر میں بادشاہوں کو سورج دیوتا کا اوتار مانا جاتا تھا۔ فراعنۂ مصر اپنے کو "سورج کا بیٹا" کہتے تھے اور اُن کی دیوتاؤں کی طرح تعظیم کی جاتی تھی۔ اگرچہ اسلامی روایات میں فرعون کا خدائی کا دعویٰ کرنا ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے اس قول میں تین غلطیاں ہیں:- (۱) فرعون کوئی ایک شخص نہ تھا بلکہ ہر بادشاہ کا لقب تھا (۲) کسی فرعون نے "خدا" ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی شخص یہ باور کرسکتا تھا کہ وہ دنیا کے خالق اور موت سے مستثنیٰ ہیں۔ (۳) مصر میں خالص توحید کا وجود نہ تھا۔ فراعنۂ مصر جب توحید کے تخیل ہی سے ناآشنا تھے تو وہ خدائے واحد ہونے کا دعویٰ کیسے کرسکتے تھے۔

حیات بعد ممات

اہلِ مصر کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح برقرار رہتی ہے اور اُس کا تعلق جسم سے بھی قایم رہتا ہے۔ اس خیال کے پیشِ نظر انھوں نے لاش کو حنوط کرنے کا فن ایجاد کیا اور خاص قسم کے مقبرے (اہرام) بنائے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اُس کی روح تواتُ یعنی دوسری دُنیا میں ایک خوفناک سفر کے بعد اوسیریز کے انصاف کے کمروں میں پہونچنا پڑتا ہے۔ کتاب الموتیٰ (Book of Dead) اور کتاب الابواب (Book of Gates)[1] اس بات کی ہدایت کے لئے لکھی گئی تھیں کہ دوسری دُنیا کے سفر میں ارواحِ خبیثہ سے کیونکر بچا جائے۔ جب روح اوسیریز کے سامنے پہونچتی تھی تو وہاں تین محاسب ہوتے (۱) اوسیریز - (۲) انوبیس - (۳) تھوتھ - انصاف یوں ہوتا تھا کہ انسانی اعمال ترازو کے ایک پلّے میں رکھے جاتے اور دوسرے پلّے میں شترمرغ کا پر جو نیک کرداری کی علامت تھی۔ اب اگر دونوں پلّے برابر ہوتے تو روح کو جنّت میں بھیج دیا جاتا ورنہ اسے ایک جانور کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا جسے "مردہ خور" کہتے تھے۔ یہ جانور شیر، مگر اور دریائی گھوڑے کا مرکب تھا۔

انسانوں جیسے دیوتا

دیوتا انسانوں، حیوانوں، پودوں وغیرہ کی صورت اختیار کرسکتے تھے اُنھیں غذا کی ضرورت تھی اور قربانی میں اُنھیں کھانا پانی پیش کیا جاتا تھا اور کپڑے زیور وغیرہ بھی دیوتاؤں کی نذر کئے جاتے تھے، دیوتاؤں کے رہنے

---

[1] اوسریز کا مقابلہ ہندوؤں کے ملک الموت یم سے کیا جا سکتا ہے۔

کے لئے منادر اور عبادت گاہیں بنائی جاتی تھیں۔

انسانوں اور دیوتاؤں کا تعلق لین دین کا سا تھا۔ عابد معبود کی ضرورتوں کا خیال رکھتا اور معبود عابد کو سماوی تحفے۔ زندگی، صحت برومندی، خوشی اور فتح وغیرہ عطا کرتا۔ مندروں کی اُبھری ہوئی تصویروں میں بادشاہوں اور دیوتاؤں کو روبرو معاہدہ کرتے یا آپس میں تحفے تبدیل کرتے دکھایا گیا ہے۔

بھوک پیاس کے علاوہ مصر کے دیوتا رنج و راحت اور خوف کو بھی محسوس کرتے تھے۔ وہ بیمار بھی پڑتے تھے۔ بوڑھے بھی ہوتے اور مرتے بھی تھے۔

را (یعنی سورج دیوتا) ان کا خاص دیوتا تھا جس کی عبادت کا خاص مرکز ہیلیوپولس تھا۔ پانچویں حکمران خاندان کے بادشاہوں نے ممفس کے قرب و جوار میں اُس کے متعدد معابد بنوائے تھے اور اسی وقت سے فراعنۂ مصر اپنے کو "را کا بیٹا" کہنے لگے۔ را کو دیوتاؤں اور انسانوں کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔

دیوتا جادو ٹونے کے تابع

مصر میں ابتدا ہی سے سحر و افسوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، چنانچہ پانچویں اور چھٹے حکمران خاندان کے اہرام پر جو کتبے ہیں وہ سب سحر و افسوں پر مشتمل ہیں، ان کا منشاء دیوتاؤں کو اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ وہ مرنے والوں کو دوسری دُنیا میں ایک پر مسرت زندگی بخشیں۔ کتاب الموتیٰ تیار کرنے کا بھی یہی مقصود تھا۔ بیماریوں کے علاج میں (جنھیں ارواحِ خبیثہ کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا) صحیح منتر کو صحیح طور پر پڑھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ طب کی کتابوں میں یہ منتر بھی شامل کئے جاتے تھے۔ اُس ساحر کو جو منتروں کو زبانی یا کتاب سے صحیح طور پر پڑھ سکے مصری سماج میں بڑی عزت حاصل تھی اور ہر شخص سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ خاص خاص منتروں کو زبانی یاد کرے تاکہ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں اُن کا استعمال کر کے ارواحِ خبیثہ کو دفع کر سکے۔ تعویذ بھی اسی خیال کے پیشِ نظر رکھے جاتے تھے۔ جن کے پاس وہ تعویذ ہوتے اُن کی حفاظت کرنے کے لئے دیوتا مجبور تھے اور بُری روحیں اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھیں۔

دیوتاؤں کی خوشامد

زمانۂ مابعد میں مصر کے غریب طبقہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر دیوتاؤں سے التجا اور التماس کی جائے تو وہ انسانوں کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ یہ چیز ۱۲۰۰ ق۔م کے تھیبس کے کتبوں میں خصوصیت سے نظر آتی ہے۔ اس خیال کے پیشِ نظر بعض دیوتاؤں کے بہت سے کان بنائے جاتے تھے تاکہ وہ ہر ایک کی گزارش کو سن سکیں۔

دو بڑے معبود

مصر کے تمام دیوی دیوتاؤں میں امن را کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ وہ زرخیزی و بار آوری کا دیوتا تھا، جنگ کا دیوتا تھا، سورج اور دریائے نیل کا دیوتا تھا۔ دیوتاؤں کا بادشاہ اور دنیا کے بادشاہوں کا آقا تھا۔ وہ نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی دنیاؤں کا مالک تھا۔ وہ کائنات کی پُراسرار روح اور مخفی خالق تھا۔

اسی طرح ممفس کے پتاح کا تصور بھی خدا کے تصور سے قریب تر تھا۔ مصری روایات کے مطابق اُس نے ہتوڑے سے پیٹ کر لوہے کا آسمان بنایا، اُسے کمہار کے چاک کا موجد مانا جاتا تھا جس پر اُس نے سورج، چاند اور پہلے مرد اور عورت کو بنایا۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ایک پہاڑ پر بیٹھا ہے۔ اُس کا سر آسمان کو روکے ہے اور اُس کے پیر تحت الارض تک پہونچتے ہیں۔ گویا وہ ساری دُنیا کا دیوتا ہے۔ اُس کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے:-

"کسی باپ نے تجھے پیدا نہیں کیا اور نہ کسی ماں نے تجھے جنم دیا
تو نے خود اپنے کو بنایا، بغیر کسی دوسری ہستی کی مدد کے"

پیدائشِ عالم کے بارے میں دو نظریئے تھے۔ ایک تو یہ کہ دُنیا ایک خاص قسم کے مادے سے پیدا ہوئی ہے اسے "مادی وحدت" (Materialistic Monism) کہتے ہیں۔ بعد کو دماغ کا مرتبہ مادے سے برتر مانا گیا اور یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ قدرت کی بے جان قوتیں ایک برتر دماغ کے زیر اثر ہیں جو علت اولیٰ ہے اسے "تصوری وحدت" (Idealistic Monism) کہتے ہیں بابل، ہندوستان اور مصر قدیم میں یہ خیال پایا جاتا تھا۔

ایک فرعون کی پیغمبری

جب آمین حوطیپ سوم نے وفات پائی تو اُس کا کمسن بیٹا آمین حوطیپ چہارم (۱۳۷۵ - ۱۳۵۸ ق - م) تخت نشین ہوا جس نے باوجود اس کے کہ صرف ۱۷ سال حکومت کی اور ۳۰ سال کی عمر میں مرگیا تاریخ عالم میں ایک بہت بڑی مذہبی تحریک چلائی۔ اُس نے حکم دیا کہ اُس کی قلمرو میں ہر جگہ صرف آٹن (Aton) یعنی آفتاب کی پرستش کیجائے پرانے دیوتاؤں کے منادر (جن میں کارناک کا آمین را کا مندر بھی شامل تھا) بند کردئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ دیواروں پر سے دوسرے دیوتاؤں کے نام بھی مٹا دئے گئے اور دارالحکومت کو تھیبیس سے آمرنہ (موجودہ تل الآمرنہ) منتقل کردیا گیا۔ آمین حوطیب نے اپنا نام بھی بدل دیا۔ (اُس کے نام کے معنی ہیں "آمین آرام کرتا ہے") اور اخناٹن رکھا جس کے معنی ہیں "آٹن مطمئن ہے"۔

آٹن کی عبادت نئی نہ تھی لیکن اس کا تصور ضرور نیا تھا۔ سورج دیوتا کی پرستش سارے ملک میں عام تھی لیکن وہ سراسر خرافات کا مجموعہ تھی۔ اخناٹن نے آفتاب کی افادیت پر زور دیا۔ حیات بعد ممات کے بارے میں مصریوں میں جو ہیبتناک تصورات پائے جاتے تھے اُنھیں بھی اخناٹن نے اپنے مذہب میں کوئی جگہ نہ دی۔ اخناٹن کا خیال تھا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کی روح ایک غیر مادی صورت میں برقرار رہتی ہے عموماً جنت کے خواب آور کمروں میں آرام کرتی ہے اور کبھی کبھی سایہ کی صورت میں زمین کے اُن مقامات کو دیکھنے چلی آتی ہے جنھیں وہ اپنی زندگی میں بہت عزیز رکھتی تھی۔ روح اب بھی خوشگوار دھوپ۔ چڑیوں کے نغموں اور پھولوں کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہوسکتی تھی۔ بدکار روحوں کے لئے دوزخ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ اخناٹن کے نزدیک خدا کسی بھی مخلوق کو خواہ وہ کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو دائمی اذیت میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ بدروحوں کے لئے ایک ہی سزا تھی یعنی مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہوجاتیں۔

اخناٹن نے آٹن کا کوئی مجسمہ بنانے کی بھی اجازت نہیں دی۔ وہ خدا کو بے شکل وصورت بتاتا تھا۔ ایک قسم کا الٰہی جوہر جو ساری فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ اُس کا نظریہ ایک عجیب چیز تھی جو نہ صرف اپنے اعلیٰ ظرفی کے لحاظ سے قابلِ قدر تھا بلکہ اُس میں سائنسی طور پر بھی کافی صحت تھی۔ اُس سے پہلے کسی بھی شخص کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ آفتاب اپنی شعاعوں کے ذریعہ عمل کرتا ہے اور وہی حیات، حُسن اور توانائی کا منبع ہے۔

ملک گیری اور خونریزی آٹن پرستی کے خلاف تھی۔ اخناٹن کے بعض محکوموں نے بغاوت کردی۔ ایشیائے کوچک کی حطی قوم نے شام پر قبضہ کرلیا اور فلسطین پر عبرانیوں نے حملہ کردیا اور اُس پر قبضہ بھی کرلیا لیکن اخناٹن نے اُنھیں دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فوجکشی تک نہ کی۔ دراصل اخناٹن اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے لئے بہت بڑا شخص تھا۔ اُس نے جس مذہب کی بنیاد ڈالی وہ اُس کے بعد صرف چند سال باقی رہا اور اُس کے داماد توت عنخ آٹن نے قدیم مذہب کی تجدید کی۔ آمرنہ کو چھوڑ دیا۔ تھیبیس دوبارہ مصر کا دارالحکومت ہوگیا اور آمین کے پجاریوں کو اپنا کھویا ہوا اقتدار مل گیا۔ اخناٹن کو بدمعاش اور بدعتی قرار دیا گیا اور اُس کی ممی (حنوط شدہ لاش) کی بے حرمتی کی گئی۔

آرتھر دیگل فرماتے ہیں :-

"توہمات کے زمانے میں اور ایک ایسے ملک میں جہاں معبودوں کی کثرت انتہا کو پہونچ گئی تھی اخناٹن نے ایک ایسا وحدت پرست مذہب ایجاد کیا جو پاکیزگی میں صرف عیسائی مذہب کے بعد دوسرا تھا"

لیکن تمام ماہرین مصریات اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ اخناٹن کوئی بہت بڑا مذہبی معلم تھا بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ایک گمراہ متعصب تھا جس کی لاعلمی اور کٹرپن نے ملک کو تباہ کردیا جس نے اپنے وفادار خادموں کو شام اور فلسطین میں قتل ہونے کے لئے چھوڑ دیا اور اپنی رعایا پر ایک ایسا مذہب مسلط کردیا جس سے وہ سخت نفرت کرتی تھی۔

حطّی و فنیقی مذاہب

حطّی مذہب

حطّی قوم کے عروج کا زمانہ ۲۰۰۰ سے ۱۲۰۰ ق۔م ہے یہ لوگ ایشیائے کوچک اور شام میں آباد تھے، ان کا دارالحکومت بوغازکوئی تھا جہاں سے ماہرینِ آثار نے ۱۰،۰۰۰ مٹی کی تختیاں برآمد کی ہیں جن کے کتبے بابلی رسم خط کے ہیں۔ ان کتبوں سے حطیوں کی تاریخ، قوانین اور مذہب پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں حطّی مذہب کا علم اُن حجری نقوش سے حاصل ہوتا ہے جو اُن کے معابد اور بعض دیگر مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۔

اس قوم کا خاص معبود آفتاب تھا جسے بجائے دیوتا کے دیوی مانا جاتا تھا۔ واسلی کیا (Vasili Kaya) کے ایک نقش میں سورج دیوی کو تیندوے یا چیتے پر اپنے خادموں کے جھرمٹ میں استادہ دکھایا ہے۔ اُس کے مقابل اُس کا شوہر تیشب یعنی طوفان کا دیوتا بیل پر اپنے خادموں کے درمیان کھڑا ہے۔

کتبوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے (ان کی زبان ہندیورپی شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور لاطینی سے مشابہ ہے) کہ ان لوگوں نے بہت سی مذہبی رسمیں بابل اور آشوریہ والوں سے حاصل کی تھیں۔ اسی طرح یہ لوگ سریانی معبود حدآد کی پرستش کرتے تھے۔

یہ لوگ ارواحِ خبیثہ پر بھی اعتقاد رکھتے تھے جن سے بچنے کے لئے سحر و افسوں سے کام لیا جاتا تھا۔ بیماری کو دور کرنے اور زرخیزی کو بڑھانے کے لئے کچھ توہم آمیز رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

فنیقی مذہب

فنیقی قوم بحرِ متوسط کے مشرقی ساحل پر آباد تھی اور اُنھیں کے نام سے یہ علاقہ فنیقیہ (Phoenicia) کہلاتا تھا۔ اُس کی پشت پر کوہ لبنان واقع تھا جو اُنھیں بیرونی حملوں سے محفوظ رکھتا تھا اور جس کے جنگل اُن کے جہازوں کے لئے لکڑی مہیا کرتے تھے۔ لبنان کے دوسری طرف بنی اسرائیل آباد تھے جو اہلِ فنیقیہ کی طرح سامی النسل تھے۔ یہ دو قومیں تقریباً ۲۲۰۰ ق م میں ساحلِ بحرین (جنوبی عراق) سے ہجرت کر کے آئی تھیں۔

فنیقی قوم نے جو دُنیا کی زبردست تاجر قوم تھی اپنے ملک سے باہر دوسرے ملکوں میں (بحر متوسط کے کنارے کنارے) نوآبادیاں قایم کرلی تھیں فنیقیہ میں اُس نے دو زبردست تجارتی شہر صور (Tyre) اور صیدون (Sidon) آباد کئے تھے۔ علاوہ ازیں بائبلس (Byblos) بھی اُن کا ایک مشہور شہر تھا۔

اہلِ فنیقیہ کی زبان، عربی سے مشابہ تھی۔ اُن میں شمالی سامی رسم خط مستعمل تھا جو عربی، عبرانی، سریانی اور یورپی رسم خط کا ماخذ تھا۔ ۵۸۶ ق۔م کلدانی حکمران بخت نصر نے فنیقیہ کو فتح کرلیا اور صور کو برباد کردیا۔ صور کی بربادی کے بعد فنیقی قوم کا زوال شروع ہوگیا جسے سکندر کی فتوحات نے مکمل کردیا۔

ابتدا

بعض مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ ابتدا میں یہ لوگ غالباً موحد تھے اور ایک قوتِ خلاق کے قایل تھے۔ اُسے وہ ایل (اعلیٰ)، رام یا رمن (بلند)، بعل (آقا)، میلیک یا مولخ (بادشاہ)، ایلیون (برترین)، ایڈونائی (میرا آقا)، بیل سامن (آقائے فلک) وغیرہ ناموں سے پکارتے تھے۔ وہ اُسے مادہ سے بالکل جدا مانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اُس نے سب مادی چیزوں کو بنایا اور ہر شے کو پیدا کیا۔ لیکن جلد ہی اس عقیدہ میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور مختلف دیوتاؤں کی پرستش ہونے لگی۔ جن میں سے بعض بابل سے لئے گئے جیسے اشتر اور بعض

مرے جیسے تھوتھ اور آمین اس طرح خدائے واحد (ایل " اعلیٰ" یا ایلیون "برترین ہستی") کا تصور پارہ پارہ ہوگیا اور ہر پارہ ایک جدا معبود ن گیا۔ لیکن ان تمام دیوی دیوتاؤں میں بعل اور استارتہ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔

بعل دیوتا ۔ یہ آسمان، آفتاب اور آگ کا دیوتا تھا۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بعل اور بابلی دیوتا بیل (Bel) میں کیا تعلق ھا۔ کیونکہ بابل میں بیل کا آفتاب سے کوئی تعلق نہ تھا اور بعل یقیناً آفتاب کا دیوتا تھا اور اُس کا تعلق تولید و تخلیق سے بھی تھا۔

زمانۂ قدیم میں بعل کی پوجا (صور اور اُس کی نوآبادیوں میں) بغیر بُت کے کی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں اس نے شدید بُت پرستی کی صورت ختیار کرلی۔ اُس کا بُت بیل پر سوار دکھایا جاتا تھا، کیونکہ بیل تولیدی قوت کا مظہر اتم تھا اور اُس کے ہاتھوں میں انگور کے خوشے اور انار وتے تھے۔ اُسے آسمان کا حکمراں مانا جاتا تھا جو زمین کو حاملہ کرتا ہے، اُس کے انسانی چہرے کے گرد کرنوں کا حلقہ ہوتا تھا۔

بعل کی عزت میں لوبان جلانے کے علاوہ بیلوں کی قربانی بھی کی جاتی تھی اور شاید گھوڑے بھی ذبح کئے جاتے تھے۔ لیکن خاص قربانی بچوں کی ہوتی تھی۔ یہ ہولناک رسم اس تخیل پر مبنی تھی کہ بچے والدین کے لئے سب سے پیاری شے تھے اور پاک اور معصوم ہونے کی بناء پر ن کی قربانی دیوتا کا غصہ فرو کرنے کے لئے زیادہ کارگر ہوتی تھی۔ بچوں کی قربانی کا یہ طریقہ تھا کہ مولک[1] کا بُت جو دھات کا بنا ہوتا اندر آگ جلاکر رم کیا جاتا تھا اور بچوں کو اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں دے دیتے جو ہاتھوں سے لڑھک کر وہ اُس کی آتشیں گود میں جا گرتے۔ والدین بخوشی اپنے بچوں کی قربانی کرتے تھے حتیٰ کہ پہلا بلکہ اکلوتا بیٹا بھی قربان کر دیا جاتا تھا۔ بچوں کو بہلا پھسلا کر چُپ کر دیتے کیونکہ بھینٹ چڑھائے جانے والے بچے کو رونا نہ چاہئے تھا۔ اُس کی چیخنے کی آوازوں کو بانسریوں اور نقاروں کی آواز سے دبا دیا جاتا تھا۔ پلوٹارچ کے بیان کے مطابق ائیں قریب ہی کھڑی رہتیں اس طرح کہ نہ تو اُن کی آنکھوں میں آنسو ہوتے اور نہ لبوں پر آہ و زاری۔ اگر وہ سسکیاں بھرتیں تو قربانی ی عزت جاتی رہتی۔ یہ قربانیاں یا تو سالانہ کسی مقررہ دن میں ہوتیں یا پھر کسی مصیبت کے وقت دیوتا کا غصہ فرو کرنے کے لئے۔

استارتہ دیوی ۔ یہ زمین، پانی اور چاند کی دیوی تھی۔ چاند سے تعلق ہونے کی بنا پر اسے آسمان کی ملکہ اور ستاروں کی حکمراں نا جاتا تھا۔ بعل اس کا شوہر سمجھا جاتا تھا اور عورتوں میں وہ زرخیزی و بارآوری کی دیوی سمجھی جاتی تھی، اسی لئے اس کی عبادت شہوت پرستی ور جنسی ہوسرانی پر مبنی تھی۔

اس کا بُت یوں بنایا جاتا کہ ہاتھ میں عصائے شاہی اور تکلا ہوتا، کمر میں جُھکا اور سر پر کرنوں کا تاج یا سینگ جو ہلال کی علامت تھے بھی اُس کے سر پر ایک قیمتی پتھر رکھا جاتا جس سے رات کو سارا مندر جگمگا اُٹھتا۔ اُس کا سنہرا بت بعل کے ساتھ ایک رتھ میں پھرایا جاتا جس میں نیر جُتے ہوتے۔

استارتہ کی پرستش دوسری طرح ایک مخروطی ستون کی صورت میں بھی کی جاتی تھی جسے اشیرآ کہتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اشوریوں کا "مقدس درخت" تھا۔ جسے عموماً مندروں میں نصب کیا جاتا تھا (۲ سلاطین باب ۲۱، آیت ۷، باب ۲۳، آیت ۶) افاکا (Aphaca) میں اُس کا مندر زر و جواہر سے پُر رہتا تھا یہاں تک کہ کرسیس (Crassus) کو وہاں کے سونے چاندی کے کل برتنوں اور دیگر قیمتی اشیاء کو تولنے میں کئی دن لگے۔ مندر کے صحن میں مقدس جانور پلے ہوئے تھے اور ایک تالاب میں مقدس مچھلیاں۔ ان کے علاوہ بانسری بجانے والوں اور مجذوب عورتوں کی بھی کثیر تعداد موجود رہتی تھی۔

بہار کے تہوار میں جسے "مشعلوں کا جشن" کہتے تھے، لوگ جوق در جوق شریک ہوتے، بڑے بڑے درخت جن میں قیمتی چڑھاوے لٹکے ہوتے جلائے جاتے تھے۔ بچوں کی بھی قربانی کی جاتی تھی۔ اُنھیں چمڑے کے تھیلوں میں بند کرکے مندر کے بلند ترین مقام سے فرش پر پٹک دیا جاتا تھا اور یہ بیان کیا جاتا کہ اُن میں بچے نہیں ہیں۔ بلکہ بچھڑے ہیں۔ صحن کے اگلے حصے میں دو زبردست لِنگ نصب تھے، ڈھولوں بانسریوں

---

[1] کنعان میں بعل کا نام ملک یا مولک تھا۔

اور گیتوں کے ہیجان انگیز شور میں مجذوب عورتیں جنھیں گلی (Galli) کہتے تھے اپنے بازوؤں کو زخمی کرتیں اور تماشائی بھی برتنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں سے جو اسی منشا سے قریب ہی ڈال دئے جاتے تھے اپنے آپ کو زخمی کرتے، خونچکاں حالت میں وہ شہر میں دوڑتے پھرتے اور لوگ اُنھیں پہننے کو زنانہ لباس دیتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اب یہ بھی دیوی ہو گئے ہیں۔

ثانوی معبود ۔ ان کے علاوہ بعض ایسے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جنھیں ثانوی حیثیت حاصل تھی ——— ثانوی معبود یہ تھے:-

(۱) ایل یا اِل۔ شروع میں خدائے تعالیٰ کا نام تھا جسے بعد میں ایک معمولی معبود بنا دیا گیا۔ کارتھیج میں اسے خصوصیت کے ساتھ پوجا جاتا تھا۔ ایل کا مقابلہ یونانی اپنے کرونوس سے اور روم والے سیٹرن سے کرتے تھے۔

(۲) میلکارتھ ۔ اسے ایک کہتے ہیں بعل صور یعنی "صور کا آقا" کہا گیا ہے اسے شہر کا محافظ و سرپرست مانا جاتا تھا۔ یونانیوں نے اُسے اپنا ہرقلیس سمجھ لیا (نہ جانے کیسے؟) اور فنیقیوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا، چنانچہ اُن فنیقی سکوں پر جو یونانی سکوں کی نقل میں بنائے گئے تھے اکثر ہرقلیس کی شبیہ نظر آتی ہے گویا وہ اُن کے شہر کا معبود ہو۔

(۳) دجون یا داگن (Dagon) ۔ غیر ملکی معبودوں میں سے ایک تھا جسے فنیقیوں نے اپنا لیا تھا (اسموئیل باب ۵، آیت ۲ میں اس کا ذکر ہے) عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اُس کی صورت مچھلی کی سی[1] اور اُس کے پجاری اُس کے مندر میں مچھلی کی کھال اوڑھ کر جاتے تھے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اُس کے نام کا تعلق عبرانی زبان کے لفظ "دج" سے مانا جاتا ہے جس کے معنی مچھلی کے ہیں۔ فلسطینیوں میں اس کا مقام بہت بلند تھا، فنیقیہ میں وہ ایک چھوٹے درجہ کا معبود تھا اور اسے فیلو کی سند پر فنیقی معبودوں میں شامل کیا گیا ہے۔

(۴) حداد (Hadad) اداد یا اڈود، ایک سریانی معبود تھا جسے اہلِ فنیقیہ سورج مانتے تھے ——— لیکن زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

(۵) ایڈونیس (Adonis) بازیادہ صحیح ایڈونائی کے معنی "میرے آقا" کے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں شاید بعل کا لقب تھا لیکن بعد میں یہ سورج دیوتا یا اُس کی ایک خاص حالت کا نام ہو گیا۔ جاڑوں میں جب سورج شمالی نصف کرے سے جنوب کی طرف مایل ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ وقتی طور پر مر گیا ہے۔ اسے ایڈونیس کی موت سے تعبیر کرتے۔

دراصل ایڈونیس اُس مشہور بابلی روایت کا ہیرو ہے جو "فسانۂ تموز و اِشتر" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ تموز کا مقابل ہے اور اِشتر ہی کو اہلِ فنیقیہ، استارتہ کہتے تھے۔ اشتر کا تعلق زہرہ سیارہ اور حُسن و عشق سے مانا جاتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق جو "رقصِ ہفت نقاب" کے نام سے مشہور ہے وہ اپنے مُردہ شوہر تموز کو زندہ کرنے کے لئے پاتال لوک میں آبِ حیات لینے جاتی ہے اُسے مُردوں کی دنیا کی ملکہ الاتو تک پہونچنے کے لئے سات دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ ہر دروازے پر ایک نقاب یا پوشش اُتارنے پر مجبور کی جاتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ آخری دروازہ پر پہونچتی ہے تو بالکل ہی عریاں ہوتی ہے۔ اُس کی غیر موجودگی میں زمین کی زرخیزی و بار آوری ختم ہو جاتی ہے لیکن جب وہ واپس آتی ہے تو پھر دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے۔

(۶) صادق (Sadyk) یعنی عدل و انصاف کا مجسمہ۔

(۷) اشمن (Eshmun)، صادق کا آٹھواں بیٹا تھا۔ فنیقی روایات کے مطابق وہ ایک خوبصورت اور پاکدامن نوجوان تھا جو شکار کا شوقین تھا۔ استارتہ دیوی اُس کی محبت میں مبتلا ہو گئی اور وہ یقیناً اُس سے ناجائز تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی اگر

---

[1] اس صورت میں اس کا مقابلہ بابل والوں کے اوئنیس (Oannes) سے کیا جا سکتا ہے جس کا نیچے کا جسم مچھلی کا اور اوپر کا انسان کا بنایا جاتا تھا۔ کہتے ہیں اُسی نے انسان کو تمدن کی تعلیم دی۔

س نے بچنے کے لئے اپنے کو آختہ نہ کر لیا ہوتا۔

(۸) کابیری یا کبیری (Kabeiroi) بہ معنی "بڑے معبود" کہتے ہیں انھوں نے پہلے پہل دھات کی چیزیں بنانا معلوم کیا اور جہاز بنائے اس لئے انھیں جہازرانی کے دیوتا اور دھات کے کام کے نگہبان مانا جاتا تھا۔ انھیں بونا اور جسمانی لحاظ سے ناقص دکھایا جاتا تھا۔

(۹) ڈرکیٹو (Derketo) غالباً فلسطینی معبودہ تھی نہ کہ فنیقی۔ اس کی عبادت کا خاص مرکز اسکالن (Ascalon) تھا۔ سے فلس ماہی سے ڈھکا ہوا دکھایا جاتا، اسے ہم استارتہ کی طرح فطرت کی دیوی مان سکتے ہیں۔

(۱۰) اونکا (Onca) ایک دیوی تھی۔ یونانی اس کا مقابلہ اپنی اتھینے (Athene) سے کرتے تھے جو عقل کی دیوی تھی۔

(۱۱) بیلتس (Beltis) یہ بابل کی دیوی تھی جس کی پرستش بحیرۂ روم کے ساحل تک پھیل گئی تھی۔

ان کے علاوہ اہلِ فنیقیہ بعض غیر ملکی معبودوں کی بھی پرستش کرنے لگے تھے جن میں مصری معبود اوسیرز آئین اور تھوتھ خاص تھے۔ ن کو "حمن" کہتے تھے اور اُسے بعل کے مماثل مانا جاتا تھا۔

خلاقی انحطاط

ان کے مذہب میں ایک طرف تو بے باک مذہبی عیاشیاں پائی جاتی تھیں اور دوسری طرف مافوق البشر قوتوں کی برہمی دور کرنے کے لئے انسانی قربانیاں، لبنان میں دریائے ایڈونیس کے منبع کے قریب افاکا (Aphaca) میں ہبی عصمت فروشی نے انتہائی شرمناک صورت اختیار کر لی تھی اور پورے فنیقیہ اور اُس کی نو آبادیوں میں ناگہانی آفت کے وقت انسانی قربانی عام رواج ہو گیا تھا۔ اس طرح کے خونی مراسم نے ان لوگوں کے دلوں میں انتہائی سختی پیدا کر دی بجائے اس کے کہ سوداگری اور تجارت سے ن کی طبیعت میں نفاست اور نرمی پیدا ہوتی، وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بہت بے رحمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ بحری ڈاکہ زنی، اغوا اور بردہ فروشی سلسلہ میں دیگر وحشت ناک حرکات اُن کی فطرت کا جزو بن گئی تھیں۔

ان کے یہاں موت کو عام طور سے "ہستی کے نیست ہونے کا وقت" کہا جاتا تھا۔ مرنے والے ایک "عالمِ خموشی میں چلے جاتے تھے" "گونگے" ہو جاتے تھے۔ اُن کی روح "فنا ہو جاتی" اور "گزرے ہوئے دن کی طرح" ناپید ہو جاتی تھی اس لئے وہ صرف اس بات کی تمنا تے تھے کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اُنھیں یاد رکھیں۔

بابل والوں کا اوینس دیوتا جو فنیقیوں میں داگن کہلاتا تھا اس کا مقابلہ ہم ہندوؤں کے وشنو کر سکتے ہیں۔

کریٹ کا مذہب

مختصر تاریخ تقریباً ۳۴۰۰ ق۔م سے لیکر ۱۱۰۰ ق۔م تک، کریٹ ایک خاص تہذیب کا مرکز تھا جس کے آثار سرآرتھر ایوانس نے ناسس (Knossos) اور دوسرے شہروں میں کھود کر نکالے۔ بعد میں یہی تہذیب یونان کے تین شہروں مائی کنائی، آرگس اور ٹی رنس میں پھیل گئی۔ کریٹ کے بادشاہوں نے اسے مغرب میں سسلی اور اٹلی تک اور شمال میں ٹرائے تک پھیلا دیا تھا۔ ان کل مقامات کی تہذیب ایجین کہلاتی ہے اور موجودہ یورپی تہذیب کا سرچشمہ ہے۔ خود کریٹ میں تہذیب کا آغاز مصر اور بابل سے تجارتی تعلقات کی بناء پر ہوا تھا۔

مادرِ فطرت کریٹ کے لوگ مناظرِ فطرت کی پرستش کرتے تھے اور بعض دیگر اقوام کی طرح ان میں بھی فطرت کا تصور ماں کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ اس کے مجسمے اس طرح کے ہیں کہ وہ ایک خاص قسم کا پلیٹوں دار فراک پہنے ہے جس کے گلے کو اس قدر نیچا کر کے کاٹا گیا ہے کہ دونوں چھاتیاں نمایاں ہیں (بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس زمانہ کی عورتوں کا عام لباس تھا)

اس دیوی کے ساتھ بعض اور تصاویر بھی بنائی جاتی ہیں جن سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ کریٹ کے لوگ پانچ دیویوں کی پرستش کرتے تھے (۱) پہاڑ کی دیوی۔ (۲) درختوں کی دیوی۔ (۳) سانپ کی دیوی۔ (۴) فاختہ کی دیوی (۵) جنگلی جانوروں کی دیوی۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ہی دیوی کی مختلف صورتیں ہوں۔

اس دیوی کو کبھی پہاڑ پر کھڑے دکھایا جاتا ہے جس کے دونوں طرف شیر کا ایک جوڑا پہرہ دے رہا ہے۔ یہ چیز ہمیں ہندوؤں کی درگا یا پاربتی کی یاد دلاتی ہے۔ درگا کی سواری شیر اور پاربتی کو ہمالیہ کی دختر مانا جاتا ہے اور یوں بھی اُس کا پربت یعنی پہاڑ سے کھُلا ہوا تعلق ہے۔ شیر طاقتور اور بہادر ہونے کی وجہ سے شکتی کا مظہر ہے گویا کریٹ والوں کی دیوی دُرگا کی طرح قوائے فطرت کی مظہر تھی۔

اس دیوی کے ساتھ درختوں کی تصویریں بھی بنائی جاتی ہیں جس سے ہمارا خیال فوراً نیچر کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ نیچر سے اُس کا تعلق سانپ سے بھی ظاہر ہے۔ خزاں میں درختوں کی پتیاں جھڑ جاتی ہیں اور بہار میں ازسرِنو کونپلیں پھوٹتی ہیں اور درخت ہرے بھرے ہوجاتے ہیں گویا فطرت اپنا پرانا لباس اُتار کر نیا پہنتی ہے جیسے سانپ اپنی کینچل بدلتا ہے۔ اسی لئے موسموں کی تبدیلی کے اظہار کے لئے سانپ کو بطور علامت اختیار کیا گیا۔ بسا اوقات اس دیوی کے کولہوں پر دو سانپوں کو لپٹے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور کبھی سانپوں کو اُس کے بازوؤں اور چھاتیوں پر رینگتے، بالوں میں لپٹے یا سر پر بیٹھے دکھاتے ہیں (ہندوؤں میں پاربتی کے شوہر شیوجی کے گلے میں ناگ لپٹے ہوئے دکھائے جاتے ہیں)

کبھی کبھی اس دیوی کے ہاتھوں یا سر پر فاختہ کو بیٹھے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ فاختہ معصومیت و محبّت کی علامت تھی اس سے دیوی کی عفت کی طرف اشارہ ہے نیز یہ کہ وہ (صنفی) محبّت کی بھی دیوی ہے۔

ہندوؤں میں شیوجی کو "پشوپتی" بھی کہتے ہیں گویا وہ جانوروں کے مالک ہیں۔ اسی طرح کریٹ والوں میں بھی مادرِ فطرت کو جنگلی جانوروں سے گھرا ہوا دکھایا جاتا ہے۔

المختصر اس دیوی کا تعلق کل مناظرِ فطرت سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور، سانپ، پرند، سمندر، سیپوں،

ر آبی عنصر بتوں وغیرہ سے تھا اور اُن سب کی پرستش کی جاتی تھی۔

شروع میں اہلِ کریٹ صرف اسی ایک دیوی کی پرستش کرتے تھے بعد میں ایک مرد دیوتا بھی آگیا جسے ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ س دیوتا کو کبھی اُس کا محبوب اور کبھی اُس کا شوہر ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس دیوی کے بیٹے کا نام ویلکانس (Velchanos) تھا جسے وہ گود میں لئے رہتی ہے اور جسے اُس نے پہاڑ کے ایک غار میں جنم دیا تھا۔ یہی ویلکانس بعد میں یونانی روایت کا زیوس (Zeus) ن گیا اور وہ خود ریا (Rhea) بن گئی۔ زیوس کی پیدائش کا مقام اور مدفن کریٹ کو بتایا جاتا تھا۔

دوسرے دیوتا — مادرِ فطرت کے علاوہ اہلِ کریٹ (۱) دوہرے تبر۔ (۲) مقدس جانوروں۔ (۳) مقدس سینگوں اور (۴) ستون ں بھی پرستش کرتے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

تبر یا کلہاڑی — کلہاڑی کا پتہ قدیم عصرِ حجری سے چلتا ہے۔ دھات سے پہلے کلہاڑیاں پتھر کی بنائی جاتی تھیں۔ کریٹ کی بروں اور معبدوں میں جو چڑھاوے کی کلہاڑیاں ملی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کلہاڑیاں اکہری ہوتی تھیں۔ دوہرے پھل والی کلہاڑیاں تانبے کا رواج ہونے کے بعد ظاہر ہوئیں۔

انسانی تاریخ میں ایک ایسا بھی زمانہ گزرا ہے جب ہر چیز کو جاندار مانا جاتا تھا اس لئے ممکن ہے کہ کلہاڑی کو بھی جاندار یا روح کا حامل مانا جاتا ہو۔ تبر یا کلہاڑی "طاقت" کی علامت تھی۔ مصر میں خدا، دیوتا اور ہر قسم کی ارواح کو جو عام نام دیا جاتا تھا وہ "نیتر" تھا (مونث "نیترت" بمعنی دیوی) جسے ایک دستہ دار کلہاڑی 𓊹 سے ظاہر کرتے تھے۔ غالباً دوہرے تبر کی پرستش کریٹ میں مصر سے آئی۔

بیل کے سر اور سینگ — دوسری قوموں کی طرح اہلِ کریٹ بھی بعض جانوروں کو مقدس مانتے تھے۔ خصوصاً بیل کو جس کے سر یا سینگوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے ملے ہیں۔

مقدس ستون — اس سے مراد وہ کھمبے تھے جن پر آسمان کو ٹکا ہوا مانا جاتا تھا اور یا پھر یہ اُس پہاڑ کی مرموز علامت تھا جس کی چوٹی ر آسمان کو ٹکا ہوا مانتے تھے۔

الغرض کریٹ والوں کا مذہب ضروری باتوں میں مصر والوں کے مذہب سے مشابہ تھا جو ان دونوں ملکوں کے تجارتی تعلقات سے پیدا ہوئی تھی۔

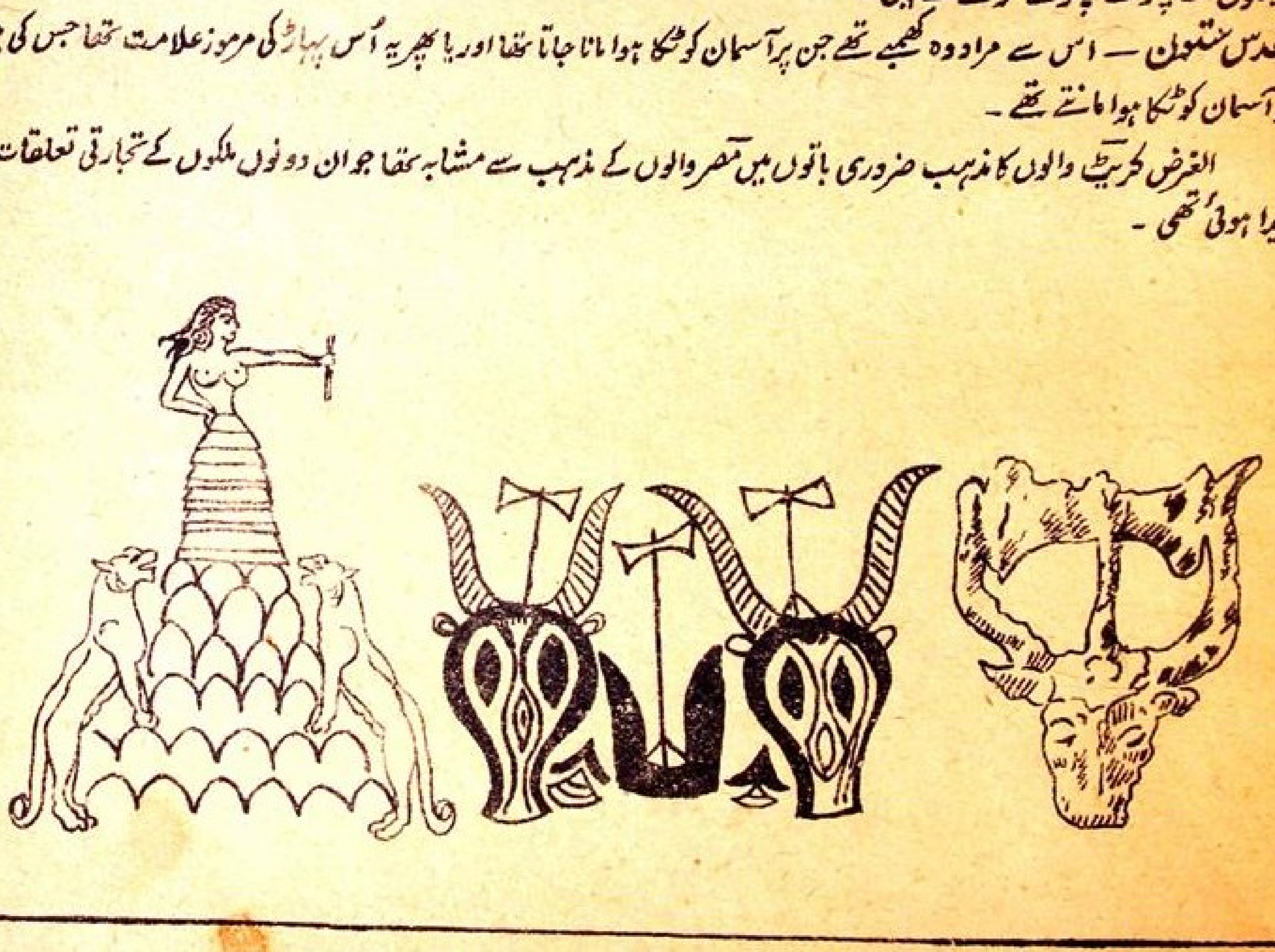

یونانی مذہب

یورپ کی زبانیں ہندوستان، افغانستان، ایران، اور آرمینیا کی زبانوں سے گہرا تعلق رکھتی ہیں، اسی لئے انھیں ہند یورپی زبانیں کہتے ہیں۔ ان کا ایک مشہور نام آریائی بھی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والے پہلے کسی ایک مقام پر آباد تھے (غالباً وسطِ ایشیا یا مشرقی یورپ میں) وہ ایک ہی نسل کے لوگ تھے اور اپنے کو آریہ کہتے تھے۔ بعد میں یہ لوگ مختلف ممالک میں ہجرت کر کے چلے گئے۔ دیگر اقوام سے شادی بیاہ کرنے سے اُن کی نسل مخلوط ہو گئی اور اب آریہ کسی خاص نسل کا نہیں بلکہ زبانوں کے ایک خاندان کا نام ہے۔

ان آریہ نسل کے لوگوں میں سے صرف ہندو اور پارسی اپنے قدیم مذہب پر قایم ہیں۔ بقیہ لوگوں نے یا تو مذہب اسلام کو قبول کر لیا یا عیسائیت۔ یورپ کا موجودہ مذہب عیسائیت ہے۔ قدیم مذاہب فنا ہو چکے ہیں۔ ان میں یونانی، رومی، ٹیوٹانی اور کیلٹی اقوام کے مذاہب خاص تھے جن کا ہندوستان کے قدیم مذہب سے گہرا تعلق تھا۔

یونان میں آریہ نسل کے لوگوں کا پتہ تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م سے چلتا ہے۔ یونان کا تمدن کریٹ اور ایشیائے کوچک کی تہذیبوں سے متاثر ہوا تھا۔ ہندوستانی آریہ لوگوں کی طرح قدیم یونان کا مذہب بھی مناظرِ فطرت کی پرستش تھا۔

یونانی دیوی دیوتاؤں کے بارہ میں بڑی دلچسپ روایتیں مشہور تھیں جنھیں اندھے شاعر ہومر نے اپنی مشہور رزمیہ نظموں الیڈ (Iliad) اور اوڈیسی (Odyssey) میں اور ہیزیوڈ نے اپنی تھیوگنی (Theogony) میں بیان کیا ہے یہ کتابیں غالباً ساتویں صدی عیسوی میں قلمبند کی گئی تھیں۔

یہ دیوی دیوتا یونانیوں کے تخیل غیر محدود کی پیداوار تھے۔ یونان سے زیادہ تجسیم بشری کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ نہ صرف مناظر فطرت بلکہ ہر جذبہ و قوت کو متشخص مانا جاتا تھا۔

مناظرِ فطرت کی پرستش

مناظر فطرت میں سب سے زیادہ آسمان کی پرستش ہوتی تھی۔ اُس کے بعد زمین کی یورانس آسمان کا دیوتا تھا اور گے زمین کی دیوی تھی اور یہ دونوں آپس میں پہلے میاں بیوی تھے۔ ان کے ملاپ سے بہت سے بچے پیدا ہوئے جن میں کرانس دیوتا اور ریا دیوی خاص تھے۔ زیوس جو یونانیوں کا معبود اکبر تھا، کرانس اور ریا کا بیٹا تھا اور وہ بھی آسمان کا بادشاہ تھا۔

آسمان کے بعد سورج دوسرا اہم معبود تھا۔ اسپارٹا کے لوگ اُس کے شعلہ بار رتھ کو آسمان پر کھینچنے کے لئے گھوڑوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ جزیرہ روڈز کے لوگ ہیلیس کو اپنا خاص معبود مانتے تھے اور سالانہ سمندر میں اُس کے استعمال کے لئے چار گھوڑے اور ایک رتھ ڈالتے تھے اور اُسی کے نام پر کالوسس (Colossus) کا دیوپیکر مجسمہ معنون تھا جس کا شمار قدیم ہفت عجائبات عالم میں ہوتا ہے۔

سورج کے مقابلہ میں چاند کی اہمیت کم تھی اور سیاروں اور ستاروں کی بہت کم۔ ان کے علاوہ چار ہواؤں کے بھی الگ الگ دیوتا تھے جن کا سردار ایولس (Aeolus) تھا۔

زیوس کا بھائی ہیڈز پاتال کا حکمراں تھا جہاں مُردوں کی روحیں رہتی ہیں اور جس کے نام پر زمین کے اندرونی حصّے کا نام ہی ہیڈز پڑگیا۔

جنسی معبود

اہلِ یونان زمانۂ سلف کی دیگر اقوام کی طرح قوائے تولید کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اور اُن کے معبودوں کا تعلق جنسی جذبات سے تھا۔ ان میں ڈائیونیسس (Dionysus) خاص تھا جس کے نام پر یونانیوں کا سب سے بڑا تہوار ڈائینیزیا (Dionysia) منایا جاتا تھا۔ اِس تہوار میں مردانہ عضو کی مورتوں کا جلوس نکالا جاتا تھا۔ اور مرد عورت یکجا ہوکر آزادانہ ایک دوسرے سے مختلط ہوتے تھے۔ ہرمیز (Hermes) دیوتا کا تعلق بھی لِنگ پوجا سے تھا۔ صنفِ لطیف کی نمایندہ ایفروڈائٹ (Aphrodite) دیوی تھی۔ اپریل کے آغاز میں یونان کے مختلف شہر اُس کا بڑا تہوار ایفروڈیزیا (Aphrodisia) مناتے تھے۔ اس موقع پر تہوار میں حصّہ لینے والوں کو پوری جنسی آزادی حاصل ہوتی تھی اور وہ دل کھول کر دادِ عیش دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونان میں پہلے مختلف دیویوں کی پرستش ہوتی تھی جن کا تعلق زمین سے تھا لیکن جب آریہ لوگ آئے تو انھوں نے "مادری نظام" کا خاتمہ کرکے "ابری نظام" کی بنیاد ڈالی اور دیویوں کو مادری جذبات سے محروم کرکے شہوانی جذبات کا مظہر قرار دیا۔

حیوانی معبود

قدیم یونانیوں میں بعض جانور بطور نیم معبود کے پوجے جاتے تھے۔ مصر کی طرح اُنھوں نے انسانی جسم پر حیوانی سر نہیں لگائے بلکہ مثل ہندوؤں کے اپنے دیوی دیوتاؤں سے خاص خاص جانور منسوب کردیئے یا اُن کی علامت قرار دے۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ کبھی کبھی دیوتا جانوروں کے بھیس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصًا سانپ کی صورت میں۔ غالبًا سانپ کی پرستش یونان میں کریٹ سے آئی جہاں ایک "سانپ دیوی" کا پتہ چلتا ہے۔ یونان میں سانپ ایتھینہ، ہائجیہ اور اسقلاپیس کا مظہر تھا۔ بیل، زیوس کا، گائے ہیرا کی، سُور ڈیمیٹر کا، چوہا اپالو کا، گھوڑا پوزیڈان کا، ہرن آرٹمیس کا، فاختہ ایفروڈائٹ کی گدھ ایریز کا اور بکرا پین کا مظہر مانا جاتا تھا۔

اولمپیائی معبود

یونانیوں کے اعلیٰ معبود کوہ اولمپس پر رہتے تھے جو تھسّلی میں واقع ہے۔ اولمپیائی معبودوں کی تعداد بارہ تھی:-

(۱)	زیوس	(Zeus)	آسمان کا دیوتا	(۷)	ہرمیز	(Hermes)	تجارت کا دیوتا
(۲)	ہیرا	(Hera)	شادی کی دیوی	(۸)	ایتھینی	(Athene)	عقل کی دیوی
(۳)	پوزیڈان	(Poseidon)	پانی کا دیوتا	(۹)	ہیفاسٹس	(Hephaestos)	صنعت وحرفت کا دیوتا
(۴)	ڈیمیٹر	(Demeter)	اناج کی دیوی	(۱۰)	ایفروڈائٹ	(Aphrodite)	تولید کی دیوی
(۵)	اپولو	(Apollon)	قانون کا دیوتا	(۱۱)	ایریز	(Ares)	جنگ کا دیوتا
(۶)	آرٹمیس	(Artemis)	شکار کی دیوی	(۱۲)	ڈایونیسس	(Dionysus)	شراب کا دیوتا

دوسرے اہم معبود یہ تھے:-

ہیسٹیا	(Hestia)	چولھے کی دیوی	پین	(Pan)	گلّوں کا دیوتا
ایراس	(Eros)	عشق کا دیوتا	پرسیفون	(Persephone)	تحت الارض کی دیوی
ہیلیس	(Helios)	سورج کا دیوتا	ہیڈز	(Hades)	تحت الارض کا دیوتا، ملک الموت
سیلین	(Selene)	چاند کی دیوی			

ان کے علاوہ بعض دیوی دیوتا ایسے تھے جن کی پرستش ماضی بعید میں ہوئی تھی لیکن بعد میں وہ ثانوی حیثیت کے رہ گئے:-

گے (Ge) زمین کی دیوی کرونس (Cronus) زیوس کا باپ
یورانس (Uranus) زمین کا شوہر ریا (Rhea) زیوس کی ماں

بعض فانی انسان بھی دیوتا بنا دیئے گئے تھے مثلاً :-

ہرقلیس (Herakles) محنت و مشقت کا دیوتا
اسقلاپیس (Asklepios) صحت و شفا کا دیوتا

ان میں سے بیشتر وہ تھے جو یونانی عقیدہ کے مطابق دیوتاؤں کے فانی عورتوں سے صحبت کرنے سے پیدا ہوئے تھے مثلاً زیوس دیوتا اور القمینہ کا ثمرۂ اتصال ہرقلیس تھا۔ اسی طرح اسقلاپیس کا باپ اپالو تھا۔

خانگی معبود کلاسیکی زمانہ سے پہلے اہل یونان کا عقیدہ تھا کہ مُردوں کی روحیں اپنے اخلاف کو فایدہ اور نقصان پہونچا سکتی ہیں۔ اسلئے خاندانی معبود کے سامنے ہر وقت آگ جلا کرتی تھی اور اُس میں اشیاءِ خوردنی اور شراب کو ڈالا جاتا تھا۔ کلاسیکی زمانہ میں لوگ ان مبہم ارواح سے محبت کرنے کے بجائے خوف کھانے لگے تھے اور انھیں دور رکھنے کے لئے خاص مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

شہری معبود خانگی معبودوں کے علاوہ ہر شہر کے معبود جدا تھے۔ یہ شہری معبود وہی تھے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یونان کا ملک چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ شہر کا مرکز کسی پہاڑ کی چوٹی ہوا کرتی تھی جس پر دیوتا کا معبد تعمیر کیا جاتا تھا جب کسی شہر کے لوگ جنگ کے لئے کوچ کرتے تو فوج میں سب سے آگے اُس شہر کے معبود کی شبیہہ ہوتی اور بغیر دیوتا سے مشورہ کئے کوئی ضروری قدم نہ اُٹھایا جاتا تھا۔ ایک شہر ہی دوسرے شہر پر غالب نہ آتا تھا بلکہ ایک دیوتا بھی دوسرے دیوتا کو مغلوب کر لیتا۔ شہر کے ٹاؤن ہال میں ہر وقت قربان گاہ پر مقدس آگ جلا کرتی تھی اور وقتاً فوقتاً لوگ اُس کے سامنے "مذہبی ضیافت" میں شریک ہوتے تھے ہر شہر کا ایک پروہت ہوا کرتا تھا جسے آرکن (Archon) کہتے تھے۔

معبودِ اعلیٰ : زیوس زیوس، یونانیوں کا معبودِ اکبر تھا۔ وہ رب العالمین نہ تھا کیونکہ یونانیوں کے نزدیک دیوتاؤں نے دُنیا کو پیدا نہ کیا تھا بلکہ اس کے برخلاف اُن کا عقیدہ تھا کہ دُنیا نے دیوتاؤں کو پیدا کیا البتہ انسان ضرور دیوتاؤں کی مخلوق تھا۔ یونانی دیومالا کے مطابق پرومیتھیس نے اپنے نمونے پر مرد کو اور ہیفائسٹس نے اپنی بیوی ایفروڈائٹ کے نمونہ پر عورت کو بنایا تھا۔

دیوتاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے زمین و آسمان کی تخلیق ہو چکی تھی۔ گے زمین کی دیوی تھی اور یورانس آسمان کا دیوتا تھا۔ وہ پہلے زوجین اور اولین والدین تھے۔ ٹیٹان (Titans) یعنی قوی ہیکل دیو اُن کے بیٹے تھے اور دیوتا اُن کے پوتے تھے۔

زیوس اور اُس کے بھائیوں نے دُنیا کی تقسیم کے لئے قرعہ اندازی کی۔ زیوس کو آسمان ملا، پوزیڈان کو سمندر اور ہیڈز کو زمین کے نیچے کا حصہ۔ یہ تین دیوتا یونانی تثلیث کے مرادف ہیں۔

زیوس بڑا عاشق مزاج تھا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے مختلف دیویوں سے بیاہ رچایا جن میں سے بعض اُس کی بہنیں تھیں۔ ہیزیوڈ نے اُس کی رومانی مُہمّوں اور اُس کی ذریات کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے۔

اہلِ یونان فلسفۂ جبر کے قایل تھے۔ انسانوں کے خیالات، جذبات، اُن کی خوبیاں خرابیاں سب دیوتاؤں کی طرف سے سمجھی جاتی تھیں۔ جب تک دیوتا ساتھ دیتے کامیابی حاصل ہوتی اور جب دیوتا ساتھ چھوڑ دیتے تو شکست لازمی تھی۔

یونانی معبود اور اخلاقیات ہومر کے نقادوں کا کہنا ہے کہ اُس کے دیوی دیوتا انسانوں کے سامنے کوئی اعلیٰ اخلاقی تصور نہیں پیش کرتے۔ وہ انسانوں سے محبت کم اور حسد زیادہ کرتے ہیں اُن کی مثال بد اخلاق مطلق العنان بادشاہوں کی سی ہے۔ اُنھیں خوش رکھنے کے لئے خوشامد اور اطاعت ضروری ہے۔ وہ انسانوں کو مرفہ الحال اور

وش وخرم دیکھ کر درپئے انتقام ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال ایفرو ڈائیٹ کی ہے جو باوجود حسن کی دیوی ہونے کے سائکی نامی حسین عورت کو اپنا نشانۂ غضب بناتی ہے۔

فلاسفۂ یونان کے عقاید

جن حوادث طبیعی کو عوام دیوی دیوتاؤں سے منسوب کرتے تھے اُن کی عقلی توجیہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ تکوینِ عالم کے سلسلہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اولین اور اساسی عنصر کونسا ہے۔ تالیس (Thales) کے نزدیک جس کا زمانہ تقریباً ۶۰۰ ق۔م ہے اصل عنصر پانی ہے۔ اسی کے ایک شاگردِ انیکسی منیڈر (Anaxi-mander) نے ایتھر کو بنیادی عنصر قرار دیا۔ ہیراقلیتوس (Herakleitos) نے آگ کو اصلی عنصر کائنات ٹھیرایا۔ ظاہر ہے کہ یہ فلسفی جو کائنات کو علم وعقل کی روشنی میں سمجھنا چاہتے تھے دیوتاؤں کے معتقد نہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ ہیراقلیتوس شاعروں کے بھی خلاف تھا جو عوام کے لئے اصنام سازی اور دروغ بافی کا کام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہومر کا بھی کچھ احترام اُسکے دل میں نہیں تھا۔ وہ کہتا ہے کہ واجب یہ تھا کہ ہومر کو پکڑ کر دُرّے لگائے جاتے"۔ اسی طرح مذہب کو وہ ایک" مقدس بیماری" بتاتا ہے۔

فیثاغورث (Pythagoras) نے کائنات کی عددی تشریح کی کوشش کی اُس کے نزدیک "تمام اعداد ایک عدد یعنی وحدت سے نکلے ہیں۔ اشیاء کا جوہر عدد ہے اور اعداد کا جوہرِ وحدت۔ وحدت دو قسم کی ہے ایک وہ وحدت ہے جو تمام اشیا اور اعداد کی اصل ہے۔ یہی وحدت خدائے واحد اور تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ یہ وحدتِ مطلقہ ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی عدد نہیں دوسرا احدِ عددی ہے جو دو اور تین کے پہلے آتا ہے۔ یہ مخلوق اکائی اور اضافی وحدت ہے۔ تمام اشیاء اور اعداد وحدت اور کثرت کے تخالف سے پیدا ہوتے ہیں۔"

امپیڈوکلیز (Empedocles) نے جو سسلی کا رہنے والا تھا یہ فلسفہ پیش کیا کہ عناصر اربعہ کی مختلف نسبتوں سے لاتعداد چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ کائنات میں دو اور قوتیں بھی ہیں یعنی محبت اور نفرت۔ ایک سے اتفاق اور اجتماع پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے اختلاف اور انتشار۔ کائنات میں ان دونوں کی حکومت ہے۔ ان دو قوتوں کا مقابلہ ہم پارسیوں کے اہرمن و یزداں سے کر سکتے ہیں جن کی باہمی جنگ زندگی کے ہر شعبے میں ملتی ہے۔ یہ فلسفی بھی موحد ہے اور کہتا ہے کہ وحدتِ الٰہی اضداد سے ماوریٰ ہے۔

انیکساغورث (Anaxagoras) پریکلیز (Pericles) کے زمانہ کا زبردست فلسفی تھا۔ جس کے انکشافات موجودہ سائنس کے مطابق تھے۔ اُس کا کہنا تھا کہ سورج ایک بہت بڑا آتشیں کرہ ہے، چاند میں پہاڑ اور وادیاں ہیں اور چاند اپنی روشنی سورج سے اخذ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دیوی دیوتاؤں کے ماننے والے ان باتوں کو کیسے مان سکتے تھے۔ ایتھنس والوں نے جب یہ سنا کہ انیکساغورث کہتا ہے کہ سورج کوئی دیوتا نہیں ہے بلکہ محض آگ کا گولہ ہے تو اُسے بہت مارا۔ بہرحال انیکساغورث خدا کا قایل تھا لیکن وہ روح اور مادے کو بھی ازلی مانتا تھا۔ اُس کے خدا کے تصور کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علیم اور ناظم ہے لیکن خالق نہیں کیونکہ کوئی قوت کسی جوہر کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتی نہ وجود سے عدم ہی لے جا سکتی ہے۔ عناصر اپنی ذات میں غیر مخلوق ہیں مگر ایک خدائے واحد کے زیرِ فرمان ہیں۔" انیکساغورث خدا کے مقاصد کا اور روح کلی کا ہر شے میں جاری وساری ہونا اس طرح بیان کرتا ہے کہ وحدت الوجود کا قایل معلوم ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسی لئے انیکساغورث کو یونانیوں میں تعلیم توحید کا اول معلم کہنا چاہئے۔

۱؎ ملاحظہ ہو "کیوپڈ اور سائکی" از مولانا نیاز فتحپوری ۔ ۲؎ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "داستانِ دانش" (۱۹۴۳ء) صفحہ ۲۲ ۔ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۹
۴؎ صفحہ ۴۲ ۔ ۵؎ صفحہ ۴۵ ۔ ۶؎ صفحہ ۴۹ ۔ ۷؎ صفحہ ۴۷ ۔

اس کے بعد سقراط، افلاطون اور ارسطو میں توحید کا تصور بہت ترقی کر گیا۔ ارسطو نے بعد میں انیکسا غورث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "اس کا خدا عالم سے ایک خارجی قوت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (لہٰذا) اس کی تعلیم توحید کی تعلیم نہیں بلکہ ثنویت کی تعلیم ہے کیونکہ اس میں خدا اور عالم ایک دوسرے سے متناقض اور جدا جدا ہیں"[۱]

دیمقراطیس (Democritus) جس نے سب سے پہلے ذرۂ لایتجزیٰ کا نظریہ (Atomic Theory) پیش کیا۔ دیوتاؤں کے وجود کا قایل تھا۔ لیکن اس کے خیالات عوام سے مختلف تھے۔ اس کے نزدیک دیوتاؤں کا وجود ہے لیکن ہم میں اور ان میں کچھ فرق ہے۔ وہ بھی ذرات ہی کے اجتماع سے بنے ہیں لیکن ہم سے بہت زیادہ قوی اور پایدار ہیں۔ انجام ان کا بھی وہی ہوگا جو ہمارا ہوتا ہے۔ حرکت اور مادے کے قوانین سے ان کو بھی نجات نہیں۔ کائنات میں کسی کو کوئی خاص حق حاصل نہیں۔ چونکہ دیوتا ہم سے داناتر اور قوی تر ہیں اس لئے ہمیں ان کا احترام کرنا چاہئے۔ لیکن ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہم سے کچھ راہ و ربط بھی رکھتے ہوں لیکن ہم اور وہ سب مادہ اور حرکت کے ازلی آئین کے تحت ہیں۔ اس آئین میں کسی کا کچھ لحاظ نہیں ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ اس آئین کو پہچان کر تقدیر کے سامنے سر تسلیم کرے، اسی تسلیم و رضا سے مسرت اور سعادت حاصل ہو سکتی ہے"[۲]

پروٹاگوراس (Protagoras) جس کا سنہ پیدایش ۴۹۰ ق-م ہے دیوتاؤں کا منکر تھا۔ اس لئے عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ "۴۱۱ ق-م کے قریب اس پر دہریت کا الزام لگایا گیا اور اس کے خلاف فتویٰ صادر ہوا۔ جن جن کے پاس اس کی کتابیں تھیں وہ طلب کی گئیں اور نذرِ آتش کی گئیں۔ وہ خود فرار ہو کر سسلی جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا انتقال ہو گیا"[۳]

سقراط (Socrates) جس کا زمانہ ۴۶۹ - ۳۹۹ ق-م تھا صحیح معنی میں یونان کا پیغمبر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جمہور نے اسے سزائے موت دی۔ "الزام یہ تھا کہ وہ دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور خلافِ روایت عقاید سے نوجوانوں کے اخلاق خراب کرتا تھا"[۴] لیکن اس نے مذہب کے خلاف علانیہ بغاوت نہیں کی۔ جا بجا وہ بھی دیوتاؤں کے قصے مثالاً بیان کرتا ہے لیکن حکیمانہ انداز میں اور عام لوگوں کو شک ہوتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کو ہماری طرح مانتا بھی ہے یا نہیں۔ سقراط اپنی قوم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دیوتا بد اخلاق نہیں ہو سکتے، اس لئے فقط اچھے، خوش اخلاق دیوتاؤں کو رکھ لینا چاہئے اور وہ بھی بچوں کی تعلیم کے لئے۔ وہ حقیقت میں خدائے واحد کا قایل تھا جو سراپا عقل و عدل ہے اس کے نزدیک خدا خیرِ مطلق تھا۔"[۵] اسی کا یہ بھی قول ہے کہ "انسان سے اعلیٰ تر فوق الفطرت ہستیوں کا وجود ہے لیکن اصل الوہیت ایک خدائے واحد کو حاصل ہے جو خیرِ مطلق اور علمِ مطلق ہے اور رب العالمین ہے"[۶]

افلاطون (Plato) کے مکالموں میں جا بجا دیوتاؤں کے قصے ملتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ ان کے وجود کا قایل تھا یا محض انھیں تشبیہات و تمثیلات کے طور پر بیان کرتا ہے یا یہ کہ وہ عوام کو اس دھوکے میں رکھنا چاہتا ہے کہ وہ بھی ان کی طرح خرافیات کا معتقد ہے۔[۷] بہرحال اپنی مشہور ترین تصنیف جمہوریہ (Republic) میں بہ سلسلۂ تعلیم وہ یہ بیان کرتا ہے کہ "بچوں کی دینیات میں یہ تعلیم نہیں ہونی چاہئے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کرتا ہے ان کو فقط یہ بتانا چاہئے کہ خدا فقط اچھی باتیں کرتا ہے، شر کو بھی خدا کی طرف منسوب کرنا بڑا ظلم ہے۔ ان کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ خدا جسے جیسا چاہتا ہے بنا دیتا ہے، کسی کو جہنم کے لئے بناتا ہے اور کسی کو جنت کے لئے۔ جب وہ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے پہلا اصول یہ ہے کہ خدا کو خیرِ مطلق کے طور پر پیش کیا جائے۔ دوسرا اصول خدا کے بارے میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی فطرت نہیں بدلتا۔ خدا میں سب صفاتِ حسنہ کا کمال ہے۔ اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں، بہروپئے دیوتاؤں کو بچوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں، خدا صداقتِ مطلقہ ہے اور صداقتِ مطلقہ میں کوئی تغیر ممکن نہیں"[۸] افلاطون شاعروں کے بھی خلاف تھا اس لئے کہ "اس کے زمانہ کے شعرا دیوتاؤں کے مخربِ اخلاق قصے دہراتے تھے۔ سوا چند اچھے اخلاق کی تعلیم دینے والے شاعروں کے وہ سب

داستانِ دانش

[۱] صفحات ۴۹-۵۰ - [۲] صفحہ ۵۵ - [۳] صفحہ ۶۲ - [۴] صفحہ ۸۰ - [۵] صفحہ ۸۳ - [۶] صفحہ ۸۵ - [۷] صفحہ ۹۱ - [۸] صفحہ ۱۱۱ -

…اعروں کو اپنی مجوزہ مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔"[1]

ارسطو (Aristotle) افلاطون کا مشہور شاگرد جس کا سنہ پیدائش ۳۸۴ ق۔م ہے توحید کا قائل تھا، وہ کہتا ہے کہ:
"خدا خالص روح یا خالص تصور ہے ..... خدا سے برتر کوئی تصور نہیں اس لئے خدا کے اندر مادے کا کوئی شائبہ نہیں۔ خدا عقلِ کل اور تصورِ …ے مادہ ہے وہ فکرِ خالص ہے جو خود ہی اپنا موضوعِ فکر ہے۔ عقلِ الٰہی اشیا کے ادراک سے ملوث نہیں ہوتی۔ تمام کائنات مختلف مدارج …میں اسی عقلِ کل کے تحقق میں لگی ہوئی ہے اور یہ سرچشمۂ عقل آفریدہ نہیں وہ کون و فساد سے ماورٰی ہے ..... خدا کائنات کا نصب العین ہے اور نصب العین کی طرف بڑھنے کا نام حیات و وجود ہے۔"[2]

اقتباسات بالا سے ظاہر ہو گا کہ عوام اور خواص کے عقائد میں کتنا زبردست فرق تھا۔ عوام کثرت پرست تھے اور فلاسفہ توحید کے قائل۔ در اصل ہر بڑے مفکر کو "خدا کی تلاش" تھی۔ ان میں سے بعض نے اپنے مقصود کو پا لیا تھا اور بعض اُس کے لئے سراپا تگ و دو تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کھُل کر نہ کر سکتے تھے "سچی باتیں" کہنے والوں کا انجام اُن کے سامنے تھا، جن میں سے بعض جلاوطن کر دیئے گئے۔ بعض کو زدوکوب کیا گیا اور کسی کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر یونانی فلاسفہ نے معبود کے بارے میں اپنے خیالات دبی زبان میں پیش کئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں زینوفینز (Xenophanes) کا بیان پڑھنے کے قابل ہے۔ کہتا ہے:۔

"خدا ایک ہے جو دیوتاؤں اور انسانوں میں سب سے بڑا ہے
اُس کا جسم اور دماغ مثل انسان کے نہیں ہے
وہ سراپا بصارت، سراپا سماعت اور سراپا عقل ہے
لیکن فانی انسان نے دیوتاؤں کو اپنی صورت پر بنایا ہے
اُنھیں اپنا جسم، اپنا لباس اور اپنی آواز عطا کی ہے
میرے خیال میں اگر بیلوں، شیروں اور گھوڑوں کے فقط ہاتھ ہوتے
تو انھوں نے اپنے ہی ایسے دیوتا بنائے ہوتے
گھوڑوں کے دیوتا گھوڑوں کے ایسے ہوتے اور بیلوں کے دیوتا بیلوں کے ایسے۔"

باوجود اس کے کہ یونانی فلاسفہ توحید کے قائل ہو چکے تھے عوام نے توحید کو کبھی قبول نہ کیا، یونانی تہذیب کے قیام تک عوام کثرت پرستی میں مبتلا رہے۔ البتہ زمانۂ مابعد میں بعض لوگ جو ان مفکرین سے متاثر ہوئے تشکیک میں مبتلا ہو گئے اور اُنھوں نے ایک "نامعلوم خدا کے لئے" قربان گاہ بنائی جیسا کہ اتھینس میں پولس کے وعظ سے ثابت ہوتا ہے۔ (عہدنامہ جدید "اعمال" باب ۱۷، آیات ۲۲-۲۸)

اس تشکیک کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد یونانیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا جس میں یونانی فلسفہ کے برخلاف خدا کا ایک واضح …ل موجود تھا۔

---

[1] صفحہ ۱۱۳ داستانِ دانش

[2] صفحہ ۱۵۱ داستانِ دانش

رومی مذہب

روایتًا شہر روم کی بنیاد رومولس اور ریمس نامی جڑواں بھائیوں نے ۷۵۳ ق۔م ڈالی تھی۔ ۵۱۰ ق۔م سے روم میں ایک آزاد حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ ۴۹۰ سے ۲۶۶ ق۔م کے درمیان اہلِ رومہ نے پورے اٹلی کو فتح کرلیا اور اطالوی ریاستوں کو متحد کرکے اطراف کے ممالک پر حملے شروع کردئے۔ اُن کا خاص حریف کارتھیج کی ریاست تھی۔ ۲۶۴ ق۔م میں اُس سے پہلی جنگ ہوئی۔ ۲۱۸ اور ۲۰۲ ق۔م کے درمیان دوسری جنگ ہوئی جس میں کارتھیج کا جنرل ہنی بال، آلپس کو پار کرکے خود اٹلی آپہونچا لیکن بالآخر شکست ہوئی۔ اسی زمانہ میں رومن لیجین نے یونان اور ایشیائے کوچک کو فتح کرلیا۔ ۱۴۶ ق۔م اُنھوں نے کارتھیج اور کارنتھ کو برباد کردیا۔ اس طرح بحیرہ روم پر اُن کا پورا اقتدار قایم ہوگیا۔ ۵۸ اور ۵۰ ق۔م کے درمیان جولیس سیزر نے فرانس (گال) کو فتح کرلیا۔ ۴۴ ق۔م میں اُسے قتل کردیا گیا۔ ۳۱ ق۔م میں مارک انطانی کو آکٹیویس سیزر نے شکست دی اور مصر پر قبضہ کرلیا۔ بعدازاں وہ آگسٹس کے لقب سے روم کا پہلا شہنشاہ ہوا ۲۷ ق۔م میں سلطنت رومہ اپنے پورے عروج پر پہونچ گئی۔ اُس کی چار قدرتی حدیں تھیں۔ شمال میں دریائے رائن اور ڈینوب۔ مشرق میں بحیرہ اسود۔ دریائے فرات اور عرب کا ریگستان۔ جنوب میں دشت صحارا اور مغرب میں بحر اٹلانٹک۔ روم والوں نے اپنے مذہب کو دوسرے ملکوں میں پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اُلٹا اُن کا مذہب دیگر ممالک خصوصًا یونان کے مذہب سے متاثر ہوا۔ اسی اثنا میں عیسائی مذہب نہایت سرعت کے ساتھ عروج حاصل کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ۳۱۳ء میں قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب کو سلطنتِ رومہ کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس طور پر انگلستان، فرانس، اسپین، ایشیائے کوچک اور مصر وغیرہ میں عیسائیت پھیل گئی اس کے بعد سے سلطنتِ رومہ کا زوال شروع ہوا یہاں تک کہ ۴۷۶ء میں اُس کا خاتمہ ہوگیا۔

ارواح پرستی روم والوں کا قدیم مذہب جادو ٹونے پر مشتمل تھا۔ وہ ہر شے میں ایک روح کو کارفرما پاتے تھے جسے نومین (Numen) کہتے تھے۔ یہ روحیں معمولی سے معمولی کاموں سے لیکر بڑے سے بڑے کاموں تک کی نگراں تھیں — یہ روحیں بے صورت اور بے جسم تھیں اسی لئے روم کے قدیم مذہب میں ہمیں تجسیم بشری کا پتہ نہیں چلتا۔

اسلاف پرستی اہلِ رومہ اپنے خاندانی بزرگوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ہر گھر میں اس کے لئے ایک مقام متعین ہوتا تھا۔

خانگی معبود گھریلو معبودوں میں تین خاص تھے:- (۱) ویسٹا (Vesta) آگ کی دیوی جو چولھے کی محافظ تھی۔ شہر روم میں ایک بڑا آتشکدہ تھا جہاں آگ کو کبھی بجھنے نہ دیا جاتا تھا۔ کنواری لڑکیاں جنھیں "ویسٹا کی کنواریاں" (Vestal Virgins) کہتے تھے اُس کی حفاظت کرتی تھیں۔ (۲) پی نیٹس (Penates) وہ دیوتا جن کا کام اناج کی کوٹھری کی حفاظت کرتا تھا۔ (۳) جنس (Janus) دروازے کا محافظ دیوتا۔ اس کے آگے پیچھے دو چہرے بنائے جاتے تھے۔ امن و آشتی کے دنوں میں روم میں اِس کا مندر بند رہا کرتا تھا انگریزی مہینے جنوری (January) کا نام اسی سے منسوب ہے۔

کھیتوں کے دیوتا کھیتی باڑی کا خاص دیوتا سیٹرن (Saturn) یعنی زحل تھا جس کے نام پر ہفتہ کا نام "سیٹرن ڈے" پڑا جو مخفف ہوکر "سیٹرڈے" (Saturday) ہوگیا۔ اسی کو ہندو شنی وار یا سنیچر کہتے ہیں۔

...رحدوں کے دیوتا

رومیوں میں جائداد کی حدیں مقرر کرنے والے پتھر بھی پوجے جاتے تھے جنھیں ٹرمینس (Terminus) کہتے تھے۔

...بود اکبر

شہر روم کا محافظ جوپیٹر (Jupiter) دیوتا تھا۔ وہ رب الارباب کا مرتبہ رکھتا تھا اور دوسرے معبود اُس کے وزراء اور ملائکہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ دیوتاؤں کا سردار اور آسمان کا بادشاہ تھا۔ پانی برسانا اُس کا خاص کام تھا اُس کا نام ...تانی (Zeus pater) کی بدلی ہوئی صورت ہے جو ہمیں ہندی آریوں کے "دیوش پتر" کی یاد دلاتا ہے۔

جوپیٹر کے بعد دوسرا بڑا معبود مارس (Mars) یعنی مریخ تھا۔ وہ لڑائی کا دیوتا تھا اُس کے نام پر انگریزی کے تیسرے مہینے کا ...م مارچ (March) پڑا۔

درحقیقت اہلِ روما کے مذہب، یونانیوں کے مذہب اور قدیم ہندی آریوں کے مذہب میں بڑی مشابہت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تینوں شروع میں ایک ہی مذہب رکھتے تھے جسے ہم "قدیم آریہ مذہب" کہہ سکتے ...ں۔ اس میں بعد ازاں مقامی تبدیلیاں ہوئیں لیکن باوجود اس کے تینوں میں بنیادی مشابہت برقرار رہی۔

...ابد اور معبود کا تعلق

رومیوں کے دیوتا نذر و نیاز سے خوش ہوتے تھے اور وہ مرادوں کو پورا کرتے تھے۔ اگر ٹھیک سے قربانیاں نہ پیش کی جاتیں تو دیوتا ساتھ نہ دیتے۔

...سلاطین پرستی

ان کے یہاں شہنشاہ پرستی کا بھی رواج تھا، بادشاہ کو جوپیٹر کا اوتار سمجھتا تھا۔ اکثر سلاطین اس بادشاہ پرستی کو ایک ڈھکوسلا اور سوانگ سمجھتے تھے مگر چند ایسے فاتر العقل شہنشاہ بھی ہوئے ہیں جو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ ...ج مچ خدا ہیں۔ کالیگولا (Caligula) اس کی ایک مثال ہے۔ وہ اپنے کو جوپیٹر سے مشابہ کرنے کے لئے سونے کے باریک تاروں کی ...نچھیں لگایا کرتا تھا جن کا وزن ۱۴ قیراط تھا۔ ان مونچھوں کی وضع بالکل ویسی ہی تھی جو جوپیٹر کے مجسموں میں ظاہر کی جاتی تھی۔ "عملی ...ندگی میں اس بادشاہ پرستی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلاطین کی تصاویر اور بت مثل دیوتاؤں کے پوجے جانے لگے۔ اب وہ ایک ایسی مقدس و مطہر ...بن گئے تھے کہ ان کے ساتھ خفیف سی بے ادبی کا ارتکاب شدید تعزیر کا مستوجب بنا دیتا تھا۔" غالباً یہ بادشاہ پرستی مصر سے آئی تھی جہاں ...راعنہ کو دیوتاؤں کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔

حکمائے روم کے خیالات

جس طرح کثرت پرستی کے خلاف فلاسفہ یونان میں ردِ عمل پیدا ہوا اور وہ رفتہ رفتہ توحید کے قائل ہوگئے اسی طرح روم میں بھی علما و فضلا نے کثرت پرستی پر سخت تنقید کی اور بالآخر ایک خدا پر ایمان لے آئے ...ب سے پہلے اُنھوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مذہب کی اصلیت کیا ہے۔

لکریشیئس (Lucretius) کا قول ہے کہ خوف نے دیوتاؤں کو جنم دیا اور مذہب خوف (خصوصاً موت کے ڈر) کی ...یداوار ہے۔ اسی طرح یوہیمیرس نے دیوتاؤں کی شانِ نزول یہ بیان کی کہ "یہ اپنے زمانہ میں بادشاہ تھے حکمران کی موت کے بعد لوگ انھیں ...دا سمجھنے لگے۔ دوسرا نظریہ جو رومن تشکیک کے دور اول میں زیادہ مقبول ہوا یہ تھا کہ مختلف معبود در اصل فطرت کے مختلف مظاہر، یا ذات ...ری کے مختلف قوی ہیں مثلاً نیپچون پانی ہے، پلوٹو آگ ہے۔ ہرقلیس قدرتِ باری ہے۔ منروا دانشِ الٰہی ہے وغیرہ۔ وارو (Varro) ...ے سلطنتِ روم کی بنیاد پڑنے سے سو برس پیشتر یہ کہا تھا کہ کائنات کی روح ذات باری ہے اور اُس کے مختلف قوا دیگر معبود ہیں۔ ورجل (Virgil) و مینیلیس (Manilius) نے اس خیال کو یوں نظم کیا کہ تمام زندگی کا اصل الاصول، تمام حرکت کی علت فاعلی، ...یک عالمگیر روح ہے جو کائنات کے گوشہ گوشہ میں جاری و ساری ہے۔ پلینی (Pliny) کے الفاظ یہ تھے: "آسمان و زمین، ...رض جملہ کائنات کو بجائے خود، خدا سمجھنا چاہئے جو ازلی و ابدی، لا یجزب ولا یزال ہے۔ بس اس سے زیادہ کسی بات کی جستجو کرنا انسان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اس کے سوا ہم کچھ دریافت نہیں کر سکتے۔" سسرو (Cicero) کا افلاطون کے اس مقولہ پر ایمان تھا

کہ خدا نام ہے روح مجرد کا۔ ایسے نفس کا جو جسم و مادہ کی کثافت سے پاک ہے ۔۔۔۔ سسترو نے اپنے عقیدہ توحید میں معبودانِ ثانوی کے لئے کوئی گنجایش نہیں رکھی کہانت کی بیخ کنی کی، کاہنوں کی جماعت کو سیاسی مکار قرار دیا اور معجزات وکرامات کو التباسِ حواس وافراطِ تخیل کا نتیجہ ٹھیرایا۔۔۔۔ ہورَیس (Horace) ایک نہایت چبھتے ہوئے طنز کے ساتھ ایک نجار کی زبان سے یہ خیال ادا کرتا ہے کہ "یہ کُندۂ ناتراش جو میرے سامنے رکھا ہے، اس کی میں تپائی بناؤں، یا اس کا کوئی دیوتا بنا ڈالوں ؟" سسترو، پلوٹارک (Plutarch) میکزیمس (Maximus) وڈیان کریزوسٹوم (Dion Chrysostom) یہ سب لوگ یا تو بُت پرستی کے یکسر مخالف ہوئے ہیں، اور یا اگر اُسے جائز سمجھتے تھے، تو صرف اس بنا پر کہ عوام کے ذہن میں وہ خدا کے تصور جمانے میں متعین ہوتی ہے[1]

فلسفہ جبر و اختیار

فلاسفہ روم، اس حد تک تو یونانیوں کے موید تھے کہ دولت، ثروت، عزت و وجاہت وغیرہ بالکل خداداد ہوتی ہیں لیکن اس کے قایل نہ تھے کہ انسان اپنے خصایص اخلاقی کے لحاظ سے بھی بندۂ تقدیر ہے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جذبات واحساسات بالکل انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں اور ان میں انسان اپنی ذاتی کوشش سے اتنی ترقی کر سکتا ہے کہ دیوتاؤں (یا خدا) کے ہم پلہ ہو جائے۔

بسا اوقات یہ فلسفی انسان کا خدا سے مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی شان میں گستاخانہ واہانت آمیز کلمے استعمال کرنے میں بھی گریز نہ کرتے تھے۔ اور بسا اوقات خدا اور انسان کے تعلق پر بڑے اچھے انداز میں خیال آرائی بھی کرتے تھے۔

خدا انسان کے دل میں ہے

بعض فلاسفہ روم کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ " ہر انسان میں روح ربانی حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انسان اُس بحرِ بے پایاں کا ایک جزو ہے۔ سسترو کا قول تھا کہ :- "کوئی بڑا شخص ایسا نہیں ہوا، جس میں اس کی عظمت القا نہ ہوئی ہو۔" سنیکا کہتا تھا کہ : " ہم میں سے ہر شخص کے اندر ایک روح مقدس رہتی ہے جو ہمارے اعمال کی حاکم و نگراں ہے۔ خدا سے علٰحدہ ہو کر کوئی شخص نیک نہیں ہو سکتا"[2]

خدا کا اعتراف

پہلے فلاسفہ روم میں وحدتِ وجود کا تخیل پیدا ہوا لیکن بعد میں اُس کی جگہ ایک مشخص خدا نے لے لی اور اُس کا کھلے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا جانے لگا۔ ایپک ٹیٹس (Epictetus) کے یہ مقتبس فقرے پڑھنے کے قابل ہیں :-

"سب سے پہلے جاننے کی چیز یہ ہے کہ ایک رب کا وجود ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور جو نہ صرف ہمارے اعمال سے بلکہ ہمارے اندرونی جذبات و تصورات تک سے خبردار رہتا ہے۔۔۔۔ جو شخص نیکی کی راہ چلنا چاہتا ہے اُسے لازم ہے کہ خود اوصافِ باری کا اتباع کرے۔ جس طرح خدا صادق ہے وہ بھی صداقت اختیار کرے، جس طرح خدا آزاد ہے، وہ بھی آزادی حاصل کرے جس طرح خدا نیک ہے، وہ بھی نیکی کرے اور جس طرح خدا فیاض ہے وہ بھی فیاضی کرے۔"[3]

۔۔۔۔۔ لیکن حکماء کی آزاد خیالی صرف اُن کی زبان وقلم تک محدود تھی، اور عملاً وہ تمام مہمل رسوم کی پابندی کرتے تھے۔

بالآخر یونان کی طرح روم میں بھی عیسوی مذہب کی اشاعت ہوئی اور وہاں کے دیوتاؤں کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ، صفحات ۱۳۳ - ۱۳۴

[2] ایضاً صفحات ۱۶۱ - ۱۶۲ -

[3] صفحات ۲۰۲ - ۲۰۳ -

ٹیوٹانی قوم کا مذہب

ٹیوٹانی قوم کے لوگ ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، انگلستان اور آئس لینڈ میں آباد ہیں۔ ان ممالک کی زبانیں آپس میں گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اور اسی لئے خدا کے لئے جو الفاظ ان ممالک میں مستعمل ہیں وہ تقریباً ایک ہی سے ہیں۔

خدا کے لئے یہ لفظ یعنی گاڈ کسی دوسری آریائی زبان میں نہیں پایا جاتا۔ پہلے اس کے معنی "بت" یا "شبیہ" کے تھے لیکن جب ٹیوٹانی قوم نے عیسائی مذہب قبول کیا تو وہ اس نام سے عیسائی مذہب کے خدا کو موسوم کرنے لگی۔

ایڈا[لہ] (Edda) ٹیوٹانی قوم کی پرانی مذہبی کتاب ہے جس کا قدیم ترین نسخہ سنہ ۱۳۰۰ء کا ہے۔ اس سے ان کے مذہبی عقاید پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

دیوتاؤں کا مسکن

ٹیوٹانی دیومالا کے مطابق کائنات ایک درخت کی صورت میں ہے جسے اگ ڈراسل (Yggdrasil) کہتے ہیں۔ اس کی جڑوں میں موت کا ملک ہے۔ وسطی حصے میں انسانوں کی دنیا ہے اور چوٹی پر بہشت ہے جسے آسگارڈ (Asgard) کہتے ہیں۔ وہاں بارہ دیوتا اور چھبیس دیویاں رہتی ہیں جن کا سردار اوڈن ہے

چار قدیم معبود

اگرچہ ٹیوٹانی قبایل کے الگ الگ دیوتا تھے لیکن اُن میں چار معبود مشترک تھے۔ شاید اُن کی پرستش ہی ٹیوٹانی قبایل کا خاص مذہب تھا۔

معبودِ اعلیٰ : اوڈن

ٹیوٹانی قوم کے دیوی دیوتاؤں میں اوڈن یا ووڈن کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے وہ دیوتاؤں کی مجلس کا سردار ہے۔ پہلے وہ محض ہوا کا دیوتا تھا لیکن چونکہ انسان کی روح کو ہوا ہی سمجھا جاتا تھا اس لئے وہ ملک الموت بن گیا۔

وہ شعروشاعری اور سحر و افسوں کا بھی دیوتا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اُسے ایک بڈھا آدمی ظاہر کیا جاتا ہے۔ اُس کی داڑھی بہت لمبی ہے۔ دو بھیڑیے اُس کے ساتھ چلتے ہیں اور دو کوّے جو اس کے کندھوں پر بیٹھے رہتے ہیں اُسے ہر خبر پہونچاتے رہتے ہیں۔ وہ کھانا نہیں کھاتا جو کھانے اُسے پیش کئے جاتے ہیں وہ اپنے بھیڑیوں کو دے ڈالتا ہے۔ وہ زبردست جنگجو ہے۔ وہ بہادری کو پسند کرتا ہے۔

آسمانی دیوتا : تھار

اوڈن کے بعد دوسرا اہم معبود تھا۔ وہ بادل کی گرج یا بجلی کی کڑک کا دیوتا ہے اُس کے ہاتھ میں ایک ہتھوڑا دکھایا جاتا ہے جسے وہ آسمان سے پھینکتا ہے۔ اُسے ایک طاقتور جوان ظاہر کیا جاتا ہے جس کے چہرے پر سرخ داڑھی ہے۔ طوفان برق و باد کے موقعوں پر وہ ہوا میں ایک رتھ دوڑاتا پھرتا ہے جس میں دو بکریاں جتی ہوتی ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کی پیٹی پہنتا ہے۔ اُسے انسانوں کا محافظ اور معاون مانا جاتا ہے۔ وہ انھیں ارواحِ خبیثہ سے جنگ کرنے میں مدد کرتا ہے۔ دیوؤں سے جنگ کرنا اُس کا خاص کارنامہ ہے۔ ناروے اور آئس لینڈ میں اُسے خاص اہمیت حاصل تھی جہاں اُس کے مندر کثرت سے پائے گئے ہیں۔

لہ بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ لفظ وید (Veda) سے تعلق رکھتا ہے جو ہندوؤں کے قدیم ترین مذہبی صحیفے ہیں۔

جنگ کا دیوتا: ٹیو تلوار اور ڈھال اس کے خاص ہتھیار ہیں لیکن اس کے ایک ہی بازو ہے۔ دوسرا فینرس (Fenris) نامی بھیڑئے کی چالبازی سے ضایع ہوگیا۔

فریجا دیوی فریجا، اوڈن کی بیوی ہے۔ اس کے نام کے معنی "محبوبہ" یا "بیوی" کے ہیں۔ وہ بچوں کی دینے والی اور شادی شدہ عورتوں کی محافظ ہے۔ اوڈن کے وقار کے بڑھنے سے اس کا مرتبہ بھی اونچا ہوگیا اور وہ دیوتاؤں کی ماں بن گئی۔

اوڈن اور فریجا کا خاصی بیٹا بالڈر (Balder) تھا جو دیوتاؤں اور انسانوں میں بے حد مقبول تھا لیکن ایک دیو کی سازش سے ہلاک ہوگیا اور وہ بھی ایک معمولی تنکے کے ذریعہ!

دُنیا کا انجام ٹیوٹانی عقیدے کے مطابق دُنیا میں خیر و شر کی جنگ جاری ہے۔ دیوتا اور دیو نبرد آزمائی کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن جسے (Ragnarok) کہتے ہیں نیکی و بدی کی آخری جنگ میں دیوتا اور دیو باہم کٹ مریں گے اور ساری دُنیا معہ جنّت کے فنا ہوجائے گی۔

ٹیوٹانی قوم نے عیسائی مذہب قبول کرلیا ہے اور اب اُس کے قدیم عقاید کی یاد دلانے کو صرف دنوں کے نام باقی رہ گئے ہیں۔ سن ڈے (سورج کا دن) من ڈے یا مون ڈے (چاند کا دن) اور سیٹر ڈے یا سیٹرن ڈے (زحل کا دن) سیارہ پرستی کا کھلا ثبوت ہیں۔ بقیہ چار دنوں کے نام ٹیوٹانی قوم کے چار معبودوں کے نام پر ہیں۔

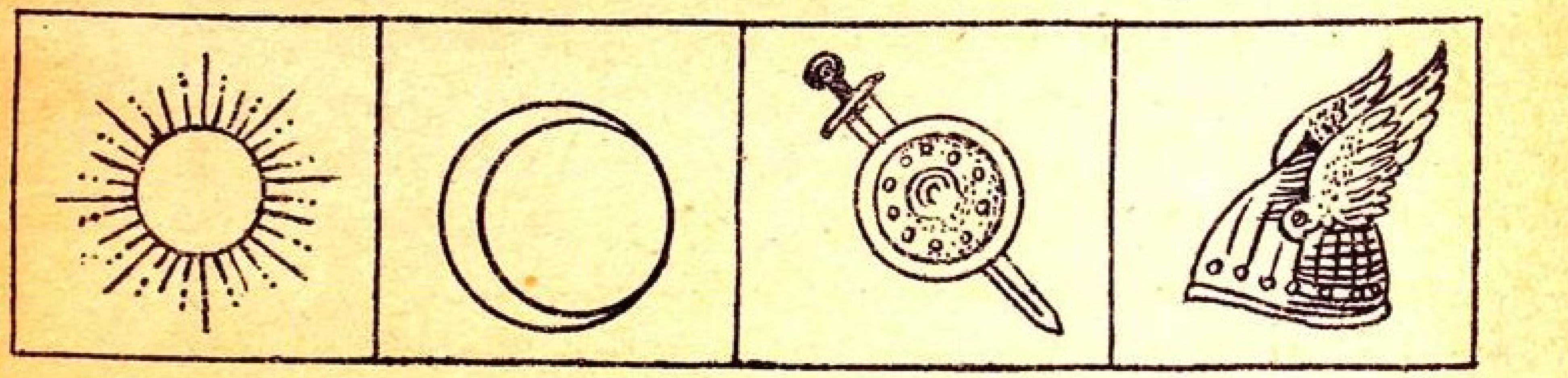

انگریزی نام	سن ڈے	من ڈے	ٹویز ڈے	ویڈنیس ڈے
ہندی مقابل	(آدِت وار)	(سوم وار)	(منگل وار)	(بدھ وار)

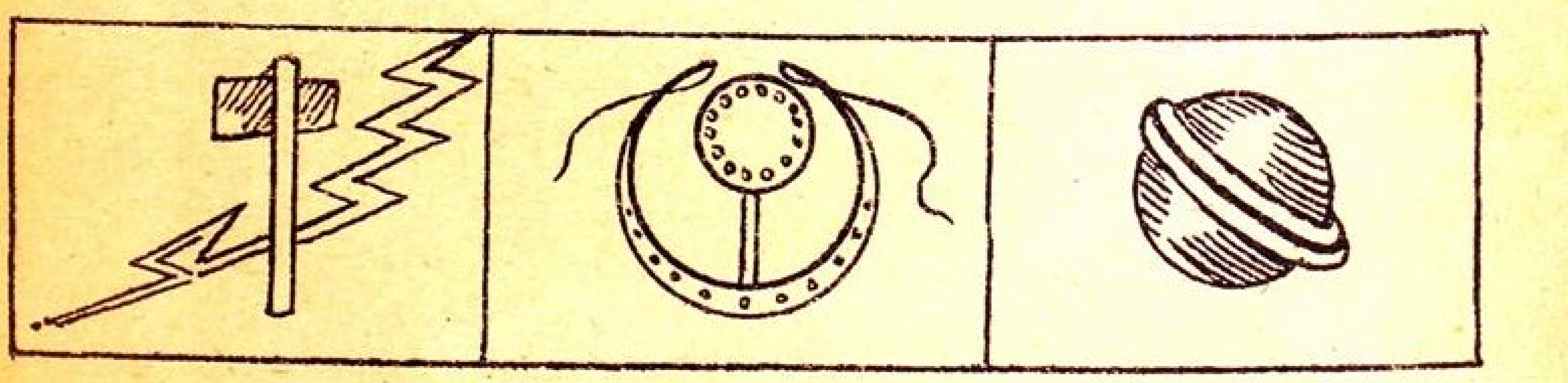

انگریزی نام	تھرس ڈے	فرائی ڈے	سیٹر ڈے
ہندی مقابل	(برہسپت وار)	(شکر وار)	(شنی وار)

کیلٹی مذہب

یورپ کی کیلٹی (Celtic) قوم بھی آریوں کی ایک شاخ ہے۔ کیلٹی زبان بولنے والے برطانیہ اور گال (فرانس) وغیرہ میں آباد ہیں لیکن اب ان کی نسل مخلوط ہوگئی ہے۔ عیسائی مذہب قبول کرنے سے پہلے ان کا جو مذہب تھا اُس کا ذکر یہاں پر مقصود ہے۔ کیلٹی پجاری جو جادوگر اور کاہن بھی ہوا کرتے تھے ڈروئیڈ (Druid) کہلاتے تھے اور اُن کی رعایت سے کیلٹی مذہب کو ڈروئیڈیٹ (Druidism) بھی کہتے ہیں۔ حیوان پرستی اور شجر پرستی اس کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

دیگر آریہ اقوام کے برخلاف کیلٹی قوم میں ٹوٹم پرستی کا کثرت سے رواج تھا۔ بعد میں مقدس جانور دیویوں سے منسوب کر دئے گئے یا خود دیویاں ان جانوروں کی سرپرست مان لی گئیں مثلاً ایپونا (Epona) گھوڑے کی دیوی تھی آرٹیو (Artio) ریچھ دیوی تھی۔ ڈامونا (Damona) بھیڑ یا گائے دیوی تھی۔ اسی طرح موکس (Moccus) سور دیوتا تھا۔

درختوں میں شاہ بلوط (Oak) کی پرستش خصوصیت سے ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں دریاؤں اور چشموں کی روحیں بھی پوجی جاتی تھیں۔ چوراہوں کی بھی دیویاں تھیں اور ہر پیشے کے الگ الگ دیوتا تھے مثلاً (Amaethon) کاشتکاری کا دیوتا تھا اور (Gofannon) دھات کا کام کرنے والوں کا مربی تھا۔

کیلٹی معبودوں میں سب سے اہم "جنگ کا دیوتا" مریخ (Mars) تھا جس کے مختلف قصبوں میں مختلف نام تھے عطارد (Mercury) اور مشتری (Jupiter) کی پرستش کم ہوتی تھی۔ ان دونوں کے مقابلہ میں اپالو (Apollo) کی اہمیت زیادہ تھی جو صحت و شفا کا دیوتا تھا۔ کیلٹی لوگ بقائے روح اور آواگون میں بھی اعتقاد رکھتے رکھتے۔ ڈس (Dis) تحت الارض کا دیوتا تھا۔

دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں جنھیں بید کے جھابوں میں بند کرکے زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جولیس سیزر نے اس کا ذکر کیا ہے اور شہنشاہ کلاؤڈیس (Claudius) نے ڈروئیڈیت پر بعض پابندیاں عاید کر دی تھیں جن میں خاص یہ تھی کہ انسانوں کے بجائے جانوروں کی قربانیاں کی جائیں۔

دراصل کیلٹی قوم فطرت پرست تھی اور اُس کے سیکڑوں معبود تھے جن کا چڑھاوے کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے "خدا" کا پیشرو کہا جاسکے۔

قدیم امریکہ کے مذاہب

۱۴۹۲ء میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اور اسی وقت سے وہاں کی پرانی تہذیب مغربی تہذیب سے متاثر ہونے لگی۔
امریکہ کی مایا (Maya) قوم کی پرانی تہذیب کا مرکز میکسیکو تھا۔ ان کا تمدن یوکاتان سے لیکر سیلویڈر تک پھیلا ہوا تھا ان لوگوں نے علم نجوم اور فلکیات میں زبردست ترقی کی تھی۔ یوکاتان میں آج بھی ان کی بنائی ہوئی رصدگاہ موجود ہے۔ ان کی تقویم جولین کیلنڈر سے بھی زیادہ صحیح تھی جس کے ذریعہ سے وہ (۵۰۰۰،۰۰۰) سال تک کا حساب کر سکتے تھے۔ مذہب سے بھی انھیں بڑا شغف تھا جیساکہ انکے بنائے ہوئے عالیشان مندروں اور بے شمار بتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔
ان میں آفتاب کی پرستش کثرت سے رائج تھی جسے کنی چاہاؤ (Kanichahau) یعنی "آفتاب کا آقا" کہتے تھے اس کا حریف خداوند ظلمت زوتذی لاہا چلمن (Zotzi laha-Chimal man) تھا جسے چمگادڑ دیوتا ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ ایک تاریک غار میں چھپا رہتا تھا۔ چاند کو اتزما (Itzma) کہتے تھے وہ دیوتاؤں اور انسانوں کا باپ مانا جاتا تھا۔ بارش کے دیوتا چک مول (Chac-Mool) کو بھی ان میں بڑی اہمیت حاصل تھی جس کے نام پر فصل بہار میں چیچین اتزہ (Chichen-Itza) کے مقدس کنویں میں حسین کنواریاں بطور قربانی کے ڈال دی جایا کرتی تھیں۔ ہر سال اُن کا انتخاب ہوتا تھا اور اس میں لڑکیاں اُسی ذوق و شوق سے حصہ لیتی تھیں جیسے آج کل "ملکۂ حسن" کے مقابلہ میں۔ کسی لڑکی کا چن لیا جانا اُس کے لئے بڑے فخر کی بات تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان لڑکیوں کو دیوتا اپنی دلھنیں بنالیتا ہے۔
کوکل کان (Kukulcan) یعنی "کلغی دار سانپ" بھی ان کا بڑا معبود تھا۔ مایا قوم کے حکمراں جو بیک وقت بادشاہ بھی تھے اور پروہت بھی اس کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے تھے۔ غالباً یہ آسمان یا بجلی کی کڑک کا دیوتا تھا۔ چیچین اتزہ کا مشہور شہر اسی سے منسوب تھا۔ لیکن یہ مایا قوم کا سب سے بڑا معبود نہ تھا یہ شرف ہوناکو (Hunab Ku) کو حاصل تھا جو غیر مرئی معبود برتر تھا۔ اسے کل دیوتاؤں کا مجموعہ مانا جاتا تھا۔
اسپین والوں کے آنے سے پہلے مایا تہذیب مٹ چکی تھی۔ تالتیق لوگوں نے اُسے برباد کر دیا تھا (یہ لوگ جنوبی میکسیکو میں آباد تھے) مایا قوم کے لوگ آج بھی باقی ہیں۔ اگرچہ انھیں عیسائی بنا لیا گیا ہے لیکن اب بھی وہ چوری چھپے اپنے آبا و اجداد کے بتوں کی پرستش کر لیا کرتے ہیں
ازتیق (Aztec) جب کولمبس، امریکہ پہونچا تو تالتیق اور مایا تہذیبیں مٹ چکی تھیں اور میکسیکو میں ازتیق لوگوں کا دور دورہ تھا اگرچہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے کی تہذیبوں سے بہت سی باتیں سیکھ لی تھیں، تاہم اُن کا تمدن ۱۵۱۹ء میں (جب اسپین کے لوگ وہاں پہونچے) اُس منزل میں تھا جہاں سمیریہ اور مصر ۳۰۰۰ ق۔م تھے یعنی پتھر کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اور دھات کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔
ازتیق قوم کا آخری بادشاہ مانٹی زیوما (Montezuma) تھا جسے ہسپانوی سردار کورٹیز (Cortes) نے اپنا مہمان بلایا اور پھر اُسے گرفتار کر کے میکسیکو پر قابض ہو گیا۔ یہ ۱۵۲۱ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہاں کے لوگ عیسائی بنائے گئے۔
ہسپانوی فتح کے وقت ازتیق لوگوں کا رجحان ایک خدا کی پرستش کی طرف تھا۔ یہ امید ہوا کے دیوتا تیز کتلی پوکا (Tezcatli-poca) سے وابستہ تھی جسے "آئینۂ آتشیں" بھی کہتے تھے۔ اسے ازتیق قوم کا جوپیٹر سمجھنا چاہئے۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ تھا

کہ وہ اپنی صیقل شدہ ڈھال میں انسانوں کے کل اعمال دیکھتا ہے۔ اُسے زندگی اور موت کا مالک بھی سمجھا جاتا تھا۔ جن کا وقت آجاتا اُن کی روح کو قبض کرنے کے لئے وہ تاریک راستوں میں مثل ہوا کے دوڑتا پھرتا۔ اس لئے اُس کے القاب میں "بھوکا سردار"، "دشمن"، "نوجوان جنگجو" اور "رات کی ہوا" ایسے الفاظ شامل تھے۔ اُس کے آرام کرنے کے لئے درختوں کے کنجوں میں پتھر کی کرسیاں بنائی جاتی تھیں۔ اُسے محبوب لدعوات بھی مانا جاتا تھا۔ اس لئے اُس کے بالوں سے ایک سنہرا کان لٹکا ہوا دکھایا جاتا تھا، جس کے گرد متعدد چھوٹی چھوٹی زبانیں دکھائی جاتی تھیں۔

لیکن یہ دیوتا ازتیق قوم کا سب سے بڑا معبود نہ تھا۔ یہ فخر سورج دیوتا توناتیاہ (Tonatiah) کو حاصل تھا جسے زندگی کا منبع مانا جاتا تھا۔ اور سب سے زیادہ انسانی قربانیاں اسی کو پیش کی جاتی تھیں۔ قربانی کا یہ طریقہ تھا کہ پتھر کے چاقو سے انسان کا سینہ چاک کر کے دل نکال کر دیوتا کے قدموں میں ڈال دیتے اور لاش کو اُٹھا کر پھینک دیا جاتا تھا۔ بہت سے جنگجوؤں نے یہ پیشہ بنا رکھا تھا کہ وہ سورج دیوتا کی نہ مٹنے والی اشتہا کی تسکین کے لئے روزانہ قربانیوں کے واسطے دشمن قبایل سے انسانوں کو گرفتار کرتے اور جو سب سے زیادہ قیدی لاتا اُس کی بڑی توقیر ہوتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ کسی بادشاہ کی تخت نشینی یا مندر کی تعمیر کے وقت بھی ہزاروں آدمیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا اور کبھی کبھی انسانی قربانیوں کا یہ سلسلہ کئی کئی دن تک چلا کرتا۔ ایک مقام پر جسے "کھوپڑیوں کا اہرام" (Pyramid of Skulls) کہتے ہیں۔ اسپین کے لوگوں نے ایک لاکھ چھتیس ہزار انسانی کھوپڑیاں گنی تھیں۔

سورج دیوتا کی خوں آشامی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اُس کی تصویر یا بُت کو اس طرح بنایا جاتا تھا کہ اُس کے منہ سے زبان نکلی ہوئی ہے اور وہ اپنے ہاتھوں میں دو تیندوے پکڑے ہوئے ہے یا اُس کے چہرے سے ملا کر تیندوے کے دو سر بھی بنا دئے جاتے تھے۔ بالکل اسی طرح پیرو کے ناسکا (Nasca) لوگ بھی اپنے خاص دیوتا کی شبیہ بناتے تھے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ ازتیق لوگوں اور ناسکا قبیلے میں کچھ تعلق تھا:۔

(۱)

(۲)

سورج دیوتا (۱) ازتیق (۲) ناسکا

تیسرا اہم معبود جنگ کا دیوتا ہوئتزیلوپوکتلی (Huitzilopochtli) تھا جو ایک دیندار بیوہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ روایت ہے کہ ایک دن وہ پہاڑ پر عبادت کر رہی تھی کہ اُس کی گود میں آسمان سے ایک خوبصورت پروں کا گلدستہ آگرا جسے اُس نے سینہ سے لگا لیا اور سوچا کہ وہ اُسے سورج دیوتا کی نذر کرے گی لیکن بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ وہ اس گلدستہ کے اثر سے حاملہ ہو چکی ہے — لیکن پہلے شوہر کی اولاد نے اسے بدفعلی کا نتیجہ سمجھا اور اُسے مارنے کی غرض سے وہ اُس پر ٹوٹ پڑے اتنے میں اُس کے "بچہ" پیدا ہو گیا جو بالکل جوان اور ہتھیار بند تھا اُس نے اپنے ناخلف بھائیوں اور بہن کو مار ڈالا۔ اور اس کے بعد سے وہ جنگ کا دیوتا بن گیا اور اُس کی ماں زمین کی دیوی کوتلنتونا (Coatlantona) بن گئی۔

ازتیق قوم کا سب سے مشہور معبود کوئتزل کوتل (Quetzalcoatl) تھا جس کے نام کے معنی "کلغی دار سانپ" کے ہیں۔ اس کا مقابلہ ہم مایا قوم کے کوکل کان (Kukalcan) سے کر سکتے ہیں۔ وہ انسانی قربانیوں کے بجائے اپنے پرستاروں کا خون چاہتا تھا لہٰذا اُس کے پروہت اپنی زبانوں اور کانوں میں شگاف کر کے خون نکالتے اور پھر دیوتا کے منہ پر ملتے۔ اسے ایک گورا شخص ظاہر کیا جاتا تھا جس کے چہرے پر لہراتی ہوئی داڑھی ہوتی۔ اُن میں یہ روایت مشہور تھی کہ وہ ایک عجیب صورت کے جہاز میں سوار ہو کر آیا تھا اور اُس نے انھیں تہذیب و مدنیت کی تعلیم دی اور بہت سے علوم و فنون سکھائے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کولمبس سے پہلے بعض یورپی لوگ امریکہ پہونچ چکے تھے اور اُنھیں کے سردار کے گرد یہ روایت طیار کی گئی تھی۔ اس روایت کا آخری حصہ یہ تھا کہ کوئتزل کوتل یہ کہہ گیا تھا کہ میں فلاں فلاں وقت واپس آؤں گا۔ اس وقت کا لوگوں کو انتظار تھا اور منجموں نے اس کی صحیح تاریخ بھی متعین کر دی تھی چنانچہ جب کورٹیز ۲۱ اپریل ۱۵۱۹ء کو ازتیق ملک میں پہونچا تو وہاں کے لوگوں کو تعجب نہ ہوا کیونکہ وہ اُس کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ کوئتزل کوتل واپس آگیا ہے۔ اہل اسپین کا دیوتاؤں کی طرح استقبال کیا گیا لیکن ان "دیوتا نما خبیثوں" نے وہاں کے باشندوں سے کیا سلوک کیا، اس کی طرف ہم مضمون کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

انکا (Inca) جنوبی امریکہ میں تہذیب کا خاص مرکز پیرو (Peru) تھا جہاں انکا قوم آباد تھی۔ اس کے افراد اپنے کو "سورج کی اولاد" بتاتے تھے۔ سورج کو پیرو میں کس قدر اہمیت حاصل تھی اسے یوں سمجھئے کہ اُس کے دارالحکومت کزکو (Cuzco) میں سورج دیوتا کا مندر اس قدر مالامال تھا کہ ۱۵۳۵ء میں اسپین کے لوگوں نے جب اُسے لوٹا تو سونے اور جواہرات کی صورت میں جو دولت ہاتھ آئی اُس کا اندازہ ۲۷ ملین ڈالر کیا جاتا ہے۔ سورج دیوتا کو انتی (Inti) کہتے تھے۔ اُس کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر گرہن پر مر جاتا ہے اور اس کے بعد دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ اُسے ایک معبود برتر کے تحت مانا جاتا تھا جسے پاچہ قامق (Pacha-Kamac) یعنی "دنیا کا خالق" کہتے تھے، وہ آسمان پر رہتا تھا۔ پاچہ قامق اور انتی کا مقابلہ عیسائی مذہب کے خدا اور عیسیٰ سے کیا جاتا ہے۔ عیسائیوں کی طرح انکا لوگوں میں بھی حیات بعد ممات اور دوزخ و جنت کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔

انکا حکومت کا خاتمہ تاریخ عالم کا ایک المیہ ہے اُس کے آخری تاجدار اتاہوالپا (Atahualpa) کو ہسپانوی سردار پیزارو (Pizarro) نے ۱۵۳۲ء میں دھوکا دیکر گرفتار کر لیا اور آزادی کی یہ شرط مقرر کی کہ جب فلاں فلاں ہال کو فرش سے چھت تک سونے سے پاٹ دیا جائے گا تو چھوڑ دیں گے لیکن جب رعایا نے یہ شرط پوری کر دی تو اُس کے محبوب حکمراں کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہاں کے لوگوں پر طرح طرح کے مظالم کئے گئے اور اُنھیں عیسائی بنا لیا گیا لیکن آج بھی وہاں کی اکثریت اپنے آبا و اجداد کے معبودوں کی معتقد ہے۔

ہندو مذہب

ہندوؤں کا خیال ہے کہ اُن کے مذہب کا وجود ۳۰۰۰ ق۔م سے پایا جاتا ہے اور وہ دُنیا کا سب سے پُرانا مذہب ہے یہ خیال سراسر بے بنیاد نہیں ہے۔ ہندو مذہب کی تاریخ کو ہم ہندوستان کی تاریخ کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

آریوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کے قدیم باشندے آسٹریلیا اور افریقہ کی سیاہ فام اقوام سے رشتہ رکھتے تھے۔ اب یہ ملک کے مختلف حصّوں میں منتشر حالت میں آباد ہیں اور ان کی آبادی گھٹ رہی ہے۔ غالباً ان میں مناظرِ فطرت کی پرستش اور جادو ٹونے کا رواج تھا۔

ان کے بعد غالباً ۳۰۰۰ ق۔م بحیرۂ روم کی ساحلی اقوام سے رشتہ رکھنے والے دراوڑ لوگ آئے اور شاید انھیں لوگوں نے ہندوستان کے شمالی مغربی حصّہ میں اُس زبردست تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کے آثار سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۴ء کے درمیان ہڑپا (پنجاب) اور موہنجو داڑو (سندھ) میں کھود کر نکالے گئے۔ سر جان مارشل کی تحقیقات کے مطابق یہ تہذیب ۳۲۵۰ اور ۲۷۵۰ ق۔م کے درمیان اپنے شباب پر تھی۔ اس کا نام "وادیِ سندھ کی تہذیب" رکھا گیا ہے۔

وادیِ سندھ کے لوگوں کو جادو ٹونے پر زیادہ اعتقاد تھا، اس کا ثبوت تانبے کے ان تعویذوں اور پتھر کی ان مہروں سے ہوتا ہے جو کافی تعداد میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان کے اوپر کے حصّے میں تصویری خط پایا جاتا ہے جسے ابھی تک پڑھا نہیں جا سکا ہے اور بیچ میں کسی جانور کی تصویر ہوتی ہے۔ حیوانی تصاویر میں بیل، ہرن، ہاتھی، چیتا اور مگر خاص ہیں، ان میں سے بعض کے سامنے کھانے یا بخور جلانے کا برتن ہوتا ہے۔ بیل کی تصویروں والی مہریں سب سے زیادہ ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی بیل کو تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا (ہندو بیل کو شیوجی کی خاص سواری مانتے ہیں) ایک مُہر پر شیوجی کا "پشوپتی روپ" پایا جاتا ہے یعنی ایک مرد کو سینگ کا تاج پہنے مراقبے کی حالت میں دکھایا ہے جسے جنگلی جانور گھیرے ہیں۔ غالباً یہی سینگ بعد میں چاند سے بدل گیا اور اس طرح شیوجی کا لقب "چندر شیکھر" ہو گیا۔ ایک شخص کا مجسمہ ملا ہے جس کے لباس پر چھپا نشان پایا جاتا ہے جو غالباً بیل کے پتّے سے ماخوذ ہے۔ ان پتوں کا استعمال آج بھی شیو پوجا میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لنگ پوجا کے مادی شواہد ملے ہیں۔ بعض مہروں کی نسائی تصاویر "یوگ" کے رواج کو ظاہر کرتی ہیں اور بعض پر ناگا یعنی سانپ دیوتاؤں کی تصویریں پائی جاتی ہیں۔

ایک مُہر پر پیپل کے سات پتوں کا گلدستہ اور ایک پر پیپل کے درخت میں دیوی کو دکھایا ہے جس سے "شجر پرستی" کا پتہ چلتا ہے (پیپل کی آج بھی پرستش ہوتی ہے) شکتی پوجا کا ثبوت ایک دیوی کے مجسمے ہیں جس کے سینہ کو عریاں اور نمایاں کر کے بنایا گیا ہے۔ یہی وہ "مادرِ فطرت" ہے جس کی پرستش ایران، عراق اور کریٹ وغیرہ میں بھی ہوتی تھی۔

اس میں شک نہیں وادیِ سندھ کے لوگوں کے تجارتی تعلقات سوسا (ایران) اور سمیریہ (جنوبی عراق) وغیرہ سے بھی تھے اور ان مقامات کی تہذیب نے سندھ کے تمدن کو کافی متاثر کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اُس میں مقامی رنگ بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد وادیِ سندھ میں پڑ چکی تھی

آریوں کی آمد یورپ کی زبانوں کا ہندوستان، افغانستان، ایران اور آرمینیا کی زبانوں سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لئے انھیں ہند یورپی زبانیں کہتے ہیں ان کا ایک مشہور نام آریائی بھی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والے پہلے کسی ایک مقام پر آباد تھے اور وہاں سے ہجرت کرکے اُن کی ایک شاخ ایران و ہندوستان چلی آئی اور دوسری یورپ چلی گئی۔ ان زبانوں کے بولنے والے شروع میں ایک ہی نسل کے لوگ تھے جو اپنے کو آریہ (بہ معنی "شریف" یا "ممتاز"[1]) کہتے تھے۔ بعد کو دیگر اقوام میں شادی بیاہ کرنے سے اُن کی نسل مخلوط ہوگئی اور اب آریہ کسی خاص نسل کا نہیں بلکہ زبانوں کے ایک خاندان کا نام ہے۔

آریوں کے اصلی وطن کے بارے میں اختلاف ہے۔ بال گنگادھر تلک منطقۂ بارد ظاہر کرتے ہیں........ پروفیسر میکس ملر وسط ایشیا، اور مسٹر بینفی، روس کا مشرقی حصہ۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ تبت یا کشمیر میں آباد تھے جہاں سے وہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے اور یورپ وغیرہ کو بھی گئے۔

اُن کا زمانۂ آمد بھی یقین کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً اُن کا سب سے پہلا جتھا ۲۰۰۰ ق۔م ہندوستان آیا۔ اس کے بعد وہ گروہ در گروہ سیلاب کی مانند اس ملک میں آتے گئے اور یہاں کے دراوڑ باشندوں کو جنوب اور مشرق کی طرف ڈھکیل کر اُن کی زمین پر قابض ہوگئے اور شمالی ہندوستان "آریہ ورت" کے نام سے مشہور ہوگیا۔

رگوید کا زمانہ ہمیں ہندوستانی آریوں کے ابتدائی مذہب کا حال اُن کے سب سے قدیم صحیفے رگوید سے معلوم ہوتا ہے اس میں ۱۰۲۸ بھجن ہیں جو دس کتابوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے آخری کتاب بقیہ کے مقابلہ میں نہایت ہی فلسفیانہ ہے۔ مغربی عالموں کا خیال ہے کہ یہ کل بھجن ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ ق۔م کے درمیان تصنیف کئے گئے تھے۔

معبود کا تخیل سنسکرت زبان میں معبود کو دیو کہتے ہیں جس کے لغوی معنی "منور" کے ہیں اس لفظ کا مادہ دِو ہے بہ معنی "چمکنا"[2] یہی لفظ خدا کے لئے تمام لاطینی اور یونانی زبانوں میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہند آریائی زبانوں میں لفظ دیو محض اسم صفت کے طور پر مستعمل تھا۔ اور ہر منور شے اس نام سے موسوم ہوسکتی تھی، چنانچہ ہندوؤں کے مذہبی ادب میں یہ لفظ آسمان، سورج، چاند، ستاروں، صبح صادق، آگ، ہوا اور پانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بعد میں اسے اسم ذات کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح اس کے معنی "معبود" اور "شریف شخص" کے ہوگئے۔

خاص معبود آریوں میں پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ فطری قوتیں "روح" کی حامل ہیں۔ یہی (Animism) ہے۔ پھر انھیں انسانی شخصیت و شکل سے متصف کرنے کا فعل شروع ہوا اور رفتہ رفتہ بہت سے معبود وجود میں آگئے اور کثرت پرستی (Polytheism) کا رواج ہوگیا۔ لیکن یہ پرستش ہندوستانی آریوں میں محض حمد و ثنا (بھجن) اور قربانیوں (یگیہ) تک محدود تھی۔ رگوید پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی آریوں کے تصور مذہبی میں کس درجہ تجسیم (Anthropomorphism) پائی جاتی تھی۔ ان کے یہاں آسمان (دیوس) کبھی انسانی شخصیت رکھتا ہے، سورج (سوریہ) کی کرنوں کو وہ ہاتھ اور آگ (اگنی) کے شعلوں کو زبان کہتے ہیں اور بارش کا دیوتا (اندر) تو پورے طور پر انسانی شخصیت کا حامل ہے۔

رگوید سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی آریوں نے دیوتاؤں کو تین درجوں میں تقسیم کیا تھا (۱) آسمان کے دیوتا (۲) فضا کے دیوتا اور (۳) زمین کے دیوتا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر طبقہ میں گیارہ گیارہ دیوتا ہیں، گویا کل ۳۳ دیوتا ہیں، لیکن رگوید میں تقریباً بیس

---

[1] ہوسکتا ہے کہ علی، اعلیٰ، عالی، عالیہ وغیرہ عربی الفاظ (بہ معنی بلند و برتر) بھی آریہ کی بدلی ہوئی صورت ہوں، کیونکہ مفرد آوازیں ر اور ل آپس میں بدلتی رہتی ہیں۔

[2] یہی لفظ عربی میں ضو، ضیاء اور ضوء ہے جن کے معنی "روشنی" کے ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے سامی اور آریائی زبانیں آپس میں گہرا رشتہ رکھتی تھیں۔

ہی کی حمد و ثنا کی گئی ہے۔ جن میں سے خاص یہ ہیں :-

(۱) دیوس اور ورن ۔۔۔۔ آسمان کے دیوتا	” اندر ۔۔۔۔۔۔ بارش کا دیوتا	(۳) پرتھوی ۔۔۔۔۔۔ زمین
(۲) سوریہ، متر، سوتر } ۔۔۔ سورج دیوتا	” پرجینا ۔۔۔۔۔۔ بارش	” اگنی ۔۔۔۔۔ آگ
” پشان اور وشنو }	” رودر، مرت ۔۔۔۔۔ طوفان کے دیوتا	” سوم ۔۔۔۔۔ نشہ آور عرق
” اشون ۔۔۔۔۔ توام دیوتا (؟)	” وایو ۔۔۔۔۔۔ ہوا	
” اشا صبح کی شفق	” آپہ ۔۔۔۔۔۔ پانی (بصیغہ جمع)	× ×
۱ = آسمان کے دیوتا	۲ = فضا کے دیوتا	۳ = زمین کے دیوتا

ہندی آریوں کا سب سے بڑا معبود اندر تھا، رگوید کے تقریباً چوتھائی بھجن اُسی کی شان میں ہیں۔ اُس کا خاص کارنامہ ورتر نامی سانپ سے جنگ کرکے امساکِ باراں کو دور کرنا تھا۔ وہ دیوتاؤں کا بادشاہ اور لڑائیوں میں آریوں کا سردار تھا۔ اندر کی طرح متر بھی ایک جنگجو دیوتا تھا۔ اگنی اور برہسپتی کو پروہت بتایا جاتا ہے۔

ان دیوتاؤں میں ہر ایک رتھ پر سوار ہوتا جسے گھوڑے کھینچتے۔ ان کی غذا وہی تھی جو ہندی آریوں کی، یعنی دودھ، مکھن، اناج اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کا گوشت، یہ کھانا انھیں یگیہ کے ذریعہ پیش کیا جاتا۔ (انھیں ہون کنڈ میں ڈال کر اوپر سے پگھلا ہوا مکھن ڈالتے تھے) جسے آگ کا دیوتا بہشت میں لے جاتا۔ دیوتاؤں کا دلپسند مشروب، سوم رس تھا (جو اسی نام کے پودے سے طیار کیا جاتا تھا) جسے پی کر وہ مخمور ہو جاتے۔

ان معبودوں کی مختصر فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں صرف دو دیویاں ہیں یعنی اوشا (شفق صبح کی دیوی) اور پرتھوی (زمین) اور باقی سب دیوتا ہیں، اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ آریوں کا سماجی نظام بطریقی (Patriarchal) تھا اور اس میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل تھی۔

رگوید میں بعض موقعوں پر دو دیوتاؤں کی ایک ساتھ حمد کی گئی ہے ایسے دیوتاؤں کے تقریباً ۲۴ جوڑے پائے جاتے ہیں جیسے متر ورن (یعنی متر اور ورن) غالباً یہ دیو و پرتھوی (آسمان اور زمین) کے نمونے پر بنائے گئے تھے جنھیں زن و شوہر یا ماں باپ کا مثالی جوڑا مانا گیا تھا۔

واحد پرستی کا رجحان بسا اوقات رگوید میں جس دیوتا کی حمد کی جاتی ہے اُس کو اُس وقت کے لئے سب سے بڑا مان لیا جاتا ہے اور دوسروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسے توحید ناقص (Henotheism) کہتے ہیں۔

بالآخر رشی اس نتیجہ پر پہونچے کہ ان تمام دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک ہستی ہونا چاہئے جو ان سب کی حاکم یا خالق ہے۔ آفریدگار دیوتا کو رگوید میں پرجاپتی (مخلوقات کا مالک) وشوکرمن (خالق کل) اور پرش (انسانِ اعلیٰ) وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ چونکہ تخلیق عالم خدا کی ایک صفت ہے لہذا ان خلاق دیوتاؤں کو ہمیں "خدا کے پیشرو" سمجھنا چاہئے۔

پرجاپتی — رگوید میں پرجاپتی کی تعریف یوں کی گئی ہے :-

"پرجاپتی نے کاریگر کی طرح اس عالم کو گھڑا
دیوتاؤں کے ابتدائی زمانہ میں "لاشے" سے "شے" وجود میں آئی"

(منڈل دہم سوکت ۷۲)

پرش — بعض مذاہب میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ خود انسان ایک چھوٹی سی دنیا ہے اس "عالم صغیر" (Microcosm) کے

مقابلہ میں "عالمِ کبیر" (Mocrocosm) یعنی کائنات کو بھی انسانی صورت پر ہونا چاہئے۔ چنانچہ رگوید کے پرش سوکت (دسویں کتاب سوکت ۹۰) میں ایک ایسے مردِ عظیم (مہا پرش) کا تذکرہ ہے جو خدائی صفات رکھتا ہے۔ اُس کے ہزار سر، ہزار آنکھیں اور ہزار پاؤں ہیں (گویا وہ ہمہ جا اور ہمہ داں ہے) دیوتا اُسے قربانگاہ پر چڑھاتے ہیں اور اُس کے اعضائے جسم سے کارخانۂ عالم مرتب کرتے ہیں یعنی اُس کے سر سے آسمان، پیروں سے زمین، ناف سے فضا، سانس سے ہوا، دماغ سے چاند، اور آنکھ سے سورج پیدا کئے گئے۔ پرش کے منھ سے برہمن پیدا ہوئے، اُس کے بازو چھتری (سپاہی) بنے اُس کی رانیں ویش (اہلِ حرفہ) ہوگئیں اور اُسکے پیر شودر (خدمتگار ہوگئے) یہی پرش بعد کی روایات کا برہما ہے۔[1]

اس سے ایک خاص بات ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ۔۔۔۔۔ خالق کو مخلوقات سے جدا نہیں مانا ہے بلکہ خود اس کا عالم و مافیہا میں تبدیل ہو جانا بتایا ہے۔

تخلیق کا گیت

رگوید کی (دسویں کتاب، سوکت ۱۲۹) میں تخلیق عالم سے پہلے کی حالت جس خوبی سے بیان کی گئی ہے اُس کی مثال ادبیات عالم میں ملنا محال ہے، اگرچہ اس میں کوئی واضح تکوینی نظریہ پیش نہیں کیا گیا ہے تاہم "وہ ایک" (تدایکم) سے خالق یا خدا کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

بند - ۱

"اُس وقت عدم تھا اور نہ وجود
نہ عالمِ باد اور نہ آسمان جو اُس سے پرے ہے
کیا چیز سب کو محیط تھی اور وہ سب کچھ کہاں قائم تھا؟
کیا وہ پانی اور عمق بے پایاں تھا ؟

۲

اُس وقت فنا و بقا کا کوئی وجود نہ تھا
اور نہ دن رات کا کوئی فرق تھا
"وہ ایک" اپنے آپ میں بغیر سانس (یا ہوا) کے سانس لے رہا تھا
اور اُس کے سوا کوئی دوسری شے نہ تھی

۳

"ابتدا میں تاریکی پر تاریکی چڑھی ہوئی تھی
سب کچھ (کائنات) غیر تمیز صورت میں پانی ہی پانی تھا
"وہ ایک" جو خلا میں جامۂ عدم پہنے ہوئے تھا
حرارت نے اُس کو اپنی طاقت سے پیدا کیا

۴

"اُس میں ابتداءً خواہش نمودار ہوئی
یہ خواہش عقل یا روح کا ابتدائی تخم تھی
جس کو رشیوں نے اپنے دل و دماغ کی کاوش سے
معلوم کیا۔
کہ وہ (تخم) عدم و وجود میں واسطۂ اتصال ہے"

بند ۵

"وہ شعاع نور جو عالموں میں پھیلی
کیا وہ عالمِ پستی سے نمودار ہوئی یا عالمِ بالا سے؟
پھر بیج بوئے گئے، اور قوتیں پیدا ہوئیں
کارخانۂ قدرت عالمِ پستی میں اور اقتدار و ارادہ
عالمِ بالا میں"

۶

حقیقت کی کس کو خبر ہے؟ یہاں اُس کا اعلان
کون کر سکتا ہے ؟
کائنات (یا عالمِ مخلوقات) کی پیدائش کہاں سے
یا کس سے ہوئی ؟
کیا دیوتا بھی اُس کے ساتھ ظہور میں آئے ؟
(یا دیوتا بھی بعد کی پیدائش ہیں)

---

[1] یہ سوکت قدیم نہیں ہے بلکہ رگوید کے مرتب ہو جانے کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اس میں آگے چلکر یجروید، سام وید اور اتھروید کا حوالہ دیا گیا ہے (جو رگوید کے بعد تصنیف کئے گئے تھے) اور چار ذاتوں کا بھی ذکر ہے۔ اس روایت کے تقابلی مطالعہ کے لئے دیکھئے میرا مضمون "پیدائشِ عالم" مطبوعہ نگار دسمبر ۵۲ء

تو پھر کون جانتا ہے کہ وہ (کائنات) کہاں سے
نمودار ہوئی ؟"

"یہ عالمِ مخلوقات کہاں سے نمودار ہوا !
یا یہ کہ وہ خلق بھی ہوا ہے یا نہیں ؟
وہ جو بالا ترین آسمان سے سب کچھ دیکھتا ہے
اس حقیقت کا علم صرف اُسی کو ہے یا شاید
وہ بھی نہیں جانتا"۔

لیکن توحید کے اس تخیل نے بہت جلد "ہمہ اوست کے عقیدے" (Pantheism) کی صورت اختیار کرلی۔

ہمہ اوست کا عقیدہ ایک خدا کا علم ہوجانے پر بھی اُنھوں نے دوسرے معبودوں کو مخلوق اور آخر یہ نہ مانا بلکہ ایک ہی خدا کے مختلف مظاہر تسلیم کئے :-

"ایک اگنی (آگ) ہے جو بہت سی جگہوں پر روشن ہوتی ہے ایک سوریہ (سورج) ہے جو سب پر چمکتا ہے،
ایک اُشا (شفقِ صبح) ہے جو اس سب کو منور کرتی ہے ۔ وہ جو ایک ہے یہ سب کچھ ہوگیا ہے"۔
(رگوید منڈل ۸ سوکت ۵۸ بند ۲)

اُنھوں نے اپنے ہر معبود یا کل مظاہرِ فطرت کو خدا ہی کی ایک صورت سمجھ لیا ۔ ویدوں کے دوسرے دور میں ان خیالات پر اور جلا ہوگئی اور جو باتیں اب تک مبہم اور غیر واضح تھیں وہ واضح کردی گئیں۔

ویدوں کا دوسرا دور رگوید کے زمانہ میں آریہ لوگ پنجاب میں آباد تھے اور جانبِ جنوب و مشرق اُن کی پیش قدمی جاری تھی لیکن ویدوں کے دوسرے دور میں وہ پورے شمالی ہند میں پھیل گئے۔

سماجی حالت — رگوید کے زمانہ میں ذات پات کی تفریق نہ تھی ۔ اس دور میں چار ذاتیں قایم ہوگئی تھیں ۔ (۱) برہمن جن کا کام مذہبی تعلیم اور پوجا پاٹ کرانا تھا ۔ (۲) چھتری ، جن کا کام حکومت اور جنگ کرنا تھا ۔ (۳) ویش ، جن کا کام زراعت اور حرفت تھا ۔ (۴) شودر، جن کا کام اول تین ذاتوں کی خدمت کرنا تھا ۔ اس طبقہ میں مفتوح اقوام شامل تھیں۔

اسی دور کے آخری حصہ میں چار آشرم وجود میں آئے یعنی انسان کی اوسط عمر ۱۰۰ سال مانکر پہلی تین ذاتوں کے افراد کی زندگی کو پچیس پچیس سال کے چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا جنھیں آشرم کہتے تھے وہ یہ ہیں :-

(۱) **برہمچریہ آشرم** — پچیس سال کی عمر تک ضبطِ نفس کرتے ہوئے گُرو سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا جس میں ویدوں کا حافظہ اور اُن کے معنی سمجھنا خاص تھا ۔ یہ ساری تعلیم زبانی ہوا کرتی تھی۔

(۲) **گرہستھ آشرم** — پچاس سال کی عمر تک خاندان کا نام چلانے کے لئے اہلی زندگی بسر کرنا جس کے دیگر فرایض میں ویدوں کی تلاوت، دیوتاؤں کے لئے قربانیاں، آباواجداد کی نذر و نیاز، مہمان نوازی، خیرات اور پرندوں کو کھلانا شامل تھا۔

(۳) **وان پرستھ آشرم** — پچھتر سال کی عمر تک گھر بار اور بیوی بچّوں کو چھوڑ کر جنگل میں جاکر یوگی کی زندگی بسر کرنا ۔ اسی دور میں آرنیک نامی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔

(۴) **سنیاس آشرم** — بقیہ زندگی بھکشو (فقیر) بن کر بغیر کسی جگہ قیام کئے ہوئے بسر کرنا ۔ اس دور میں بھی مذہبی غور و فکر کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔

تاریخِ عالم میں انسانی زندگی کے واسطے ایسا زبردست لائحہ عمل کہیں نہیں پایا جاتا ۔ قدیم اُپنشدوں کے زمانہ تک چار آشرموں کا نظریہ پیدا ہوچکا تھا اور لوگ اُس پر عمل پیرا بھی ہو رہے تھے ۔ بعد میں اُن کا رواج عام ہوگیا ۔ اس کا فایدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو مابعد الطبیعیاتی مسایل پر غور و فکر کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکا۔ اس پر ذات پات کی تفریق مستزاد تھی جس نے برہمن طبقہ کو فکرِ معاش سے آزاد کرکے ہر قسم کے علمی مسایل پر غور کرنے کا اہل بنا دیا۔

مذہبی حالت — مذہب میں بھی کافی تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ رگوید کے زمانہ کا سیدھا سادہ مذہب رسوم اور قیود میں جکڑ گیا تھا۔ قربانی (یگیہ) کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ لوگوں کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ اگر قربانی ٹھیک سے انجام دی جائے تو دیوتا بھی مطیع ہوسکتے ہیں۔ عوامی مذہب کے برخلاف جس کا اعتقاد عملی طریقے (کرم مارگ) میں تھا بعض لوگ علمی طریقے (گیان مارگ) کے معتقد ہوگئے تھے۔ یہ لوگ ادھیڑ عمر میں گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلے جاتے جہاں مسایل الٰہیہ پر غور و فکر کرتے۔ اسی بن باسی غور و فکر کا نتیجہ آرنیک (بہ معنی "جنگل کی کتابیں") اور اُپنشد وغیرہ ہیں۔

مذہبی کتب — اس دور میں سام وید، یجروید اور اتھروید کے سنگھتا، چار ویدوں کے برہمن، آرنیک اور اُپنشد تصنیف ہوئے۔ تقریباً آٹھویں صدی ق۔م تک وید مکمل ہوچکے تھے۔ ہر وید کا خاص حصہ سنگھتا کہلاتا ہے جو منتروں پر مشتمل ہے۔ ویدوں کی شرح و تفسیر کو برہمن کہتے ہیں۔ ہر وید کے ایک یا دو برہمن ہیں۔ غالباً یہ برہمنوں کی ہدایت کے لئے آٹھویں اور پانچویں صدی ق۔م کے درمیان تصنیف کئے گئے تھے۔ آرنیک برہمنوں کے آخری حصے ہیں اور اُپنشد برہمنوں کے۔ انھیں ویدانت بھی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ "ویدوں کے آخری حصے" یا اُن کا نچوڑ ہیں۔ خاص خاص اُپنشد جو ۱۲ یا ۱۳ ہیں ۶۰۰ ق۔م تک تصنیف کئے گئے تھے۔

اب ہم مذکورۂ بالا کتابوں سے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ اس دور میں خدا کا تخیل کیا تھا۔ تین ویدوں کے آیندہ اقتباسات سے ظاہر ہوگا کہ ہندی آریائی توحید اور وحدیت (عقیدہ ہمہ اوست) دونوں ہی کے قایل تھے۔

یجروید — (۱) "وہ اگنی ہے، وہ آدتیہ ہے، وہ وایو ہے، وہ چندرما ہے، وہ روشنی ہے، وہ آپ ہے، وہ پرجاپتی ہے" (۳۲/۱)

(۲) "کیا میں اُس روح برترین کو جان سکتا ہوں جو سب کچھ ہے اور تاریکی سے پرے ہے، صرف اُسی کو جان کر کوئی موتِ عظیم پر فتح پا سکتا ہے۔ نجات کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے" (۳۱/۱۸)

(۳) "خدا ایک ہے۔ وہ غیر متحرک ہے تاہم دماغ سے زیادہ سریع السیر ہے، حواس اُس تک نہیں پہونچ سکتے اگرچہ وہ اُن میں ہے"

سام وید — (۴) "اے خدا تو ہمارا باپ ہے، ہمارا بھائی ہے، ہمارا دوست ہے" (۱۴ ۱۸)

اتھروید — (۵) "تو مرد ہے، تو عورت ہے، تو کنواری لڑکی ہے، تو بوڑھا آدمی ہے جو لاٹھی لئے لڑکھڑا رہا ہو، تو ہر طرف موجود ہے" (۱۰-۸-۲۷)

(۶) "وہ ایک ہے، تنہا ایک، اُس میں تمام معبود ایک ہوجاتے ہیں" (۱۳/۴)

(۷) "صحیح علم دین کے جاننے والے ۳۳ دیوتاؤں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ایک ہی میں موجود ہیں اور اُس کے ذریعہ سے اپنے صحیح اور فطری فرائض انجام دیتے ہیں" (۱۰-۴-۲۷)

تمام ویدی معبودوں میں وَرُن کا مرتبہ اخلاقی حیثیت سے نہایت ہی بلند ہے۔ اتھروید کے چند بند ملاحظہ ہوں :-

(۸) "وَرُن، آقائے اعلیٰ دیکھتا ہے، گویا وہ نزدیک ہو جب کوئی شخص کھڑا ہوتا یا چلتا ہے، یا چھپتا ہے۔ اگر وہ لیٹ جاتا ہے یا اُٹھتا ہے۔ جب دو آدمی پاس بیٹھ کر کانا پھوسی کرتے ہیں تو بھی شاہ ورن کو اس کا علم ہوتا ہے وہ وہاں مثل ثالث کے موجود ہوتا ہے۔"

"یہ زمین بھی شاہ ورن کی ہے اور یہ آسمان بھی جس کے کنارے بہت بعید ہیں[۱]۔ دونوں سمندر ورن کی کمر ہیں وہ پانی کے اس قطرے میں بھی موجود ہے۔"

"اگر کوئی آسمان سے پرے بھاگ کر جانا چاہے تو بھی وہ شاہ ورن سے نہیں بچ سکتا[۲]۔ اُس کے جاسوس آسمان

---

[۱] اس کا مقابلہ زبور ۲۴ - آیت ۱ سے کیجئے ——— [۲] اس کا مقابلہ زبور ۱۳۹ کی آیات ۷ تا ۱۲ سے کیجئے ...... دونوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ بجائے توارد کے زبور کی آیتیں سرقہ معلوم ہوتی ہیں۔

دنیا کی طرف بڑھتے ہیں اور ہزار آنکھوں سے اس زمین کی نگرانی کرتے ہیں"۔

"شاہ ورن سب کچھ دیکھتا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان، اور اُس کے پرے ہے اُس نے انسانوں کے پلک
جھپکانے تک کا شمار کیا ہے جیسے ایک کھلاڑی پانسہ پھینکتا ہے ویسے ہی وہ سب چیزوں کا فیصلہ کر دیتا ہے"۔ (۴-۱۶-۱-۵)

یہاں پر ورن سے تمام تر خدائی اوصاف منسوب کر دئے گئے ہیں اور دوسرے دیوتاؤں کو غیر موجود مانا گیا ہے یہی "توحید ناقص" ہے
ں کی مثالیں ہندو ادب میں بہت پائی جاتی ہیں۔ اُنھیں آگے نقل کیا جائے جائے گا۔

پنشد کے لفظی معنی "راز کی تعلیم" (رہسیہ) ہیں جسے ہندوؤں کی تین اعلیٰ ذاتوں میں سے صرف وہی حاصل کر سکتے تھے جنھیں گرو
ں کا اہل سمجھتے تھے۔ خاص اُپنشد تقریباً ۱۴ ہیں۔

ان کا موضوع روح (آتمن)، خدا (برہمن[۱]) اور نیچر ہے۔ نیچے ان کا بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے:۔

بعض کے نزدیک روحِ انسان خدا سے مختلف ہے۔ خدا قادرِ مطلق اور عالمِ کل ہے لیکن روح کی طاقت اور علم محدود ہے۔ خدا
طِ کل ہے اور روح جسم تک محدود ہے۔ خدا مسرت کامل ہے لیکن روح بسا اوقات خوش ہوتی ہے اور بسا اوقات غمگین۔ خدا غیرِ
رک ہے اور روح سراپا تگ و دو ہے۔ خدا مقصود ہے اور روح اُس کی متلاشی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اُپنشدوں کے مطابق روح اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔ بقول شری رام کرشن پرم ہنس "روح مقید انسان ہے اور روح
ا د خدا ہے"۔ روح کی قید و بند محض اُس وقت تک ہے جب تک وہ لاعلمی کے طلسم میں گرفتار ہے اور جب انسان نے اپنے نفس کو
ان لیا تو "دوئی" مٹ گئی۔ گویا ہم اُپنشدوں کے فلسفہ کو مختصراً یوں ظاہر کر سکتے ہیں (برہمن = آتمن) برہمن اور آتمن کی وحدت
ہما آتما ایکم) فلسفۂ ویدانت کا اذعانی اصول ہے۔

جس طرح ایک آہو مشک کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو خوشبو اُس کے مشامِ جان کو معطر کر رہی ہے اُسی
ہے، اُس طرح ہم بھی یہ نہیں جانتے کہ جس خدا کی ہمیں تلاش ہے وہ کہیں آسمان پر نہیں بیٹھا ہے بلکہ خود ہمارے اندر ہے اور ہم
ں کے اندر ہیں۔ اُپنشدوں کا خدا داخلی بھی ہے اور خارجی بھی۔ اُپنشد پُر زور الفاظ میں انسان کو یہ جتاتے ہیں کہ "وہ تو ہے"
ت توم اسی) اور "میں برہمن ہوں" (اہم برہم اسمی)

اگرچہ میرا دل کہتا ہے کہ میں آپ سے مختلف ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ آپ کی نسبت سے میرا ایک علٰحدہ وجود ہے
ر اس طرح میں خدا سے بھی جدا ہوں، لیکن ویدانتی کہتا ہے کہ یہی تو ساری پریشانیوں کی جڑ ہے اور جب تک انسان اس کثرت
احساس کو ترک نہ کرے گا آواگون سے نجات نہیں مل سکتی اس لئے:

"دل میں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں کثرت نہیں ہے جو یہاں کثرت پر نظر جماتا ہے وہ موت سے موت تک اندھے پن سے بھٹکتا ہے"

(بر ہید آرنیک ۴ - ۴ - ۱۹)

اُپنشدوں کا نصب العین عابد و معبود کے فرق کو مٹانا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے!۔

"جو (اپنے سوا) دوسرے معبود کی پرستش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ایک ہے اور میں دوسرا ہوں، وہ شخص عقلمند نہیں ہے" (بر ہید ا - ۴ - ۱۰)

جو یہ کہتا ہے کہ "خدا ہے" اُس کے سامنے حجاب ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ (میں) "خدا ہوں" اُس نے یقیناً خدا کو جان لیا ہے۔
ان کو خود اپنی ذات کے بارے میں سوچنا چاہئے "مطالعہ نفس" کے سوا کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں:

---

[۱] اسے برہمن ذات اور برہمن نامی کتابوں سے مختلف سمجھنا چاہئے۔ اس کے معنی ہیں "عظیم ترین" اور یہ لفظ بے جنس ہے۔ اسی کی دوسری
رت برہما ہے جسے اُس برہما (مذکر) سے مختلف سمجھنا چاہئے جو ہندو تثلیث کا پہلا اقنوم ہے۔

" دراصل جس نے اپنے نفس کو دیکھ لیا، سُن لیا، سمجھ لیا اور جان لیا اُس نے سارے عالم کو جان لیا " (بر ہید ۲ - ۴ - ۵)

اس صداقت تک پہونچنا ہی ویدانت کی معراج ہے - یہ وہ روشنی ہے جس کے طلوع ہونے کے بعد رات ہونا محال ہے :-

" اُس کے لئے کیا غم ہو سکتا ہے جس نے اس وحدت کو جان لیا اس کے دل کی قید ٹوٹ گئی اور تمام شبہات زائل ہو گئے " (منڈک ۲ - ۲ - ۸)

پیدائشِ عالم کے بارے میں اُپنشد ایک خاص نظریہ پیش کرتے ہیں - اُپنشدوں کا خالق کسی خارجی مادے سے دُنیا کو نہیں پیدا کرتا بلکہ خود اپنے اندر سے :-

" جس طرح مکڑی جالا بنتی ہے جس طرح کہ پودے زمین سے اُگتے ہیں اُسی طرح یہ سب کچھ جو یہاں ہے اُس غیر فانی سے نکلا ہے " (منڈک ۱ - ۱ - ۷)

دوسری جگہ اسی خیال کو یوں ادا کیا ہے :-

" جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اُڑتی ہیں اسی طرح اس آتمن سے تمام عالمین، دیوتا، ارواحِ حیوانی اور کل زندہ مخلوقات برآمد ہوئی ہیں " (بر ہید ۲ - ۱ - ۲)

اور یا پھر مخلوقات کا خالق سے پیدا ہونا ویسا ہی ہے جیسے سطحِ آب پر بلبلوں کا پیدا ہونا اور پھر اُس میں غائب ہو جانا -

ویدانت فلسفہ " کثرت فی التوحید " (بہت میں ایک) اور " توحید فی الکثرت " (ایک میں بہت) کا قایل ہے - دنیا کی ہر شے خدا میں ہے اور ہر شے میں خدا ہے - اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے ایک فلسفی اُدالک اپنے بیٹے شویت کیتو کو ہدایت کرتا ہے :-

" اے میرے بیٹے شروع میں یہ کائنات اور ہستی واحد ایک تھے - اُس ہستی نے خواہش کی کہ میں کثیر ہوں گا - میں اپنے کو ظاہر کروں گا اس لئے اُس نے تجس (حرارت) کو پیدا کیا " (چھاندوگیہ ۶ - ۲ - ۲ - ۳)

آگے چل کر وہ ہستیِ مطلق پر یوں روشنی ڈالتا ہے :-

" یہ تمام کائنات بالجوہر وہ ہے، وہ صداقت ہے، وہ آتما ہے اور وہ تو ہے ! " (چھاندوگیہ ۶ - ۸ - ۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوتاؤں کی طاقت اور فطرت کا اصل منبع، خدا کی ذات ہے اور بغیر اُس کی مرضی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ :-

" سورج نہیں چمکتا اور نہ چاند ستارے چمکتے ہیں نہ بجلی چمکتی ہے - آگ تو کسی شمار و قطار میں نہیں اُس کے (خدا کے) چمکنے سے سب کچھ چمکتا ہے اُس کے نور سے یہ سب کچھ منور ہوتا ہے " (کٹھ ۵ - ۱۵ منڈک ۲ - ۲ - ۱۰)

اپنشد روح اور مادے کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتے - اُن کے مطابق علتِ اولیٰ روح ہی ہے :-

" یہ سب روح پر مبنی ہے، روح کائنات کی بنیاد ہے، روح برہمن ہے "

ہماری روح ہی اصل حقیقت ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے وہ مایا (فریب نظر) ہے اگرچہ یہ خیال نہایت پُرانا ہے لیکن مایا کا لفظ سب سے پہلے شویتا شوتر اُپنشد (۴ - ۱۰) میں استعمال ہوا ہے - مغربی فلاسفہ میں افلاطون کا کہنا تھا کہ دُنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ محض اُس کا سایہ ہے اور کانٹ کی بھی یہی رائے ہے -

اُپنشدوں کا خدا شخصی (سگن) بھی ہے اور غیر شخصی (نرگن) بھی - پہلی صورت میں وہ یہودی اور عیسائی مذہب کے خدا سے مشابہ ہے - وہ کائنات کا بنانے والا، پالنے والا، مٹانے والا اور اُس کا حکمراں ہے - دنیا والوں کی قسمت اُسی کے قبضے و اختیار میں ہے - وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیتا ہے -

ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ برہمن ہر شے میں سمایا ہوا (انتریامی) ہے اس لئے اُس کا جسم تمام جسموں کا مجموعہ ہے - اُس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے - سب کے ہاتھوں سے وہ کام کرتا ہے - سب کے پیروں سے وہ چلتا ہے - سب کی آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے اور

ب کے کانوں سے وہ سنتا ہے۔

ایک طرف تو آریائی فلاسفہ نے برہمن کی یوں تعریف کی کہ وہ ایسا ہے ایسا ہے اور پھر یہ دیکھ کر کہ اُس کی صحیح تعریف نہیں کی جا سکتی یہ مرا کہ "وہ ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے" (نیتی نیتی) ذیل کا اقتباس اسی انداز میں لکھا گیا ہے۔

"نہ وہ کثیر ہے نہ دقیق نہ وہ خفیف ہے نہ طویل، نہ وہ آگ کی طرح سرخ ہے نہ پانی کی طرح سیال۔ اُس کا سایہ نہیں ہے اُس میں تاریکی نہیں ہے وہ بغیر ہوا، بغیر تعلق کے، بغیر ذائقہ کے، بغیر بُو کے، بغیر آنکھوں کے، بغیر گویائی کے، بغیر دماغ کے، بغیر سانس کے، بغیر دہانہ کے، بغیر ناپ کے اور بغیر ظاہر و باطن کے ہے۔" (بر یہد ۳ - ۳ - ۸)

اس طرح اُنھوں نے برہمن کو تمام صفات سے معرا کر دیا۔ بظاہر یہ خیالات متضاد معلوم ہوں گے کہ ایک طرف تو خدا کو نرگن نراکار بے صفت اور بے صورت) کہا جاتا ہے اور دوسری طرف سگن ساکار (صاحبِ صورت و صفات) لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے جسم اور محدود سمجھتے ہیں اُس وقت تک خدا شخصی ہے اور جب ہم اپنی شخصیت کے حدود سے باہر ہو گئے، تو شخصی خدا اور مادی دُنیا رے لئے غائب ہو جاتی ہے اور صرف غیر شخصی خدا رہ جاتا ہے۔ ہم اور "وہ" ایک ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت دوئی مٹ جاتی ہے اور ست مطلق" کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ان معنوں میں روح (جیو آتما) اور خدا (برہمن) ایک ہیں اور جب تک ہم اپنی خودی کو فنا ں کرتے، دونوں مختلف ہیں۔

لہ تناسخ (آواگون) انسان کے مرنے کے بعد روح کا کیا حشر ہوتا ہے اس کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) جسم کے ساتھ روح بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے۔ (۲) اُسے اپنے اعمال کے مطابق ہمیشہ کے لئے دوزخ یا جنت میں نا پڑے۔ (۳) اُسے اپنے اعمال کے مطابق مختلف قالب بدلنا پڑیں تاوقتیکہ وہ اپنی اصلی حالت پر آ کر خدا سے مل جائے۔

ان میں سے پہلا خیال مادیین کا ہے، دوسرا یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا اور تیسرا خیال ہندوؤں اور بعض دیگر اقوام میں جاتا ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان کی روح غیر فانی ہے اور دراصل آواگون میں کبھی روح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی وہ تو محض ب بدلتی ہے جس کا انحصار اعمال پر ہے۔ اگرچہ روح کو جستجو تو خوب سے خوب تر جسم کی ہوتی ہے تاہم وہ کبھی تو حشرات الارض یا روں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی انسان اور انسانِ کامل کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔[لے] روحوں کے بارے میں ایک جگہ اد ہوتا ہے :-

"اپنے گذشتہ اعمال اور علم کے مطابق بعض حصولِ جسم کے لئے رحم میں داخل ہوتی ہیں اور بعض مقیم اشیا (پودوں وغیرہ) میں"۔
(کٹھ اُپنشد ۵ - ۷)

بعض اُپنشدوں کے مطابق[لے] مرنے کے بعد روحوں کو دو راستوں میں سے ایک سے سفر کرنا ہوتا ہے۔ ایک تو دیوتاؤں کا راستہ (دیوآین) ور دوسرا آبار کا راستہ (پتر اَین) ہے۔ اعلیٰ ترین روحیں پہلے راستے سے سفر کر کے برہم لوک (عالمِ خداوندی) تک پہونچتی ہیں اور دھیان نو ہو کر اپنے کو مکمل کرتی ہیں اور بالآخر خدائے تعالیٰ میں جذب ہو جاتی ہیں۔ نیک روحیں دوسرے راستے سے سفر کر کے چاند تک پہونچتی ور وہاں جا کر اپنی نیکیوں کا سکھ اُٹھاتی ہیں اور وقت پورا ہونے پر پھر زمین پر دوبارہ پیدا ہونے کے لئے آتی ہیں۔

اُپنشدوں سے پہلے آواگون کا ذکر نہیں ملتا (منڈک ۱ - ۲ - ۱، چھاندوگیہ ۵ - ۳ - ۱۰) لیکن یہ خیال غالباً برہمنوں کے زمانہ میں پیدا تھا۔

نانی فلسفیوں میں فیثاغورث اور سقراط آواگون کے قایل تھے۔ موجودہ دور میں شامی النسل شاعر جبران خلیل جبران مسئلہ تناسخ سے کافی متاثر ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو چھاندوگیہ ۴ - ۱۵، ۵ - ۱۰، بر یہد ۶ - ۲۲، کوشتکی ۱ - ۲ - ۳ - گیتا آٹھواں ادھیائے شلوک ۲۴ - ۲۵)

بار بار پیدا ہونے سے نجات اُسی وقت مل سکتی ہے جب انسان کی روح (جیو آتما) خدا (برہمن) میں مل جائے۔ خدا سے ملنے کا نام ہی موکش یا نروان (نجات) ہے اور ازلی روح سے وصال حاصل کرنا ہی ہندو مذہب کا نصب العین ہے۔ اُپنشدوں کی تعلیم پر عمل کرکے ایک شخص کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جیتے جی برہمن سے واصل ہو جائے اور بار بار پیدا ہونے سے نجات حاصل کرے۔

فلسفۂ اعمال (کرم) ہندو مذہب کے مطابق انسانوں میں جو غیر مساوات پائی جاتی ہے وہ خدا کی تلون مزاجی کا نتیجہ نہیں ہے کہ جیسا چاہا قسمت میں لکھ دیا بلکہ یہ ہر شخص کے اعمال (کرم) کا نتیجہ ہے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ ایک شخص اس زندگی میں اعلیٰ یا ادنیٰ ذات میں یا غیر انسانی صورت میں پیدا ہوتا ہے تو یہ اُس کی گزشتہ زندگی کے اعمال کا پھل ہے جیسا کوئی اس زندگی میں کریگا اُسی کے مطابق وہ آئندہ زندگی میں جنم لے گا۔ اس نظرئے کے مطابق جسے ہم مقدر یا قسمت کہتے ہیں وہ ہماری گزشتہ پیدائشوں کے اعمال کا نتیجہ ہے جو ہماری موجودہ حالت کو متعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہندو اپنی بُری حالت یا تکالیف کے لئے خدا کو ذمہ دار نہیں قرار دیتا بلکہ ساری ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے۔

رزمیہ نظموں کا زمانہ (مہادویہ کال) رامائن — ہندوؤں کی دو مشہور رزمیہ نظمیں ہیں رامائن اور مہابھارت، موجودہ رامائن چوبیس ہزار اشعار (اشلوک) پر مشتمل ہے جو سات حصوں میں منقسم ہیں۔ دوسرے حصے سے لیکر چھٹے حصے تک میں رام چندر جی کو ایک بہادر انسان کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مورخین کے مطابق یہ حصے والمیک کے تصنیف کردہ ہیں جن کا زمانہ کم از کم چھٹی صدی ق۔م تھا۔ پہلے اور ساتویں حصے میں رام چندر جی کو خدا (وشنو) کا اوتار مانا ہے۔ انھیں غالباً بعض دوسرے مصنفین نے دوسری صدی ق۔م میں اضافہ کیا تھا۔

ہندوؤں میں اس کتاب کا پڑھنا ثواب میں داخل ہے۔ جو لوگ سنسکرت سے ناواقف ہیں وہ ہندی میں رامائن پڑھتے ہیں جسے گوسائیں تلسی داس جی نے اکبر اعظم کے عہد میں لکھا تھا۔ اس کا پورا نام رام چرتر مانس ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رامائن کا موضوع رام کی زندگی ہے[۱] اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے تین بیویاں تھیں۔ کوشلیا، کیکئی اور سمترا۔ کوشلیا سے رام چندر جی، کیکئی سے بھرت اور سمترا سے لکشمن اور سترگھن پیدا ہوئے۔ رامچندر جی کی شادی ودیھ کے راجہ جنک کی لڑکی سیتا جی سے ہوئی اور چونکہ رام چندر جی سب سے بڑے اور قابل شہزادے تھے اس لئے راجہ دسرتھ نے ان کو اپنا ولی عہد قرار دیا، اس پر اُن کی سوتیلی ماں کیکئی کو حسد پیدا ہوا اور انھوں نے راجہ دسرتھ پر زور دے کر اپنے بیٹے بھرت کو ولی عہد بنوا دیا اور رام چندر جی کو جلا وطن کرا دیا۔ وہ تنہا جانا چاہتے تھے لیکن اُن کی وفادار بیوی سیتا اور بھائی لکشمن ساتھ چلنے پر مصر ہوئے اور ساتھ گئے، بعد ازاں سیتا کو لنکا کا راجہ راون اغوا کرلے گیا۔ رام نے ہنومان جی کی مدد سے ایک بڑی فوج طیار کی۔ ہنومان کے بندروں نے جنوبی ہند سے لنکا تک ایک پل طیار کیا جس پر سے ہو کر رام کی فوج لنکا پہونچی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی، راون مارا گیا اور سیتا کو واپس لے آیا گیا۔ آج بھی اس واقعہ کی یادگار میں دسہرے کا تہوار منایا جاتا ہے، کہتے ہیں راون کو مارنے سے پہلے رام نے دُرگا کی پوجا کی تھی سو اسی نمونے پر بنگالی پہلے تین دن دُرگا کی پوجا کرتے ہیں اور اِدھر کے لوگ چوتھے دن رام لیلا کے تماشے میں راون کی شبیہ بنا کر پھونکتے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک رام اپنی شرافتِ نفس اور فرزندانہ اطاعت کی بنا پر ایک مثالی انسان ہیں اور "رام راج" ایک مثالی حکومت کا نمونہ ہے۔ سیتا جان نثاری اور شوہر پرستی کی بنا پر ایک مثالی عورت ہیں۔ لکشمن برادرانہ وفاداری اور ہنومان اطاعت گزاری کی علامت ہیں، ہر فرقے کے لوگ رام کی عزت کرتے ہیں اور رام سے زیادہ ہندو بچوں کا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا جاتا۔ لوگ رام کا نام لیتے ہوئے مرنا پسند کرتے ہیں۔

۱؎ تاریخ ہند جلد اول از نواب علی قریشی صفحہ ۶۱

خود رامائن اور پرانوں میں رام کو وشنو بھگوان کا ساتواں اوتار تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ جامۂ بشری میں خدا تھے لہٰذا اُن کی خدا کے ور پر پرستش کی جاتی ہے۔ گوسوامی تلسی داس جی فرماتے ہیں:-

"واقعی رام وہ خدا ہے جو سراپا وجود، ہمہ تن عقل اور سرتاپا مسرت ہے جو نامولود ہے جس کا جوہر ہی علم ہے اور جو توانائی کا ایک عظیم مخزن ہے۔ وہ سب میں سمایا ہوا ہے اور وہ اُن اشیا پر بھی مشتمل ہے جن میں وہ سرایت کئے ہوئے ہے وہ ناقابلِ تقسیم اور غیر محدود ہے۔ وہ غیر مشروط اور وسیع ہے وہ گویائی اور دیگر حواسوں کے ذریعہ ناقابلِ رسائی ہے غیر جانبدار، بے عیب، بے داغ، ناقابلِ تسخیر، بے صورت، جہالت سے بری، ابدی اور مایا سے پاک ہے۔ وہ انبساط کا انبار ہے، وہ پراکرتی (قدیم مادے) کی دسترس سے باہر ہے، ہر دل کا مالک اور اُس میں بسنے والا ہے، خواہشات سے آزاد، علایق سے پاک، اور غیر فانی ہے۔"

اس اقتباس میں لفظ رام، خدا کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے اور رام کی تمامتر صفات اوصافِ خداوندی ہیں۔

ہابھارت — ہندوستان کی دوسری مشہور رزمیہ نظم ہے جس کا پڑھنا اور سننا رامائن کی طرح ضروری ہے۔ یہ رامائن سے حجم میں کہیں زیادہ ہے اس میں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ اشلوک ہیں جو ۱۸ حصّوں میں تقسیم ہیں۔ دراصل اس سے طویل رزمیہ دُنیا کی کسی زبان میں نہیں پایا جاتا۔

اگرچہ اس کا مصنف ویاس رشی کو بتایا جاتا ہے لیکن اس کی طوالت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کسی فردِ واحد کی نہیں بلکہ مختلف شخاص کی تصنیف ہے اس کے زمانۂ تصنیف میں اختلاف ہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ گوتم بدھ سے بہت پہلے کی چیز ہے کیونکہ اس میں مہاتما بدھ ر بدھ مذہب کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس میں راجہ دھرت راشٹر کے سو بیٹوں (جو کورو کہلاتے تھے) اور پانڈو کے پانچ بیٹوں یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو (جو پانڈو ہلاتے تھے) کی باہمی جنگ کا ذکر ہے۔ کورو کی حکومت موجودہ دہلی کے قرب وجوار کے علاقہ میں تھی جو ہستناپور کہلاتا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نگ عظیم میں ہندوستان کے تمام راجہ شریک ہوئے تھے اور اس نے ہندِ قدیم کے تمدن کو غارت کر دیا لیکن دراصل یہ بھارت اور پنچال قوموں ے درمیان ایک مقامی جنگ تھی جس کا زمانہ ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ ق-م کے درمیان مانا جاتا ہے۔

کوروں اور پانڈوں کی جنگ کے ساتھ اس رزمیہ میں اور بھی سیکڑوں کہانیاں اور قصّے بیان کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ نظم بہت ویل ہو گئی ہے۔

ھگودگیتا — مہابھارت کی چھٹی کتاب میں وہ مشہور اور فلسفیانہ نظم شامل ہے جسے شری مدبھاگودگیتا (نغمۂ مقدس) یا محض گیتا کہتے ہیں ر اصل یہ ایک وعظ ہے جسے شری کرشن نے میدانِ جنگ میں ارجن کو دیا تھا۔ ارجن ایک انسان مکمل ہے جو باوجود جری ہونے کے اپنے پہلو میں یک نرم دل رکھتا ہے۔ اپنے ہی عزیز و اقارب کا خون بہا کر تخت و تاج حاصل کرنا اُسے اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن شری کرشن جو اس جنگ (مہابھارت) میں ارجن کے رتھ بان کی حیثیت سے شریک ہیں اُسے اپنے فرض کا احساس دلاتے ہیں[1]:-

"ادا کر جو اس دم ترا فرض ہے — ترے ذمہ اے چھتری قرض ہے
پئے حق جدل ہو تو اس کے سوا — سپاہی کو درکار ہے اور کیا"

بتدریج اُن کے اپدیش میں گہراؤ پیدا ہوتا ہے، حتیٰ کہ گیارھویں باب میں (گیتا میں کل ۱۸ باب اور ۷۰۰ اشلوک ہیں) وہ ارجن کو اپنا وشوروپ" دکھاتے ہیں ارجن اُن کے جسم میں ساری کائنات (برہمانڈ) کو گردش کناں دیکھتا ہے اور اُسے کل دیوتا اُنھیں کے اندر نظر آتے یں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جامۂ بشری میں خدا ہیں اور اُنھوں نے کوروں کے مظالم کا سدباب کرنے کے لئے یادو قوم میں اوتار لیا ہے

---

[1] گیتا کے اشلوک کا یہ منظوم ترجمہ نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کی لاجواب کتاب "نغمۂ جاوید" سے منقول ہے۔

"گیتا، خدا کے بارے میں کہتی ہے کہ اس کا نہ کوئی شروع ہے نہ آخر، وہ سب میں بسا ہوا ہے اور سب سے الگ ہے، وہ سب کے دلوں میں ہے پر وہ خیال کی پہونچ سے بھی پرے ہے، نہ آدمی کا دماغ اس کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اُس کی زبان اُسے بیان کر سکتی ہے۔

پیدائش عالم کے بارے میں گیتا نے ایک خاص نظریہ پیش کیا ہے دُنیا بار بار پیدا ہوتی ہے اور بار بار مٹتی ہے۔ اس دُنیا سے پہلے نہ معلوم کتنی دُنیائیں پیدا ہو چکی ہیں اور نہ معلوم کتنی اور پیدا ہوں گی۔

تخلیقِ عالم کو سرشٹی اور اُس کے تحلیل یا خاتمے کو پرلیہ (قیامت) کہتے ہیں۔ اُس عرصہ کو جب تک ایک عالم موجود رہتا ہے کلپ یا برہم دن (خدا کا دن) کہتے ہیں اور وہ زمانہ جب تک عالم معدوم رہتا ہے برہم راتری (خدا کی رات) کہلاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ہزاروں یگ کے برابر ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے:-

"غیر ظاہر سے تمام مظاہر دن کی آمد پر پیدا ہوتے ہیں اور اُس کی رات کے آنے پر اُسی مخفی ہستی میں جذب ہو جاتے ہیں"۔

(آٹھواں ادھیائے شلوک ١٠-١٩)

اِسی خیال کو دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے:-

"ہر ایک کلپ کے خاتمے پر سب چیزیں میری طرف پلٹتی ہیں اور (دوسرے) کلپ کے آنے پر میں اُنھیں پھر نکالتا ہوں"۔

(نواں ادھیائے شلوک ٧)

قدیم اپنشدوں میں یہ خیال نہیں پایا جاتا لیکن بعد کے سانکھیہ فلسفہ میں ان کا پوری طور پر نشو و نما ہوا اس لئے بعض عالموں کے نزدیک گیتا میں کائنات کی تخلیق و تحلیل نیز کائناتی زمانوں کا خیال سانکھیہ فلسفہ ہی سے ماخوذ ہے اور عموماً مادے سے متعلق بھاگوت گیتا کے تمام نظریے سانکھیہ فلسفہ سے متفق ہیں۔

گیتا روح اور مادے کی ابدیت کو تسلیم کرتی ہے لیکن مادہ آزاد نہیں ہے بلکہ روح کا تابع ہے (۳-۴/۱۴) خدا مادے میں تخم رکھتا ہے جس سے تکوین شروع ہوتی ہے، اس لئے وہ تمام مخلوقات کا باپ ہے جبکہ مادے کا مقابلہ ماں کے رحم سے کیا جا سکتا ہے (۳-۴/۱۴) مادہ تغیر پذیر ہے لیکن روح غیر متغیر ہے۔ گیتا کی تعلیم کے مطابق روح کو نہ ایذا پہونچائی جا سکتی ہے نہ اُسے برباد کیا جا سکتا ہے اور نہ اُسے تکلیف اور موت کا احساس ہوتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں محض فانی جسم کو متاثر کرتی ہیں۔

فلسفۂ جبر و اختیار میں گیتا کا رجحان جبر کی طرف ہے۔ کرشن جی فرماتے ہیں:-

"اے ارجن! مالک سب کے دلوں میں رہتا ہے اور انھیں اپنے مایا کے چکر پر نچاتا ہے"۔ (ادھیائے ١٨ شلوک ٦١)

گیتا پرزور الفاظ میں انسان کو ایک خدا کی پرخلوص پرستش (بھگتی) کی ہدایت کرتی ہے اور انسانوں کے سامنے ایک خاص طریقۂ عمل پیش کرتی ہے یعنی نتیجہ کے خیال کو ترک کر کے اپنے فرض کو انجام دینا (نشکام کرم) انسان کا نصب العین ہونا چاہئے۔

آخر میں ہم خود شری کرشن کے بارے میں تحقیقاتِ جدید کا خلاصہ پیش کریں گے جنھوں نے دُنیا کو گیتا ایسی بلند پایہ تصنیف عطا کی۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ کرشن جی ایک غیر برہمن چوپائی اور جنگجو قوم کے سردار تھے۔ اُن کے باپ کا نام وسودیو تھا اُن کا زمانہ گوتم بدھ اور مہاویر سے کچھ پہلے تھا۔ اُنھوں نے ایک خاص مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں توحید پر بڑا زور دیا گیا، اُن کا خدا شخصی تھا جسے وہ بھگوان (قابلِ پرستش) کہتے تھے۔ اس خدا کا تخیل اخلاقی حیثیت سے مثل ورن کے بہت بلند تھا۔ یہ نیا مذہب اور اُس کے ماننے والے بھاگوت کہلاتے تھے۔ بھاگوت گیتا اسی مذہب کی مقدس کتاب تھی جس میں بعد ازاں ویدانت کا فلسفہ (جس کا خدا غیر شخصی ہے) اور سانکھیہ یوگ کے عناصر بھی شامل کر لئے گئے یہی وجہ ہے کہ موجودہ گیتا کی تعلیمات توحید اور وحدتیت (عقیدہ ہمہ اوست) کا ایک حیرت انگیز مرکب نظر آتی ہیں۔

جب میگستھینز، ہندوستان آیا تو بھاگوت مذہب کا خاصہ دور دورہ تھا۔ بعد میں یہ مذہب وشنو پرستی میں جذب ہو گیا اور اُسکے

پیغمبر یعنی کرشن جی کو وشنو نارائن کا اوتار مان لیا گیا اور خود گیتا، مہا بھارت میں شامل کر لی گئی اس طور پر اُس کی اہمیت دن بدن بڑھتی گئی۔
کرشن جی کے بارے میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں اُن میں سے بعض اندر سے متعلق ہیں جن کا رگ وید میں ذکر ہے مثلاً اندر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ورتر نامی سانپ کو مارتا ہے۔ کرشن جی کا کالیا نامی سانپ کے مارنے کا بھاگوت پران میں تذکرہ ہے۔ اسی طرح رگ وید میں برہسپتی کا ول نامی سانپ کو مار کر اُن گایوں کو آزاد کرنے کا تذکرہ ہے جو پہاڑ میں چھپی تھیں اور کرشن جی کا گوبردھن پہاڑ کے نیچے گایوں کی حفاظت کرنے کا ذکر ہے، اسی روایت نے اُنھیں گوند اور گوپال کے ایسے خطاب دلوائے۔

بعض عالموں کے نزدیک جس کرشن کو گیتا کا مصنف بتایا جاتا ہے وہ ایک فلسفی اور پیغمبر ہے اور اُس کرشن سے مختلف ہے جس کے قصے عوام میں مشہور ہیں۔ یہ کرشن گوالنوں (جنھیں گوپیاں کہتے ہیں) کی محبت کا مرکز ہے اور اُن میں سے ایک یعنی رادھا سے اُس کا خاص عشق ہے۔

چھ فلسفے (شٹ درشن) ۲۰۰ ق۔م اور سنہ ۲۰۰ء کے درمیان ہندو فلسفے نے بہت ترقی کی اور رفتہ رفتہ اُس کی چھ شاخیں ہو گئیں۔ انھیں باہمی تعلق کے لحاظ سے دو دو کے تین مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی نیائے اور ویشیشک، سانکھیہ اور یوگ، پورو میمانسا اور ویدانت۔ ان سب کا منشا انسانوں کو نجات اُخروی حاصل کرنے میں مدد دینا ہے لیکن ان کے بانیوں نے کوئی مذہبی جماعت نہیں قایم کی۔

نیائے درشن — اس کا موضوع علم کلام اور منطق ہے۔ یہ صحیح طریقہ استدلال سکھاتا ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کا احتساب کر کے بُرے کاموں سے محفوظ ہو کر نجات حاصل کر سکے۔

ویشیشک درشن — دینیات سے زیادہ اس کا موضوع طبیعیات ہے۔ اس میں روح اور مادے کی تفریق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مادہ غیر فانی، غیر مرئی اور بے صورت ذرات پر مشتمل ہے۔ انھیں کی ترکیب سے کائنات کی تخلیق ہوتی ہے اور برہم دن کے خاتمہ پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اور دُنیا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ فلسفہ جینیوں کے فلسفہ سے مشابہ ہے۔

سانکھیہ درشن — یہ سب سے پُرانا ہے، تقریباً ۸۰۰ اور ۵۵۰ ق۔م کے درمیان وجود میں آیا۔ اس میں خدا کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے۔ کائنات کی تخلیق روح (پرش) اور مادے (پراکرتی یا پردھان) کے باہمی عمل سے ظاہر کی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہماری مصیبتوں کا باعث صرف یہ ہے کہ ہم روح اور مادے میں تمیز نہیں کرتے لیکن ان میں فرق کرنے سے ہمیں غم و محن سے نجات مل سکتی ہے۔ اس فلسفہ کا سب سے بڑا مفسر کپل تھا۔

یوگ درشن — اگرچہ یوگ کی ابتدا وادیِ سندھ کے زمانہ میں ہو چکی تھی لیکن یہ فلسفہ پاتنجلی سے منسوب ہے۔ اس میں خدا کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس تک پہونچنے کا ذریعہ یوگ کو قرار دیا ہے جس کے لئے مختلف طرح کی ریاضتیں کر کے اپنے جسم اور نفس کو قابو میں لایا جاتا ہے جو یوگ کی مشق کرتا ہے وہ یوگی (جوگی) کہلاتا ہے۔ تپسیا یعنی ریاضت و نفس کشی اسی زمرہ میں شامل ہے۔

پورو میمانسا درشن — یہ فلسفہ جیمنی سے منسوب ہے۔ یہ انسان کو راہِ عمل (کرم مارگ) دکھاتا ہے۔ اس میں ویدوں کی مذہبی رسوم پر بحث کی گئی ہے اس کے مطابق آواز دائمی (قدیم) ہے اور چونکہ وید شبدوں (لفظوں) پر مشتمل ہیں اس لئے وہ بھی ازلی و ابدی ہیں بعد میں یہ فلسفہ ویدانت میں ضم ہو گیا۔

ویدانت درشن یا اُتر میمانسا — جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ویدانت کے معنی ہیں "ویدوں کا آخری حصہ" یا اُن کا نچوڑ۔ اس کی بنیاد اُپنشدوں کے فلسفہ پر ہے اور یہ انسان کی راہِ علم (گیان مارگ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی سب سے اہم کتاب بدرائن کا برہم سوتر (یا ویدانت سوتر) ہے جو سنہ عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی تھی یہ اُپنشدوں اور گیتا کے مقابلہ میں نہایت ہی پیچیدہ ہے مختلف عالموں نے اس کی شرح بیان کی ہے جن میں شنکر اچاریہ (آٹھویں صدی عیسوی) کی شرح بہت مشہور ہے۔

یہ فلسفہ ہندوستان کا مقبول ترین فلسفہ ہے، شری رام کرشن پرم ہنس (سنہ ۱۸۳۴ء - سنہ ۱۸۸۶ء)۔ سوامی وِویکانند (سنہ ۱۸۶۲ء - سنہ ۱۹۰۲ء) اُن کے شاگرد اور شری آروبندو گھوش مشہور ویدانتی ہوئے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں سر ایس رادھاکرشنن اس فلسفہ کے زبردست ماہر ہیں۔

منوسمرتی -- ہندو دھرم شاستر یعنی مذہبی قوانین کے مجموعوں میں سب سے مشہور منوسمرتی ہے جو پہلی یا دوسری صدی ق۔م کی تصنیف ہے۔ اس میں ہمارے موضوع سے متعلق ایک خاص چیز ہے یعنی برہم دن اور برہم راتری کی تفصیل (۱ - ۶۹ - ۷۲)، ان میں ہر ایک ہمارے ۴۳۲۰۰...... سالوں کے برابر ہوتا ہے ہندوؤں نے یہ حساب اس طرح لگایا ہے[^۱]۔

انسانوں کے ایک سال کے برابر دیوتاؤں کا ایک دن ہوتا ہے۔ دیوتاؤں کے چار ہزار دنوں یعنی چار ہزار انسانی سالوں کے برابر ست یگ (یا کرتیا یگ) ہوتا ہے اور یگ کے پہلے چار سو برس کی سندھیا (صبح کا دھندلکا) ہوتی ہے اور یگ کے اخیر میں اتنے ہی سال کا سندھیانش (شام کا دھندلکا) ہوتا ہے۔ اسی طرح ترتیا یگ تین ہزار سال۔ دواپر یگ دو ہزار سال، اور کالی یگ (کلجگ) ایک ہزار سال کا ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے شروع اور اخیر میں بالترتیب تین سو، دو سو اور ایک سو سال کی سندھیا اور اتنے ہی سالوں کے سندھیانش ہوتے ہیں۔ ان چار یگوں کے مجموعہ کو جو بارہ ہزار سال ہوتا ہے "چتر یگ" کہتے ہیں۔ ۷۰ چتر یگوں کا ایک مہایگ اور ایک ہزار مہایگوں کا ایک برہم دن یا کلپ ہوتا ہے اور اتنے ہی عرصہ کی ایک رات ہوتی ہے۔

غالباً اس حساب کا آغاز ویدوں کے بعد کے زمانہ میں ہوا۔ اتھروید (۱ - ۲ - ۲۱) میں چار یگوں کا حوالہ ملتا ہے۔ مہابھارت اور پُرانوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔

بُت پرستی کی ابتداء چھٹی صدی ق۔م میں جین اور بدھ مذہب وجود میں آئے۔ ان کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ کریں گے یہاں پر صرف ہندو مذہب پر ان کے اثرات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

ان دونوں مذہب کے بانیوں نے خدا کے بارے میں سکوت اختیار کیا تھا۔ خدا کا کوئی واضح تخیل نہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود انھیں کو خدا مان لیا گیا اور سب سے پہلے گوتم بدھ (بدھ مذہب کے بانی) اور مہابیر سوامی (جین مذہب کے بانی) کے قوی ہیکل بت بنائے گئے۔ غالباً فارسی زبان کا لفظ "بُت" بدھ ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

سب سے پہلے مہاتما گوتم بدھ کا بُت گندھارا کے فنکاروں نے پہلی صدی عیسوی میں طیار کیا۔ کنشک کے زمانہ تک مجسمہ سازی کا فن متھرا تک پہونچ گیا اور ایک صدی میں بنارس، آندھرا اور امراوتی میں بدھ کے بُت بننے لگے۔ بدھ مذہب والوں کی دیکھا دیکھی جین مذہب والے بھی اپنے اکابر کے بُت بنانے لگے اور ہندو بھی اپنے معبودوں کو مرئی صورت میں دیکھنے کی تمنا کرنے لگے اور ان کی مورتیں بھی ہزاروں کی تعداد میں طیار کی جانے لگیں اور ہر طرف بُت پرستی کا دور دورہ ہو گیا پھر انھیں بتوں کی حفاظت کے لئے مندر بنائے جانے لگے۔

دیوتاؤں کی شبیہیں بنانے کے لئے تمام مذہبی کتابیں دیکھی گئیں اور دیوتاؤں کی صفات کو سامنے رکھ کر شبیہ سازی کی گئی مثلاً گیتا میں خدا کو "وشوتو مکھم" یعنی سب طرف منھ والا کہا گیا ہے اسی کے پیشِ نظر برہما کا بُت یوں بنایا گیا کہ انسان کے جسم پر بجائے ایک کے چار سر لگا دئے جو چاروں طرف دیکھ رہے ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی کسی ایسی چار سر والی ہستی کا وجود ہے بلکہ یہ محض نشان ہے خدا کے عالم کل ہونے کا، اسی طرح بعض بتوں کے درجنوں ہاتھ بنائے گئے جس سے مقصود معبود کی قوتِ عمل کی زیادتی کا اظہار تھا۔ اسی طرح دیگر دیوتاؤں کی شبیہیں بنانے کے لئے کافی قیاس آرائی اور شاعری سے کام لیا گیا۔ مثال کے طور پر راون کو لیجئے جس کے دس انسان کے سر بنائے جاتے ہیں اور اُن پر ایک گدھے کا سر بھی لگا دیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی وہ ایسا ہی تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چار ویدوں اور چھ شاستر (فلسفہ) کا عالم تھا لیکن باوجود اس علمیت کے وہ بے وقوف بھی تھا۔ ورنہ وہ رام سے نبرد آزما

[^۱]: اگرچہ کائناتی زمانوں کا سانکھیہ درشن میں بھی ذکر ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس میں بھی ان کی وہی تفصیل پائی جاتی ہے جو منوسمرتی میں درج ہے۔

ہو کر اپنی جان و مال سے ہاتھ نہ دھوتا۔

ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر بُت پرستی نہ ہوتی تو ہندوستان میں سنگتراشی و نقاشی اس قدر ترقی نہ کر سکتے۔ یورپ کو اپنے (Venus of Milo) کے مجسمہ پر ناز ہے لیکن ہندوستان کے قدیم مندروں میں نہ معلوم ایسے کتنے بلکہ اس سے بھی کہیں خوبصورت مجسمے اور شبیہیں موجود ہیں۔

ہندوؤں نے تجسیم بشری کے اصول کو کس قدر برتا ہے اسے یوں سمجھئے کہ علم موسیقی میں ہر راگ کی شکل و صورت اور سن و سال مقرر کئے اور بتوں کو تو بالکل ہی انسانی خواہشات اور ضروریات کا بندہ مان لیا گیا۔ پجاری بتوں کو غسل کراتا ہے، کپڑے پہناتا، زیورات اور پھولوں سے سنگار کرتا، کھانا کھلاتا اور رات کو شال میں لپیٹ کر بستر میں سلاتا ہے۔

اہنسا۔ اگر ایک طرف ہندوؤں نے بدھ اور جین مذہب سے متاثر ہو کر بُت پرستی سیکھی تو دوسری طرف اہنسا کا اعلیٰ اصول سیکھا۔ اہنسا کے لفظی معنی ہیں کسی کو "نہ مارنا" ان مذاہب سے پہلے کثرت سے قربانیاں ہوا کرتی تھیں لیکن ان کے ظہور میں آنے کے بعد سے قربانیوں کا رواج دن بدن گھٹتا گیا یہاں تک کہ لوگ گوشت خوری سے بھی پرہیز کرنے لگے اور لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ بلا ضرورت کسی بھی جاندار کو نہ مارنا چاہیے۔ فلسفہ ویدانت سے بھی اس کو تقویت ہوئی۔ چونکہ ہر شے میں خدا کا ظہور ہے اس لئے وہ قابلِ تعظیم ہے ایک مشہور قصہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جب کسی مقدس ہندو کو ایک انگریز نے سنگین مار کر ہلاک کر دیا تو اُس نے مرتے مرتے کہا " اور تو بھی وہ ہے " (تت توم اَسی) یعنی خدا ہے اس نظرئے کے مطابق مجرم اور زاہد اُسی صداقتِ عظیم کے مظہر ہیں لہذا دونوں ہی نہیں ہیں۔

ہندوؤں کا عمل "جیو اور جینے دو" کے اصول پر ہے۔ ہندو مذہب کے اکابر نے اس چیز کو تسلیم کیا ہے کہ مختلف مذاہب خدا تک پہونچنے کے مختلف راستے ہیں بلکہ بعض نے تو اس کا تجربہ بھی کیا ہے۔ سوامی رام کرشن پرم ہنس پہلے کالی کے بھگت تھے، پھر انھوں نے اسلام قبول کیا، بعد میں وہ عیسائی ہو گئے اور پھر اپنے پُرانے مذہب پر آگئے انھوں نے ہر مذہب کی تہ تک پہونچ کر یہ معلوم کیا کہ ہر مذہب میں ایک ہی خدا کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے ہر مذہب اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ اسی چیز نے اُنھیں اور اُن کے شاگردوں کو خدمت خلق اللہ پر آمادہ کیا جس کا نتیجہ "رام کرشن مشن" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے جس کی شاخیں دُنیا کے ہر حصہ میں بلا امتیاز مذہب و ملت نوع انسانی کی خدمت میں مصروف ہیں۔

جدید ہندو مذہب ۳۰۰ء سے ۶۰۰ء تک کا زمانہ تاریخ ہند میں پُرانوں کا دور کہلاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں ۱۸ پران تصنیف ہوئے یہی وہ زمانہ تھا جب جدید ہندو مذہب کی بنیاد پڑی۔ بدھ اور جین مذہب والوں کو نیچا دکھانے کے لئے برہمنوں نے اپنے مذہب اور سنسکرت زبان کی پر زور تبلیغ کی اور بُت پرستی کو رواج دیا۔ اس دور میں اُپنشدوں کی تعلیمات اور ویدوں کے معبود پس پشت جا پڑے۔ جو معبود ویدی دور میں ثانوی اہمیت کے حامل تھے وہ اول درجہ کے معبود بن گئے اور صفِ اول کے معبود پیچھے چلے گئے مثلاً وشنو کی شان میں رگوید میں صرف پانچ بھجن ہیں اور وہ محض سورج دیوتا ہے لیکن اب وہ خدائے تعالیٰ بن گیا۔ اس طرح رُدر جو محض بجلی و طوفان کا دیوتا تھا اب ہندوؤں کا دوسرا بڑا معبود بن گیا۔ سرسوتی جو پہلے محض اسی نام کے دریا کی دیوی تھی اب علوم و فنون کی سرپرست بن گئی اور اندر جو رگوید کے زمانہ میں سب سے بڑا معبود تھا محض دیوتاؤں کا راجہ ہو کر رہ گیا، اس طرح اپنشدوں کے برہمن (بے جنس خدا) کی جگہ برہما (مذکر دیوتا) نے لے لی وہ اپنے پیشرو کی مسخ صورت ہے۔ ہندوؤں کے خاص خاص معبود کون ہیں نیچے اُن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عقیدۂ تثلیث (تریمورتی) ۔ برہما، وشنو اور شیو (یا مہیش) ہندوؤں کے سب سے بڑے معبود ہیں۔ انھیں وہ ایک ہی خدا کی تین صورتیں مانتے ہیں۔ بحیثیت خالق کے وہ برہما ہے، بہ حیثیت پروردگار (پالنے والے) کے وہ وشنو ہے اور بہ حیثیت قہار یعنی دُنیا کے

لہ نواب علی قریشی، تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۲۲۲ ۔

ماننے والے کے وہ تشبیہ ہے۔ یہ تینوں الگ الگ دیوتا نہیں ہیں بلکہ ایک ہیں اس لئے کبھی کبھی ان کا مجسمہ یوں بنایا جاتا ہے کہ ایک ہی انسان کے جسم پر تین سر لگا دئے جاتے ہیں ایسے بت کو "تریمورتی" کہتے ہیں۔ باایں ہمہ یہ دیوتا برہما کو چھوڑ کر الگ الگ پوجے جاتے ہیں اور ان کے علٰحدہ علٰحدہ بت بھی بنائے جاتے ہیں۔

برہما - ہندو تثلیث کا پہلا اقنوم ہے، خالق دیوتا ہے لیکن وہ کائنات کو ہمیشہ موجود رہنے والے مادے سے پیدا کرتا ہے نہ کہ لاشئے سے۔ اس کے چار سر اور چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں چمچہ، دوسرے میں لوٹا (قربانی کا سامان) تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہوتا ہے اس کی سواری (واہن) ہنس ہے یہ میرو پربت پر معہ اپنی بیوی سرسوتی کے رہتا ہے جو فنونِ لطیفہ کی دیوی ہے اور مور پر سوار ہوتی ہے برہما کو دیوتاؤں کی حکومت کا صدر سمجھنا چاہئے اگرچہ یہ سب سے بڑا معبود ہے لیکن اس کا کوئی مندر نہیں پایا جاتا۔ عوام کے مذہب میں بالکل ہی نظرانداز کردیا گیا ہے اس لئے کہ بہ حیثیت خالق کے وہ اپنا فرض پورا کرچکا ہے اور اب وشنو کی عملداری ہے۔

وشنو - ہندوستان میں وشنو کے ماننے والوں کا بڑا زور ہے۔ وشنو کے ماننے والے وشنو کہلاتے ہیں۔ وشنو ایک ویدی معبود ہے۔ منتروں میں اسے معبود شمس ظاہر کیا گیا ہے اس طرح اس کا تعلق نور و حیات سے رہتا ہے۔ منتروں میں اس کے تین ڈگ (تری وکرما) بھرنے کا ذکر جس سے غالباً سورج کا طلوع، عروج اور غروب مراد ہے۔ اسی نے غالباً پرانوں کے وامن اوتار کے قصہ کو جنم دیا۔ اسی آفتاب پرستی نے بعدازاں خدا پرستی (وشنو بہ معنی "محیط کل" خدا) کی صورت اختیار کرلی۔ بعض عالموں کا یہ خیال ہے کہ وشنو سے ملتا جلتا تخیل ایک دوسرے معبود نارائن کا تھا اس لئے یہ دونوں ایک مان لئے گئے۔

وشنو کے چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں سنکھ، دوسرے میں گدا (گرز) تیسرے میں چکر (چرخ) اور چوتھے میں پدم (کنول) ہوتا ہے، وشنو کی سواری گرُڑ ہے جو انسان اور پرندہ کی مرکب صورت ہے، ان کی بیوی لکشمی حسن اور دولت کی دیوی ہیں جو سمندر منتھن کے وقت برآمد ہوئی تھیں۔ پیدائشِ عالم کی تصویر یوں بنائی جاتی ہے کہ وشنو ایک بہت سے سروں والے سانپ مسمّی اننت پر لیٹے ہیں اور ناف سے ایک کنول اُگا ہے جس پر برہما جی بیٹھے ہوئے ہیں۔

وشنو ایک نہایت ہی رحیم و کریم دیوتا ہیں۔ دُنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے انھوں نے نو اوتار لئے اوتار کے معنی "نزول یا اُترنے" کے ہیں۔ جب دُنیا کی حالت خراب ہوجاتی ہے تو خدا اُس کی درستی کے لئے حیوان یا انسان کی صورت میں زمین پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس نظریئے کی بنا پر بعض دیگر مذاہب ہندو مذہب میں جذب ہوگئے مثلاً بدھ مذہب اور بھاگوت مذہب۔ وشنو کے اوتاروں میں رام اور کرشن کے اوتار سب سے اہم مانے جاتے ہیں۔ کل اوتار ترتیب وار یہ تھے:-

(۱) متسیہ اوتار مچھلی کی صورت میں۔ (۲) کورم اوتار کچھوے کی صورت میں۔ (۳) وراہا اوتار سور کی صورت میں۔ (۴) نرسنگھ اوتار، انسان اور شیر کی مرکب صورت میں (۵) وامن اوتار بونے کی صورت میں (۶)۔ پرشرام کی صورت میں۔ (۷) رام چندر کی صورت میں۔ (۸) کرشن کی صورت میں۔ (۹) بدھ کی صورت میں۔ ابھی دسواں یعنی کالکی اوتار باقی ہے جو ۴۲۵۰۰۰ سال میں ظاہر ہوگا۔ نیچے چوتھے اوتار کی کہانی مختصراً بیان کی جاتی ہے:-

ہرنیہ کشیپ نام کا ایک خود سر راجہ تھا جو کافرِ مطلق بلکہ خدائی کا دعوے دار تھا لیکن اُس کا لڑکا پرہلاد انتہائی دیندار تھا اُس کا خدا میں پورا اعتقاد تھا لہٰذا اُس کے باپ نے اُس کے طور طریق سے ناراض ہوکر اُس کو مروا ڈالنا چاہا اُسے پہاڑ کی چوٹی سے پھینکا گیا لیکن غیرمرئی خدا نے پہونچ کر اُسے روک لیا۔ اُسے زہر دیا گیا لیکن اُسے بھی خدا نے پی لیا اُس کو جلانے کے لئے اُس کی پھوپھی ہلکا (جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اُسے آگ نہیں جلاسکتی) آگ میں لے کر بیٹھی مگر پرہلاد بچ گیا اور ہلکا جل کر خاک ہوگئی (اسی خوشی میں ہولی کا تہوار منایا جاتا ہے)۔[1] اس طرح ہرنیہ کشیپ

---

[1] پرہلاد کے قصّہ کی حضرت ابراہیمؑ اور آتشِ نمرود کے قصّہ سے مشابہت حیرت انگیز ہے۔

جب اپنے ارادوں میں پے در پے ناکام ہوا تو بالآخر اُس نے پرہلاد کو بلوا بھیجا اور پوچھا کہ وہ کیوں اُس کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا اور کس کے کہنے سے یہ شعار اختیار کیا ہے۔ لڑکے نے جواب دیا:۔ "کائنات کے حکمراں نے، تمام اقوام کے مالک نے جو آپ سے عظمت میں کہیں بڑا اور طاقتور ہے، میرے دل و جان کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے اور اُسی نے مجھے یہ طریقہ سکھلایا ہے"۔ یہ جواب سُن کر وہ طیش میں آ گیا اور فوراً میان سے تلوار کھینچ کر بولا: "تو یہ کہنے کی کیسے جرأت کرتا ہے کہ تیرا مالک مجھ سے زیادہ صاحبِ قوت اور طاقتور ہے؟ تیرا آقا کہاں ہے؟ اُسے مجھے دکھلا" لڑکے نے جواب دیا:۔ "وہ ہر جگہ موجود ہے!" راجہ نے سوال کیا کہ "کیا وہ اس تاج میں ہے؟"۔ جواب ملا "ہاں" یہ سن کر اُس نے تاج پر تلوار کا وار کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا پھر پوچھا کہ "کیا وہ اس کھمبے میں ہے؟" پرہلاد نے دل میں خدا کو یاد کرتے ہوئے کہا "ہاں وہ اس کھمبے میں بھی ہے" راجہ نے یہ کہتے ہوئے کہ "اب اپنے خداوند سے کہ کہ وہ تجھے قتل ہونے سے بچالے" زور سے کھمبے پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا، فوراً شاندار کھمبا پھٹ گیا اور وشنو بھگوان نے نرسنگھ کی صورت میں نمودار ہو کر اُس پاپی راجہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور اس طرح اپنے ایک سچے عابد کو شہید ہونے سے بچالیا۔

شیو۔ شیو کے ماننے والے شیو اور یہ مذہب شیو رومت کہلاتا ہے شیوجی کا پیشرو رگوید کا رُدر (لفظی معنی "رونے یا چلانے والا") یعنی قدرت کی تخریبی قوتوں کا دیوتا تھا جس کے مظہر اتم بجلی اور طوفان تھے اگرچہ رگوید میں چند ہی بھجن رُدر کی تعریف میں ہیں تاہم شیوجی کی بعض خصوصیات کا اُن میں ذکر ہے مثلاً اُن کا پہاڑ پر رہنا، لمبی لمبی جٹائیں اور کھال کا باندھنا وغیرہ۔ بعدازاں انھیں مہایوگی اور یوگیوں کا مُربی مان لیا گیا۔ انھیں شیو ("مبارک" "نیک فال") اور مہادیو ("معبود اعظم") کے خطاب دئے گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کے زمانہ میں بھی شیوجی کی پوجا ہوتی تھی جس میں بعدازاں رُدر کے تخیل کی آمیزش ہو گئی۔

ہندو عقیدے کے مطابق شیوجی تباہ کن دیوتا ہیں اُن کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ (تری لوچن) ہے جب وہ اُسے کھول دیتے ہیں تو آگ اس طرح نکلنا شروع ہو جاتی ہے گویا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا ہو اور ہر چیز جل کر خاک ہو جاتی ہے۔ کام دیو (عشق و محبت کا دیوتا) اُن کی نگاہ غضب کا شکار ہو کر اپنے جسم سے محروم ہو گیا۔ اس لئے وہ ان انگ (بلا جسم) کہلاتا ہے اور مُخض اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب مرد اور عورت یکجا ہوتے ہیں۔ بیشتر شیوجی مراقبہ (دھیان) کی حالت میں رہتے ہیں اور گنگا آسمان سے اُتر کر پہلے اُن کے سر پر گرتی ہے اور پھر جب اُس کا زور اُن کی پرپیچ جٹاؤں میں کم ہو جاتا ہے۔ تب زمین پر آتی ہے۔ اُن کی سواری نندی نام کا بیل ہے اور اُن کی بیوی پاربتی ہمالیہ کی دختر ہیں۔ اُن کا مقام کیلاش پربت ہے۔

شیوجی کا تعلق رقص و غنا سے بھی رہتا ہے اُنھیں بعض مجسموں میں ایک نہایت ہی دلکش انداز میں رقص کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ یہ اُن کا نٹ راج روپ ہے اور اس سے نظام کائنات کی باقاعدہ حرکت (Cosmic Rhythm) کی طرف اشارہ ہے۔ شیو اور پاربتی کی پوجا کا ایک اور پہلو بھی ہے یعنی لنگ (مردانہ عضو) اور یونی (زنانہ عضو) کی علامات کی صورت میں پرستش جو ایک نہایت ہی قدیم چیز ہے۔ اس سے دنیا کی تخلیق اور تولیدی قوتوں کی طرف اشارہ ہے۔

شیو کے ایک بیٹے جنگجو کارتیکے ہیں جو دیوتاؤں کی فوج کے سردار ہیں اور دوسرے بیٹے گنیش ہیں جن کا سر ہاتھی کا اور جسم انسان کا بنایا جاتا۔ ان کی سواری ایک چوہا ہے۔ گنیش اور لکشمی ہندوؤں کے نہایت ہی مقبول معبود ہیں جن کے بتوں کی جوڑی ہر تاجر کی دوکان اور مکان پر نظر آتی ہے۔

شیو کی بیوی پاربتی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:۔

(۱) پاربتی اور اُما کی حیثیت سے وہ ایک حسین عورت اور رحمدل ماں ہیں جیسے ماں اپنے بچّہ کو بلانے کے لئے اپنے ہاتھ پھیلاتی ہے ویسے ہی وہ ہر مخلوق کی طرف اپنا دستِ اعانت بڑھاتی ہیں۔

(۲) درگا کی حیثیت سے وہ انتہائی غضبناک ہے، جسے خوش کرنے کے لئے بنگالی اپنا سب سے بڑا تہوار یعنی درگا پوجا مناتے ہیں۔

(۳) کالی کی حیثیت سے وہ وباؤں، زلزلوں، طوفانوں اور سیلابوں کی دیوی ہے اس صورت میں اُسے ہاتھ میں ایک کٹا ہوا سر اور گلے میں کھوپڑیوں کی مالا پہنے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔

شکتی پوجا — بشنو اور شیومت کے ماننے والوں کے بعد سب سے زیادہ شکتی کے بھکت ہیں جو خدا کو بہ حیثیت ماں کے مانتے ہیں اس فرقہ کا بنگال میں سب سے زیادہ زور ہے۔ ہندوؤں کے بعض مشہور و معروف علماء اور درویش شنکر آچاریہ، رام کرشن پرم ہنس، سوامی دویکانند وغیرہ "مادر الٰہی" کے ماننے والے تھے۔

عوام کے مذہب میں شکتی کو شیو کی بیوی مانا جاتا ہے جس کے بہت سے نام ہیں، اُما، پاربتی، درگا اور کالی وغیرہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اگرچہ کالی کی خون آلود تشبیہیں کسی بھی شخص کو پسند نہیں آسکتیں، لیکن کالی کے ایک بھکت کا کہنا ہے کہ فطرت کی پُرجلال اور مہیب قوتوں کو مثل اُس کی خوشگوار صورتوں کے خدا کا ایک جزو کیوں نہ سمجھا جائے؟

شکتی کے ماننے والے فلاسفہ روح کو مذکر اور مادے کو مونث مانتے ہیں جنھیں پُرش اور پراکرتی کہتے ہیں۔ انھیں کے ملنے سے سارے عالم کی تخلیق ہوئی ہے — ہندوؤں کا مشہور بت "اردھا ناری ایشوری" بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "یہ بُت گویا برہما کا ہے... جب وہ تکوینِ عالم کے کام میں مصروف تھا۔ اس کا داہنا حصہ مردانہ اور بایاں زنانہ دکھایا جاتا ہے اور اعضاء جنسی کو دستہ دار صلیب کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں جو زنانہ و مردانہ اعضاء کے اتصال باہمی کی نشانی ہے۔"[1]

برہما، وشنو اور شیو کے بعد ویدی زمانہ کے دیوتا ہیں جنھیں ثانوی حیثیت حاصل ہے اور پھر ان سے بھی کمتر درجے کی فوق البشر ہستیاں ہیں جیسے (۱) اپسرائیں یا جنت کی رقاصائیں جو راہبوں کو سبھاتی ہیں (۲) کنّر، سماوی موسیقار جن کا اوپری حصہ جسم انسان کا اور نیچے کا پرند کا ہوتا ہے۔ (۳) ناگا یعنی سانپ دیوتا۔ (۴) ورکش دیوتا جو درختوں کے محافظ ہیں (۵) یکشنی (عورت) اور یکش (مرد) جو دولت کے دیوتا کبیر کے ماننے والے ہیں (۶) راکشش یا دیو جن میں سب سے مشہور راون ہوا ہے جس کے دس سر تھے۔

مذکورہ بالا دیوی دیوتاؤں کے علاوہ ذاتی، خانگی اور گاؤں کے الگ الگ دیوتا ہیں — خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے کل دیوی دیوتاؤں کی کل تعداد ۳۳ کروڑ ہے۔

ہندو مذہب کے مصلحین ہندوستان میں ساتویں صدی سے بارھویں صدی عیسوی تک کا زمانہ ہندو اصلاحی تحریکوں کا زمانہ کہلاتا ہے، اس زمانہ میں کمارل بھٹ،

---

[1] نیاز فتحپوری، ترغیبات جنسی (مطبوعہ ۱۹۳۷ء) صفحہ ۲۔ ساتھ کی تصویر کی خوبی اُس وقت ظاہر ہو گی جب آپ اس کے نصف حصہ کو عمودی طور پر چھپا کر دیکھیں گے مردانہ عضو ا— اور زنانہ عضو ◯ کے اتصال سے جو صورت بنتی ہے ☥ اُسے اہلِ مصر عنخ یعنی "نشانِ حیات" کہتے تھے۔ چونکہ زندگی کا ظہور ان کے ملنے سے ہوتا ہے لہٰذا یہ علامت بالکل موزوں تھی۔ یہاں پر اس چیز کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ نشان مصر سے ہندوستان آیا یا اس کے برعکس صورت ہے۔

شنکر آچاریہ، رامانج، نمبارک، مادھو آچاریہ اور رامانند ایسے بڑے بڑے مصلحین پیدا ہوئے جنھوں نے بدھ اور جین مذہب کے عالموں سے بحث کر کے ان مذاہب کا استیصال کیا اور ویدک مذہب، نیز وشنو پرستی کو رواج دیا۔ ہندو فلسفہ میں بھی انھوں نے معتدبہ اضافہ کیا۔ اس دور کے تین فلسفے بہت مشہور رہیں :-

(۱) شنکر آچاریہ (۷۸۸ء - ۸۲۰ء) کا ادویت واد (अद्वैतवाद) یعنی "وحدتِ وجود"

(۲) رامانج آچاریہ (۱۰۱۷ء - ۱۱۳۷ء) کا وشششٹا دویت واد (विशिष्टाद्वैतवाद) یعنی "مشروط ثنویت"

(۳) مادھو آچاریہ (۱۱۹۹ء - ۱۲۷۸ء) کا دویت واد (द्वैतवाद) یعنی "ثنویت"

شنکر کے نزدیک دنیا محض دھوکا (مایا) ہے۔ اصل ہستی خدا کی ہے۔ تمام دیوتا ایک ہی ایشور کے مختلف روپ ہیں۔ لہذا اُنکی پرستش جائز ہے۔ وہ خود شیو کی پوجا کرتے تھے اور اُن کے پیرو بھی شیو کے پرستار ہیں۔ شنکر کا یہ قول نقل کرنے کے قابل ہے :-

"اے خدا، میرے تین گناہوں کو معاف کر

میں نے تصور میں تیری تصویر قایم کی، حالانکہ تیری کوئی صورت نہیں۔

میں نے مدح میں تیرا بیان کیا حالانکہ تیری تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔

اور مندر میں جاتے وقت یہ بھول گیا کہ تو ہر جگہ موجود ہے۔"

شنکر آچاریہ کے برخلاف رامانج نے بھگتی پر زور دیا اور دنیا کو اصل اور واقعی بتایا اُن کا خدا سگن ساکار (صاحب صورت و صاحب صفات) ہے۔ وہ وشنو کے ماننے والے تھے۔

مادھو آچاریہ روح اور مادے دونوں کی ابدیت کے قایل تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ انسان نرگن ایشور کا دھیان نہیں کر سکتا۔ مگر سگن وشنو بھگوان کی پوجا کر کے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

نمبارک نے جو رامانج کے ہم عصر تھے مذکورہ فلسفوں کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے ایک درمیانی راستہ نکالا۔ وہ برہمن (خدا) کو کائنات کا روحانی سبب اور مادی سبب بھی مانتے تھے۔ برہمن نرگن اور سگن دونوں ہی ہے، یہ دُنیا دھوکا نہیں ہے بلکہ اصلی اور واقعی ہے ہاں اُسے ان معنوں میں ضرور دھوکا کہا جا سکتا ہے کہ اُس کی ہر چیز میں تغیر کا عمل جاری ہے اور اُس کا برہمن سے الگ وجود نہیں۔ یہ دُنیا برہمن سے مختلف بھی ہے اور خود برہمن بھی ہے۔ اُسی طرح جیسے لہریں۔ بلبلے، جھاگ، پھوار، قطرے، بھاپ اور برف درحقیقت پانی ہی ہیں لیکن پانی سے صورتاً مختلف بھی ہیں۔ ان کے نزدیک انسان محض خدا کی معرفت کے ذریعہ ہی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ نروان حاصل کرنے کے دو ہی ذرایع ہیں اپنی روح کی حقیقت کو پہچاننا اور اپنی زندگی کو خدا کے لئے وقف کر دینا!! نمبارک نے کرشن اور رادھا کی پرستش پر خاص طور سے زور دیا۔ اسی طرح رامانند (چودھویں صدی عیسوی) نے رام کو وشنو کا سب سے بڑا اوتار مانا اور تلسی داس جی بھی اُن سے متاثر ہوئے۔

ہندو مذہب پر اسلام کا اثر

جب سے مسلمان ہندوستان آنا شروع ہوئے اور ہندوؤں نے اُن کے مذہب سے واقفیت حاصل کی اُن میں سے بعض لوگ اس چیز کو محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب بہت کچھ اصلاح کا محتاج ہے اور مسلمانوں کی بہت سی باتیں سیکھی اور اپنائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً :- (۱) مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں۔ (۲) اُن میں بُت پرستی کا رواج نہیں (۳) ذات پات کی تفریق نہیں۔ (۴) شادی بیاہ کے طریقے آسان ہیں اور طلاق کا چلن ہے۔ (۵) لڑکے اور لڑکی کے حقوق میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

اسلامی حکومت کے قایم ہونے کے بعد سے اہلِ ہنود اپنی خرابیوں کو شدت سے محسوس کرنے لگے اور اُن کی اصلاح کی طرف رجوع ہوئے اور ہنوز اُس کا سلسلہ جاری ہے مثلاً : کبیر صاحب نے کہا تھا سے

جات پات مانے نہ کوئے

جو ہر کو بھجے سو ہر کو ہوئے

یعنی ذات پات کی تفریق بیکار ہے جو خدا کی پرستش کرے گا وہ خدا کا ہوگا۔ لیکن ذات پات کی تفریق ہنوز باقی ہے اگرچہ حکومت وقت اس قسم کی لغویات کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اسی طرح ہندو کوڈ بل کے پاس ہو جانے سے شادی بیاہ میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اور عورتوں کے حقوق پہلے سے بڑھ گئے ہیں۔ رہا مذہب کا سوال سو اگر ہم ہندو مذہب اور اسلام کو دو دریا فرض کریں تو کبیر، دادو اور گرو نانک کے چلائے ہوئے مذہبوں کو ان دریاؤں کا سنگم کہا جائے گا۔

کبیر پنتھ ۔ کبیر سنہ ۱۳۹۸ء کے قریب بنارس میں پیدا ہوئے وہ برہمن زادہ تھے لیکن پرورش ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں ہوئی تھی اسی لئے انھوں نے پارچہ بافی کا پیشہ اختیار کیا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے تعلیم کی طرف پوری توجہ کی ہندو مذہب، اسلام نیز تصوف کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا۔ وہ رامانند کے شاگرد تھے۔ ان مذہبوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پہ پہونچے کہ ان کے ماننے والے ظاہر داری میں پڑے ہیں، مذہب کی اصلی روح تک کوئی نہیں پہونچا۔ انھوں نے لوگوں تک اپنے خیالات دوہوں کی شکل میں پہونچائے۔ کبیر کے دوہے ہندی ادب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنھیں اُن کے ماننے والوں نے (اور کبیر کے ماننے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہی تھے) اُن کے مرنے کے بعد کتابی صورت میں جمع کیا جسے بیجک کہتے ہیں، کبیر کے ماننے والے کبیر پنتھی یعنی کبیر کے مسلک کے ماننے والے کہلاتے ہیں۔ نیچے کبیر کے بعض دوہوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے[۱]:-

"ہندو کہتے ہیں ہمارے پیارے کا نام رام ہے، مسلمان کہتے ہیں ہمارے پیتم کا نام رحمان ہے۔ دونوں آپس میں لڑ لڑ کر مرے جاتے ہیں اُس کی اصلیت سے دونوں ناواقف ہیں۔"

"اے بھائی! اس دنیا کے دو مالک، دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں، کہو تمھیں کس نے بہکا دیا؟ - اللہ اور رام، کریم اور کیشو، ہری اور حضرت یہ سب حرف الگ الگ نام رکھ لئے گئے ہیں۔"

"اگر خدا مسجد ہی میں رہتا ہے تو باقی ملک کس کا ہے؟ ہندو سمجھتے ہیں رام تیرتھ اور مورت میں رہتا ہے۔ پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی رام نہیں ملا۔ جو سمجھتے ہیں ایشور پورب میں ہے یا اللہ پچھم میں ہے وہ دونوں دھوکے میں ہیں۔ اسے ڈھونڈھنا ہے تو اپنے دل کے اندر ڈھونڈھو۔ وہ وہیں ملے گا۔ وہی کریم ہے اور وہی رام ہے۔"

دادو پنتھ ۔ سولھویں صدی کے دوسرے مشہور صوفی واعظ جو کبیر سے کافی متاثر ہوئے، دادو دیال جی تھے (اگرچہ کبیر کا انتقال دادو کے پیدا ہونے سے ۶۷ سال پہلے ہو چکا تھا) بعض محقق اُنھیں احمد آباد کا روئی صاف کرنے والا بتاتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ ذات کے موچی تھے لیکن زیادہ صحیح یہ مانا جاتا ہے کہ وہ سرسوت برہمن تھے، اُن کا اصلی نام مہابلی تھا لیکن رحمدل ہونے کی وجہ سے وہ دیالو کہلانے لگے اور چونکہ یہ سب کو دادا، دادا کہکر خطاب کرتے تھے اس لئے بعض لوگ انھیں دادو کہنے لگے اور اُن کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ ان کا چلایا ہوا مذہب دادو پنتھ کہلاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ شہنشاہ اکبر نے انھیں چالیس دن کے واسطے مذہبی بحث و مباحثہ کے لئے بلوا بھیجا تھا[۲]۔ گرو ارجن کے سکھوں کی مذہبی

---

۱ یہ ترجمے پنڈت سندر لال جی کی اہم کتاب "گیتا اور قرآن" سے منقول ہیں۔

۲ شہنشاہ اکبر مذہب کے معاملہ میں نہایت وسیع النظر تھا۔ اُس نے مختلف مذاہب کے اختلافات کو مٹا کر ایک بین الاقوامی مذہب چلانے کی کوشش کی جس کا نام دین الٰہی رکھا تھا۔ اُس نے ہر مذہب کے لوگ - مسلمان، ہندو، پارسی، عیسائی - بلوائے جن کی مذہبی بحثوں کو فتح پور سیکری کے لال محل کے اُس حصے میں جس کا نام عبادت خانہ تھا وہ رات گئے تک سنا کرتا تھا۔ اُن کے خیالات سے واقفیت حاصل کر کے ہر مذہب کی خوبیاں لے کر اُس نے جس مذہب کو چلانا چاہا وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جتنا آزاد خیال اور وسیع النظر وہ تھا دوسرے لوگ نہ تھے۔

کتاب مرتب کرنے سے چند سال پہلے دادو نے اپنے شاگردوں سے یہ فرمایش کی تھی کہ وہ ہندو مذہب، اسلام اور تصوف کی کتابوں سے ایسے گیت اور بھجن جمع کریں جن سے خدا کی تلاش میں ایک صداقت کے جویا کو مدد مل سکے۔ شاید یہ دنیا میں اپنی قسم کی پہلی کوشش تھی۔

نیچے دادو کے اشعار سے جو شبد اور بانی کہلاتے ہیں بعض کے ترجمے پیش کئے جاتے ہیں[1] جن سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص کتنا وسیع النظر تھا اور اُس کے نزدیک ہندو اور مسلمان کا فرق کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

"میرے دل سے یہ دھوکا جاتا رہا کہ اللہ اور رام دو ہیں۔ ہندو اور مسلمان میں مجھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ اے ایشور! میں سب کے اندر تیرا ہی درشن کرتا ہوں۔۔۔۔۔"

"ہندو کہتے ہیں ہمارا راستہ ٹھیک ہے۔ مسلمان کہتے ہیں ہمارا راستہ ٹھیک ہے ان سے پوچھو کہ بتاؤ کہ اللہ کا راستہ کون سا ہے؟ یہ دونوں اصلی راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو یہ دوئی، یہ الگ الگ راستے پسند ہیں پر یہ دوئی جھوٹی ہے۔ اس مالک کو سچ ہی پیارا ہے۔"

سکھ مذہب۔ اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً تیس لاکھ (۳۰۰۰۰۰۰) ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے ۹۵ فیصدی سکھ پنجاب میں آباد تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد اُن میں سے بیشتر ہندوستان چلے آئے یا دیگر ممالک کو چلے گئے۔

دُنیا کے زندہ مذاہب میں سکھ مذہب بالکل ہی نیا ہے اس کے بانی گرو نانک ۱۴۶۹ء میں لاہور سے تیس میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے قصبہ میں پیدا ہوئے جسے اب ننکانہ کہتے ہیں لیکن قدیم نام "تلونڈی" ہے۔ ۱۵۳۹ء میں اُن کی وفات ہوئی، انھوں نے جس مذہب کی تبلیغ کی اُس کا منشا ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانا تھا۔ دونوں ہی اُن کے ماننے والے تھے اور یہ اتفاق و اتحاد عرصہ تک قایم رہا حتیٰ کہ امرتسر کے شہرۂ آفاق سنہری مندر کی بنیاد گرو ارجن نے ایک مسلمان صوفی سائیں میاں میر سے رکھوائی تھی۔

سکھوں اور مسلمانوں کی باہمی دشمنی اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب سے اس مذہب کے ماننے والے ہندوؤں نے سیاسی قوت حاصل کی اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگے جس کے نتیجہ میں اُن کی مغل بادشاہوں سے جنگیں ہوئیں اور ان دو قوموں کے درمیان مغائرت اور دشمنی کی دیوار کھڑی ہوگئی۔

اگرچہ سکھ معاشرت کے لحاظ سے ہندو ہیں لیکن خیالات کے لحاظ سے مسلمان ہیں، وہ خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ بتوں کو نہیں پوجتے اُن کے مندروں میں جو گوردوارے کہلاتے ہیں، بُت نہیں ہوتے بلکہ اُن کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" ہوتی ہے جسے ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اور رحل پر رکھ کر پڑھتے ہیں، یہ سکھوں کا قرآن ہے جس کے بعض حصوں کے پڑھنے کے خاص اوقات ہیں مثلاً جپ جی صاحب کو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھتے ہیں اور "روراس" کو غروب آفتاب سے قبل اسی طرح "آسا کی بار" کی جپ جی صاحب کے بعد تلاوت کی جاتی ہے۔ ان سب میں خدا کی حمد و ثنا ہے اور یہی سکھوں کی عبادت ہے۔

گرنتھ صاحب یا آدی گرنتھ (قدیم یا پہلی کتاب) کو سکھوں کے پانچویں گرو ارجن نے ۱۶۰۴ء میں مرتب کیا تھا۔ یہ گرو نانک، اُن کے بعد کے گروؤں، نیز رامانند، کبیر، میرابائی اور بعض مسلمان شعرا کی حمدوں اور بھجنوں پر مشتمل ہے۔ سکھوں کی دوسری مقدس کتاب دسم گرنتھ (دسویں کتاب) یا دسویں بادشاہی ہے جسے دسویں گرو یعنی گوبند سنگھ نے مرتب کیا تھا اس میں خود اُن کی زندگی کے حالات اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے اقتباسات ہیں۔

نانک کے اصولِ مذہب کو ہم مختصراً ایک جملے میں بیان کر سکتے ہیں "خدا ایک ہے اور سب انسان بھائی بھائی ہیں"۔ مسلمانوں کا خدا، ہندوؤں کے خدا سے جدا نہیں ہے اور نہ ہر مذہب کے الگ الگ خدا ہیں، خدا ایک ہے جو رام کی طرح صورت نہیں رکھتا اور نہ وہ صاحبِ صفات

---

[1] یہ شگفتہ ترجمے پنڈت سندر لال صاحب کی لاجواب کتاب "گیتا اور قرآن" سے منقول ہیں۔

ہے جیساکہ مسلمان بیان کرتے ہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ناقابلِ تقسیم۔ ناقابلِ فہم۔ ہستِ مطلق، قیدِ زماں سے آزاد اور ہر شئے میں سمایا ہوا اگرچہ اُس کی تعریف نہ ممکن ہے تاہم نام سے موسوم کرنا ضروری ہے۔

گرو نانک نے ذات پات کی تفریق کو باطل قرار دیا اور یہ بتایا کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا کے سامنے برابر ہیں۔ نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا، نہ گورا ہے نہ کالا نہ مقبول ہے نہ مردود اُس کے حضور میں سب یکساں ہیں۔

دراصل نانک کا مذہب ہندو اور بدھ مذاہب نیز اسلام کا آمیزہ ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی طرح ایک خدا میں اعتقاد تھا۔ بدھ مذہب والوں کی طرح وہ نروان (نجات) میں یقین رکھتے تھے، مثل صوفیہ کے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر روح نورِ الٰہی کی ایک غیر فانی شعاع ہے اور ہندوؤں کی طرح وہ سوہم (میں وہ ہوں) کے قایل تھے۔ اُنھوں نے توحید پر بڑا زور دیا۔ آدی گرنتھ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"تو ایک کا نام جپتا ہے، تو ایک کو اپنے دھیان میں رکھتا ہے، تو ایک کو مانتا ہے
وہ ایک آنکھ میں ہے، لفظ میں اور منھ میں، تو ایک کو دونوں جہاں میں مانتا ہے
سوتے میں ایک، جاگتے میں ایک، تو ایک میں غرق ہے ———"

آدی گرنتھ میں جابجا عقیدہ ہمہ اوست کی جھلکیاں ملتی ہیں:۔ "تو میں ہوں، میں تو ہوں، پھر دونوں میں کیا فرق ہے"۔ "سب میں ایک رہتا ہے، ایک سمایا ہوا ہے"۔ "ساری دُنیا آقائے صادق میں سمائی ہوئی ہے"۔

ثنویت کے خیال کی گرو نانک نے تردید کی، اُن کی (نیز صوفیوں کی) رائے میں ایک ہی خدا صورتوں کی کثرت کا باعث ہے۔ یہ دنیا خدا ہی کا ظہور ہے۔

آدی گرنتھ کے بعض دوسرے اقتباسات جن سے گرو نانک کا خدا کے بارے میں نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے یہ ہیں:۔

"ہم نرنکاری ہیں (یعنی بے شکل خدا کے پجاری) اور نرنکار نے ہمارے تمام بندھن کاٹ دئے ہیں۔ ہر قسم کی قیود وہمی اور باطل خیالات سے آزاد ہیں۔ ہمارا ٹھاکر وہی نرنکار ہے یعنی اُس کی کوئی شکل و صورت نہیں جو لوگ ساکار بتاتے ہیں ہم اُن کو راہ راست پر نہیں جانتے۔"

"نہ ہم ہندو ہیں نہ مسلمان، ان دونوں کو غیریت کے شیطان نے بہکا رکھا ہے اس لئے نہ ہندو کو راستہ ملتا ہے نہ مسلمان کو۔ یہ دونوں رام اور رحیم کو دو سمجھ کر لڑتے ہیں۔ ان میں کسی کو ایک خدا پر ایمان نہیں ہے۔"

جپ جی صاحب میں روحانی ارتقا کی پانچ منزلیں بتائی گئی ہیں یعنی دھرم کھنڈ (عالمِ فرایض)، گیان کھنڈ (عالمِ بصیرت) شرم کھنڈ (عالمِ استغراق)۔ کرم کھنڈ (عالمِ قوتِ روحانی)۔ اور سچ کھنڈ (عالمِ صداقت) یا عرفان، اس منزل تک پہونچ کر انسان خدا سے مل جاتا ہے

برہمو سماج — اس فرقہ کے بانی راجہ رام موہن رائے ۱۷۷۴ء میں بمقام بردوان ایک معزز برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ سال کی عمر ہی میں اُنھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ہندو مذہب کلیۃً اصلاح کا محتاج ہے اُپنشدوں کے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ خدا ایک ہے جو شکل و صورت سے معرا ہے اور وہی پرستش کے لایق ہے، یہ محسوس کرنے کے بعد انھوں نے بت پرستی کی مخالفت شروع کی۔ انھوں نے ہر مذہب کی کتابیں پڑھیں جس کے لئے عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی، اُردو، یونانی اور عبرانی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنی پہلی کتاب توحید پر فارسی زبان میں لکھی اور اُس کا دیباچہ عربی زبان میں تحریر کیا۔ ۱۸۲۸ء میں اُنھوں نے کلکتہ میں برہمو سبھا کی بنیاد ڈالی اور اُسکے پہلے میر مجلس ہوئے ۱۸۳۳ء میں اُن کا برسٹل (انگلستان) میں انتقال ہوگیا اور برہمو سبھا کے دوسرے صدر بابو دیبندر ناتھ ٹیگور (۱۸۱۷ء۔ ۱۹۰۵ء۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے والد) ہوئے اور تیسرے کیشب چندر سین (۱۸۳۸ء تا ۱۸۸۴ء)۔ اس کے بعد کی برہمو سبھا کی تاریخ چنداں اہم نہیں اور دراصل خود رام موہن رائے کے بعد ہی اُن کے جانشینوں نے اس مذہب کے اصولوں میں بہت کچھ ردو بدل کر دیا تھا۔ نیچے برہمو مت والوں کے عقاید نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) اصلی اور ابدی ایک خدائے برتر ہے اُس کی شان میں جو کچھ کہئے تھوڑا ہے وہ ازبسکہ نیک اور رحیم ہے۔
(۲) وہ مبارک خدا سراسر روح ہے۔ اس معقول باعث سے اُس کی کوئی شکل اور شبیہ نہیں۔
(۳) صرف اُسی کی پرستش اور اطاعت سے اس دُنیا اور آنے والے جہاں کی خوش وقتی حاصل ہوتی ہے۔
(۴) بندگی اور ستایش اُس کی پرستش ہے اور نیکی اور بھلائی کرنا اُس کی عبادت اور اطاعت ہے۔
(۵) انسان کی روح جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو اور عنایات ایزدی شامل نہ ہوں قالب بہ قالب پھرتی رہتی، یعنی آواگون کیا کرتی ہے
(۶) اصل مذہب معرفت ہے جو لوگ کہ زیرک اور عقلمند اور تجربہ کار ہیں اس وسیلہ سے نجات پاتے ہیں[۱]

جہاں تک اخلاقی اصولوں اور طریقہ عبادت کا تعلق ہے راجہ رام موہن رائے نے عیسائی مذہب کے اصولوں کو اختیار کیا تھا اسی لئے برہم سماج کو "مذہب عیسائی بے عیسیٰ" (Christianity without Christ) کہتے ہیں۔

آریہ سماج —— اس کے بانی مہرشی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء — ۱۸۸۳ء) تھے۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ شیوراتری کو وہ اپنے والد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ شیوجی کی پوجا کر رہے تھے۔ سویرے پہر سب لوگ سو گئے لیکن وہ جاگ رہے تھے انھوں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس نے اُن کی زندگی کا رخ بدل دیا یعنی خود شیو مورتی کے سر پر ایک چوہا بیٹھا ہوا چاول کھا رہا تھا انھوں نے سوچا کہ اگر شیو کی مورتی میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ ایک ادنیٰ چوہے کو بھگا سکے تو اس پرستش سے کیا حاصل۔ اُس وقت سے انھوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ مورتی پوجا نہ کریں گے اور اس کے بعد انھوں نے دیگر مذاہب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ شروع کیا تاکہ اُن کے عقاید سے واقفیت حاصل کریں۔ اُن کے والدین نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے ارادوں سے باز آجائیں اسی غرض سے اُن کی شادی بھی طے کر دی اور جب کل طیاریاں ہوگئیں تو سوامی جی گھر سے غائب ہوگئے اور مختلف عالموں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے انھوں نے قرآن اور بائبل وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ نیز برہم سماج کے اصولوں سے واقفیت حاصل کی اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ بجائے بہت سے دیوی دیوتاؤں کے ایک خدا کی پرستش کرنا چاہئے انھوں نے ذات پات کی تفریق کو لغو قرار دیا[۲] لیکن آواگون اور نروان کے اصولوں کو تسلیم کیا۔ ۱۸۷۵ء میں جب وہ ۵۱ سال کے تھے انھوں نے ایک خاص مسلک کی بنیاد ڈالی جسے آریہ سماج کہتے ہیں اس کا منشا بت پرستی اور شرک کو دور کر کے ویدک مذہب کو زندہ کرنا تھا۔

اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے انھوں نے سارے ملک کا دورہ کیا، ہر مذہب کے عالموں سے مناظرے کئے اور ۱۹ کتابیں لکھیں[۳] جن میں رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اور ستیارتھ پرکاش بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب چاروں ویدوں کی تفسیر کا دیباچہ ہے اور دوسری کتاب کے پہلے حصہ میں ویدک اصولوں پر روشنی ڈالی ہے اور دوسرے میں مذاہب عالم پر بے لاگ تنقید کی ہے۔ آریہ سماج کی بنیاد ڈالنے کے بعد مہرشی کا انتقال ہوگیا لیکن اُن کے ماننے والوں نے اُن کے کام کو جاری رکھا اور آج اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد ۷ کرور (........ ۷) ہے۔

اگرچہ آریہ سماجی اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ ایک خدا کے پرستار ہیں لیکن در اصل اُن کی توحید ناقص ہے۔ رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھا ہے:

"پیدایش کائنات سے پہلے شونیہ آکاش (خلا محض) بھی نہ تھا اس وقت پراکرتی اور کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے اس وقت صرف برہم کی سامرتھ (قدرت) تھی"

یعنی خدائے تعالیٰ نے جب کائنات کو پیدا کیا تو اُس کی ذات کے سوا کوئی دوسری شے موجود نہ تھی مگر آریہ سماجی پھر بھی کہتے ہیں کہ روح اور مادہ قدیم ہے جیساکہ ستیارتھ پرکاش اور رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھا ہے:

"پرمیشور (خدا) جیو (روح) اور پراکرتی (مادہ) انادی (قدیم) ہیں۔ پرمیشور نے اپنے گیان سے جیو اور پراکرتی پر قابو پاکر ان سے دنیا قایم کی"

---

[۱] منقول از رسالہ "برہم مذہب" (مطبوعہ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ ۱۸۹۸ء)۔ [۲] شروع میں محض چار ذاتیں تھیں لیکن اب اُنیس ہزار مختلف ذاتیں ہیں ان سے اتر کر اچھوت یا ہریجن ہیں — [۳] ملاحظہ ہو "دیانند سدھانت بھاسکر" مولفہ کشن چند (راولپنڈی ۱۹۴۰ء)

جین مذہب

مختصر تاریخ

جینیوں کے مطابق اُن کے مذہب کی تعلیم چوبیس پیغمبروں (تیر تھنکروں) نے دی جو سب چھتری گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن تاریخ سے آخری دو پیغمبروں ہی کا پتہ چلتا ہے یعنی پارسوناتھ اور مہاویر۔ عموماً مہاویر (۵۴۰ - ۴۶۸ ق-م) کو جین مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس مذہب کی بنیاد پارسوناتھ نے ڈالی تھی جن کا زمانہ ۸ ویں صدی ق-م ہے۔

مہاویر کا اصلی نام وردھمان تھا۔ وہ پٹنہ سے ۲۷ میل شمال میں ویسالی کے ایک چھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تیس سال کی عمر میں اُنھوں نے گھر بار چھوڑ کر سنیاس لے لیا۔ بارہ سال اُنھوں نے سخت ریاضت (تپسیا) کی۔ بیالیس سال کی عمر میں اُنھیں عرفان گیان حاصل ہوا۔ اپنے نفس کو جیت لینے کی وجہ سے لوگوں نے اُن کو جین (فاتح) اور مہاویر (بڑا بہادر) کے خطاب دیئے۔ اپنی زندگی کے بقیہ تیس سال اُنھوں نے بہار، ترہت اور اودھ میں جین مذہب کی تبلیغ کرنے میں گزارے بالآخر ۷۲ سال کی عمر میں پاوا میں انتقال کیا۔

مہاویر سوامی کے زمانہ سے اس مذہب کے ماننے والوں کی دو قسمیں رہی ہیں ایک تو سراوک یا گرہستھ جو اہلِ زندگی بسر کرتے ہوئے جین مذہب کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے شرامن یا سادھو جو دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور جماعت (سنگھ) بناکر جین مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔

چندرگپت موریہ کے زمانہ میں جو اس مذہب کا پیرو تھا اس مذہب کے سادھوؤں کے دو فرقے ہو گئے ایک تو شویتامبر جو سفید کپڑے پہنتے ہیں اور دوسرے دگمبر (لفظی معنی "آسمان میں ملبوس") جو برہنہ رہتے تھے لیکن اسلامی حکومت کے زمانہ سے اُنھیں ستر پوشی پر مجبور کیا گیا۔

جین مذہب ہمیشہ ہندوستان تک محدود رہا۔ بیرونی ممالک میں اس کی اشاعت نہ ہوئی پہلے اس مذہب کا مگدھ میں بڑا زور تھا لیکن جب موریہ خاندان کے زمانہ میں اس کا وہاں زوال ہوا تو اجین اور متھرا میں اس نے عروج پکڑا۔ دکن میں شنکراچاریہ کے زمانہ میں اس کا تنزل ہوا مگر گجرات اب بھی جینیوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اسی صوبہ میں کوہ آبو پر اس کے عالیشان منادر ہیں جن کا شمار ہفت عجائبات ہند میں ہوتا ہے ہندوستان میں کل جین مندر تقریباً چالیس ہزار ہیں اور اس کے ماننے والوں کی تعداد تخمیناً بیس لاکھ ہے۔

ارکانِ مذہب

اہلِ ہنود کی طرح جینیوں کا بھی آواگون اور کرم کے فلسفہ میں اعتقاد ہے۔ ہندوؤں کی طرح اُن کا مقصد بھی نروان یا موکش (بار بار پیدا ہونے سے نجات) حاصل کرنا ہے۔ موکش حاصل کرنے کیلئے تین اصول ہیں:- (۱) صحیح عقیدہ۔ (۲) صحیح علم۔ (۳) صحیح عمل۔ انھیں "تین رتن" کہتے ہیں۔ صحیح عمل کے لئے پانچ عہد (ورت) ہیں۔ (۱) اہنسا یعنی کسی جاندار کو تکلیف نہ دینا۔ (۲) سچ بولنا۔ (۳) چوری نہ کرنا (۴) برہمچریہ یعنی ضبط نفس (۵) لالچ نہ کرنا۔

معتقدات

جینیوں کا عقیدہ ہے کہ اُن کے مذہب کی تبلیغ سب سے پہلے آدی ناتھ نے کی تھی جو .... اپلیا پہلے ہوئے تھے۔ پلیا کیا ہے اسے یوں سمجھئے کہ اگر ایک مکعب میل کنویں کو باریک ترین بالوں سے دبا دبا کر بھرا جائے اور پھر ایک چڑیا سو سال میں ایک بال نکالے اور جب سب بال نکل جائیں تب ایک پلیا ہوگا۔ جینیوں کی مقدس کتابوں میں تیرتھنکروں کے قد اور

ھریں لکھنے میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے۔

تیرتھنکروں کی بعض مورتیاں بہت لمبی بنائی جاتی ہیں۔ عموماً اُن کو برہنہ بناتے ہیں۔ بعض بیٹھی ہوتی ہیں اور بعض کھڑی۔ انھیں بتوں کو جین مندروں میں پوجا جاتا ہے (جین ہندو دیوی دیوتاؤں کو نہیں مانتے اور نہ ویدوں کو مستند سمجھتے ہیں) جینیوں کا عقیدہ ہے کہ ان تیرتھنکروں کی پوجا سے نجات حاصل ہوتی ہے اور دراصل ہندوستان میں بت پرستی جینیوں ہی کی مروجہ ہے، لیکن شوتیامبروں میں ایک فرقہ "ڈھونڈھیا" ہے جو بت پرستی نہیں کرتا۔ خود مہاویر سوامی کا دعاؤں میں اعتقاد نہ تھا اس لئے شروع میں جینیوں میں بتوں اور مندوروں کا رواج نہ تھا۔

فلسفہ اورالٰہیات

جیساکہ بتایا جاچکا ہے، جین لوگ بھی ہندوؤں کی طرح آواگون اور مکتی میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن مکتی کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہندوؤں سے مختلف ہے۔ اُن کے نزدیک جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ بھاری ہوکر نیچے کی طرف ڈوبنے لگتی ہے حتی کہ وہ اس قدر وزنی ہوسکتی ہے کہ ساتویں دوزخ میں جاکر قرار لے لیکن جو روح پاک اور صاف ہوجاتی ہے وہ ہلکی ہوکر اوپر کو اُٹھنے لگتی ہے اور چھبیس بہشتوں میں سے کسی ایک میں جاکر قیام کرتی ہے (یہ بہشتیں تلے اوپر واقع ہیں) اور جب وہ اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہوجاتی ہے کہ چھبیسویں بہشت میں پہونچ جائے تب اُسے نِروان حاصل ہوجاتا ہے۔

ہندوؤں کی طرح جینی خدا کے قایل نہیں۔ مادہ اور روح (جیو) کو ابدی (اَنادی) مانتے ہیں۔ یعنی یہ چیزیں نہ تو پیدا ہوئی ہیں اور نہ فنا ہوں گی۔ جس طرح دھان چھلکا اُتار لینے یا بھُن جانے پر پھر نہیں اُگتا اُسی طرح مکتی پایا ہوا جیو پھر پیدایش اور موت کے چکر میں نہیں آتا۔ کرموں سے مخلصی پانے ہی کا نام مُکتی ہے جو مکتی حاصل کرلیتا ہے وہ پرمیشور (خدا) ہوجاتا ہے۔ چوبیس تیرتھنکروں نے مکتی حاصل کرلی اسلئے وہ پرمیشور ہیں۔ جہان میں ایک پرمیشور نہیں ہے بلکہ جس قدر مکت جیو ہیں وہ سب پرمیشور ہیں۔ جہان کا کوئی بنانے والا نہیں ہے بلکہ جہان خود بخود بنا ہے۔ جینی فلسفہ اور منطق سے ایسے خدا کے وجود کی تردید کرتے ہیں جسے قدیم اور خالق کہا جاسکے۔ اُن کے اعتراضات اس قسم کے ہوتے ہیں اگر ایشور کو جہان کا بنانے والا اور جیوؤں کے کرموں کا نتیجہ دینے والا مانوگے تو ایشور دنیا کا پابند ہوجائے گا حالانکہ وہ آزاد ہے۔ ایشور کی خواہش سے کچھ نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ کرم سے ہوتا ہے۔ جیو کرموں (اعمال) کے نتیجے کو اُسی طرح بھگتتا ہے جس طرح وہ بھنگ پینے کے نشے کو اپنے آپ ہی بھوگتا ہے۔ اس میں ایشور کا کچھ دخل نہیں ہے

جینی اپنے تیرتھنکروں کی عموماً ان الفاظ میں پرستش کرتے ہیں:۔

"آقا جینندر کے سامنے میں اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں، جو ساری دنیا کا معبود اور امن و راحت کا بخشنے والا ہے
دُنیا کی تمام مخلوقات کو وہ ابدی سکون عطا کرتا ہے، کاشکہ میں اُس کی مہربانی سے نِروان کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل
کرسکوں۔ شری شانتی!!"

لیکن وہ یہ جانتے ہیں کہ پرم دیوتا یا تیرتھنکر اُنھیں اس پرستش سے کوئی نفع یا نقصان نہ پہونچائیں گے کیونکہ اُن کا دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ البتہ وہ دیوتا جو جین مذہب کے ضابطہ کے نگراں ہیں اُن کی دعاؤں کو سُن کر صلہ دیں گے۔ جنوں کے بنائے ضابطہ پر عمل کرنا ہی اُن کی سب سے بڑی پرستش ہے۔

بدھ مذہب

دُنیا کے تین بڑے مذاہب میں سے ایک ہے، جو لنکا سے لیکر جاپان تک اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے تقریباً پچاس کرور ماننے والے ہیں اور اس کی تاریخ اب سے ۲۵۰۰ سال قبل شروع ہوتی ہے۔

بانیِ مذہب

اس مذہب کے بانی مہاتما گوتم بدھ ۵۶۳ ق۔م۔ نیپال اور ہندوستان کی سرحد پر کپل وستو نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ اُنکے والد شدھودھن وہاں کے راجہ تھے۔ وہ نہایت ہونہار شہزادے تھے لیکن ہمیشہ غور و فکر میں مبتلا رہتے تھے۔ اُن کے والد نے یشودھرا نامی ایک خوبصورت شہزادی سے سولہ سال کی عمر میں اُنکی شادی کردی جس سے اُن کے ایک بچہ راہل پیدا ہوا۔ باپ کی سخت تاکید اور پہرے کے باوجود ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچے کو سوتا چھوڑ کر محل سے نکل گئے اور سادھو بن گئے۔ اُس وقت اُن کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔

اُس زمانہ کے دستور کے مطابق اُنھوں نے عرفان حاصل کرنے کے لئے ۶ سال سخت ریاضت کی۔ یہاں تک کہ اُن کا جسم سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ اسی عالم میں وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ ریاضت بیکار ہے اور وہ کھانے پینے لگے۔ یہ دیکھ کر اُن کے پانچ ساتھیوں نے اُنکا ساتھ چھوڑ دیا لیکن گوتم نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور اپنی تلاش کو جاری رکھا۔ بالآخر وہ بدھ گیا میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے مراقبے میں بیٹھ گئے اور یہ طے کرلیا کہ جب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے نہ اُٹھیں گے۔ اُنھیں ایک خواب کی صورت میں مارؔ (شیطان) نے ساری دنیا کی دولت بخشنا چاہی کہ وہ اپنے ارادوں سے باز آجائیں لیکن جب اُن کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی تو اُس نے اُن پر طوفان بادو باراں، چٹانوں اور مشتعل ہتھیاروں سے حملہ کیا لیکن اس کا بھی اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مارؔ کی فوجیں مایوس ہوکر چلی گئیں اور اُس درخت کے نیچے ۴۹ دن کے مراقبے کے بعد گوتم پر سارے اسرار عیاں ہوگئے اُن کا ضمیر روشن ہوگیا۔ تب سے اُنھوں نے بدھ (روشن ضمیر یا عارف) کا لقب اختیار کیا اور وہ درخت بودھی ورکش یا بو درکش کے نام سے مشہور ہوگیا۔ جو اب بھی موجود ہے اور بدھ مذہب والوں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

گوتم بدھ نے اپنی روشن ضمیری کو اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسروں کو راہ راست دکھانے کے لئے وہاں سے چل دئے اور سب سے پہلے بنارس پہونچے اور سارناتھ نامی مقام پر مرگ بن (ہرن والے باغ) میں اُنھیں اپنے پانچ پُرانے ساتھی ملے جو اُن پر ایمان لائے۔ اس کے بعد بہت سے دوسرے لوگوں اور اُن کے اہلِ خاندان نے اُن کی تعلیمات کو قبول کیا۔ اُنھوں نے بہارؔ، اودھ اور نیپالؔ میں گھوم پھر کر ۴۵ سال تک اپنے خیالات کی اشاعت کی بالآخر کُسی نارا نامی مقام پر (گورکھپور کے علاقے میں) جب اُن کی عمر ۸۰ سال کی تھی کچھ ثقیل غذا کھانے سے وہ بیمار پڑ گئے اور اپنی سال گرہ کے دن انتقال کیا یا بدھ مذہب والوں کے الفاظ میں نروانؔ حاصل کیا۔ یہ ۴۸۳ ق۔م کی بات ہے۔

مذہبی تعلیمات

گوتم بدھ نسباً ہندو تھے لہذا انھیں اپنے مذہب سے دلچسپی تھی لیکن وہ اُس کی بہت سی باتیں ماننے کے لئے طیار نہ تھے۔ اُن کا قربانیوں پر اعتقاد نہ تھا۔ اور وہ پرستش کے خلاف تھے۔ اُن کا منشا تھا کہ انسان خود اپنی اصلاح اپنے بھروسہ پر کرے اور کسی فوق الفطری قوت کی امداد کا طالب نہ ہو انھوں نے سخت ریاضت یا تپسیا کو بھی غیر ضروری بتایا۔ ویدانت کی رو سے زندگی کا بلند مقصد وصال حقیقی (برہم پراپتی) یا آتمن اور برہمن کا ایک ہوجانا (برہم بھوت) ہے لیکن گوتم بدھ نے محض پیدائش اور موت کے چکر یعنی آواگون سے نجات حاصل کرنا (نروان) ہی کافی بتایا اور خدا (برہمن) کے بارے میں مکمل سکوت اختیار کیا۔ وہ روح کو خدا کا جزو نہ مانتے تھے بلکہ آزاد سمجھتے تھے۔ نروانؔ کے حصول کے لئے انھوں نے ذات پات کی تفریق کو بھی باطل قرار دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ

انھوں نے ہندو مذہب کے بعض عملی طریقے یعنی ضبط نفس (برہمچریہ) اور یوگ (مراقبہ) وغیرہ کو اختیار کیا اور بعض نظری اصول بھی تسلیم کئے مثلاً (۱) آواگون کا نظریہ یعنی انسان پیدا ہوتا ہے، مرتا ہے اور مرکر دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور پیدائش اور موت کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہیگا تاوقتیکہ انسان کو نروان حاصل ہوجائے (۲) کرم کا نظریہ یعنی انسان کا دوسرا جنم اس زندگی کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے اگر اس زندگی میں کسی کے اعمال اچھے ہیں تو دوسرے جنم میں اس سے بہتر حالت میں پیدا ہوگا اور اگر خراب تو اس سے بھی سقیم حالت میں۔
(۳) دنیا کی تکالیف کا سبب لاعلمی (اَوِدیا) اور خواہشات (کام، ترشن) ہیں لیکن اس سے نجات حاصل کرنے کا جو طریقہ انھوں نے بتایا وہ ہندوؤں سے مختلف تھا۔

جس طرح ایک معالج پہلے مرض کے اسباب معلوم کرتا ہے اور پھر اُس کا علاج تجویز کرتا ہے اُسی طرح مہاتما بدھ نے زندگی کی "چار اعلیٰ صداقتیں" (آریہ سیتہ) بتائی ہیں (۱) زندگی دکھ ہے۔ (۲) دکھ کا سبب خواہشات ہیں۔ (۳) خواہشات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ (۴) اس کے لئے نہ تو سخت ریاضت کی ضرورت ہے اور نہ عیش پرستی کی بلکہ "درمیانی راستہ" اختیار کرنا چاہئے جس کے آٹھ اُصول ہیں۔ اسی لئے اسے "آٹھ اصولوں والا راستہ" (اشٹانگ مارگ) بھی کہتے ہیں وہ اصول یہ ہیں:۔ (۱) صحیح علم۔ (۲) صحیح ارادہ (۳) صحیح کلام۔ (۴) صحیح عمل۔ (۵) حلال کمائی۔ (۶) صحیح کوشش۔ (۷) نیک خیال۔ (۸) سچا دھیان۔ ان میں سے تیسرے اور چوتھے کو مزید تفصیل سے "پانچ نصیحتوں" کی صورت میں بیان کیا ہے:۔ (۱) کسی کی جان نہ لینا۔ (۲) جو چیز نہ دی جائے اُس کے لینے سے احتراز کرنا۔ (۳) غیر قانونی جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔ (۴) جھوٹ نہ بولنا۔ (۵) نشہ آور چیزوں سے پرہیز کرنا۔
بدھ مذہب قبول کرنیکے لئے کسی رسم کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آٹھ اُصولوں والے راستہ پر عمل کرکے ہر شخص نروان حاصل کرسکتا ہے یا بالفاظ دیگر دنیوی خواہشات کو ترک کرکے مطمئن اور آسودہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔

مابعد الطبیعیاتی مسایل

خالق اور کائنات کے بارہ میں گوتم بدھ کے خیالات سانکھیہ فلسفہ سے ماخوذ تھے جس میں ہر چیز کی روح اور مادے (پرش اور پراکرتی) سے تشریح کی گئی ہے اور کسی الٰہی قوت کی مداخلت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے بدھ مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب گوتم بدھ سے اُن کے شاگردوں نے دوسری دنیا اور روح کے بارہ میں سوالات کئے تو اُنھوں نے روحانی اور غیر مرئی دنیا کے بارہ میں بتانے سے انکار کردیا لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ عالم فوق الفطرت یا خدا پر یقین نہ رکھتے تھے اور انھوں نے اپنے شاگردوں کو الحاد کی تعلیم دی۔ اُن کے سکوت کے دو سبب تھے:۔ (۱) وہ یہ سمجھتے تھے کہ لامحدود خدا کی ماہیت کا جاننا انسان کی محدود عقل سے باہر ہے۔ (۲) وہ یہ چاہتے تھے کہ اُن کے شاگرد نروان حاصل کرنے کے لئے خود اپنی کوششوں پر بھروسہ کریں اور کسی خارجی یا فوق الفطری مدد کا سہارا نہ لیں۔ اُنھوں نے اس موضوع پر قیاس آرائی کو بھی منع کیا کیونکہ اس سے خود اعتمادی کے جذبے کو نقصان پہونچنے کا احتمال تھا اور وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نجات خود تمھارے ہاتھ میں ہے اور اُسے تم اپنی کوشش سے حاصل کرسکتے ہو اسی لئے گوتم بدھ کے رویہ کو نہ تو الحاد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ لاادریت سے۔

گوتم بدھ نے صرف مذہب کے عملی پہلو یا اخلاقیات پر زور دیا اور مابعد الطبیعیاتی پہلو کو نظر انداز کردیا تھا لیکن چونکہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد میں خارجی یا فوق الفطرت امداد چاہے اس لئے بعض لوگوں نے خود انھیں کو پوجنا شروع کردیا۔

مذہبی فرقے

تیسری صدی ق-م میں شہنشاہ اشوک نے بدھ مذہب قبول کیا اور اُس کی کوشش سے بدھ مذہب نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی پھیل گیا۔ بعد میں مذہبی اختلافات کی بنا پر اس مذہب کی دو شاخیں ہوگئیں: (۱) ہنایان (صراط صغیر) جو چٹاگانگ، سیلون، برما، تھائی لینڈ (سیام) کمبوڈیا اور لاؤس میں

رائج ہے۔ (۲) مہایان (صراطِ عظیم) جو نیپال، تبت، چین، جاپان، کوریا اور منگولیا میں مروج ہے۔

ہنایان فرقے کی مذہبی کتابیں پالی زبان میں اور مہایان فرقے کی سنسکرت زبان میں ہیں۔ ان کتابوں میں للت وستار، تری پٹک اور جاتک خاص ہیں:-

ہنایان فرقے کے مذہبی اصول قدیم بدھ مذہب سے قریب تر ہیں۔ مہایان مذہب قدیم مذہب کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ہنایان فرقے کے نزدیک نروان حاصل ہونے پر روح کو مکمل سکون حاصل ہو جاتا ہے، برخلاف اس کے مہایان فرقے کا عقیدہ ہے کہ نروان حاصل کرنے پر بھی روح اپنی نوع کی بہتری کے لئے کام کر سکتی ہے۔ ایسی روح کو بدھستوا (دانشور ہستی) کہتے ہیں، چنانچہ گوتم بدھ نے عرفان حاصل کرنے سے پیشتر بدھستوا کی بے شمار زندگیاں گزاری تھیں جن کا جاتک نامی کتابوں میں تذکرہ ہے۔

مہایان مذہب والوں کے نزدیک کل مخلوقات دھرم کایا کا مظہر ہیں۔ اس کے مظاہر اتم کا نام بدھستوا ہے جو انسانی صورت میں زمین پر انسانوں کو نروان حاصل کرنے کے اصول سکھانے کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی امی تابھا (جاپانی امیدا) تھا اور آخری گوتم بدھ۔ دراصل مہایان مذہب میں تاریخی گوتم بدھ کی جگہ امی تابھا نے لی ہے جو ایک مثالی بدھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ کے ہزاروں مجسمے جو ایشیا کے مندروں میں پائے جاتے ہیں کسی ایک شخص کی ہو بہو تصویر نہیں ہیں بلکہ "روشن ضمیری" کا نشان یا علامت ہیں، محبت عظیم (مہا مائتری) اور بے حد رحمدلی (مہا کرونترا) اور فہم و دانش اس کی خصوصیات ہیں۔ اسے مجیب الدعوات مانا جاتا ہے۔ چین اور جاپان وغیرہ میں اس کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا ایک خاص مقام ہے جسے "عظیم مقدس بہشت" یا "ملک صفا" کہتے ہیں اس مذہب کا ہر پیرو وہاں پہونچنے اور امی تابھا کو اس کی نورانی صورت میں دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ مہایان مذہب، بدھ مذہب اور مقامی مذاہب کا مجموعہ یا آمیزہ ہے۔

بدھ پرستی گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جا چکیں تو اُن کے جسم کی راکھ، ہڈیاں، دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر لئے گئے اور انھیں گنبد یا مینار کی وضع کی عمارتوں میں رکھا گیا جنھیں استوپ کہتے ہیں۔ سیلون کے استوپ، داگوبا اور برما وغیرہ کے پگوڈا کہے جاتے ہیں (خیال کیا جاتا ہے کہ لفظ پگوڈا، بتکدہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے) ایشیا میں لاکھوں استوپ ہیں۔ چونکہ گوتم بدھ کے اتنے بال یا ہڈیاں وغیرہ موجود نہیں ہیں اس لئے ان میں سے بیشتر میں محض بت، مقدس تحریریں یا مناجاتیں رکھی گئی ہیں استوپوں کا طواف کیا جاتا ہے اور ان پر ہار پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ گویا بدھ کے آثار جسم کی پرستش ہے۔ اس طرح کی پرستش نیز استوپوں کا بنوانا یا حفاظت کرنا، بدھ کا دھیان کرنا، بھکشوؤں کو کھلانا۔ یہ سب کارِ ثواب ہیں جن سے حصول نروان میں مدد ملتی ہے۔

دھرم چکر بدھ مذہب کی خاص علامت ہے۔ اس سے مراد آٹھ اصولوں والا راستہ ہے:

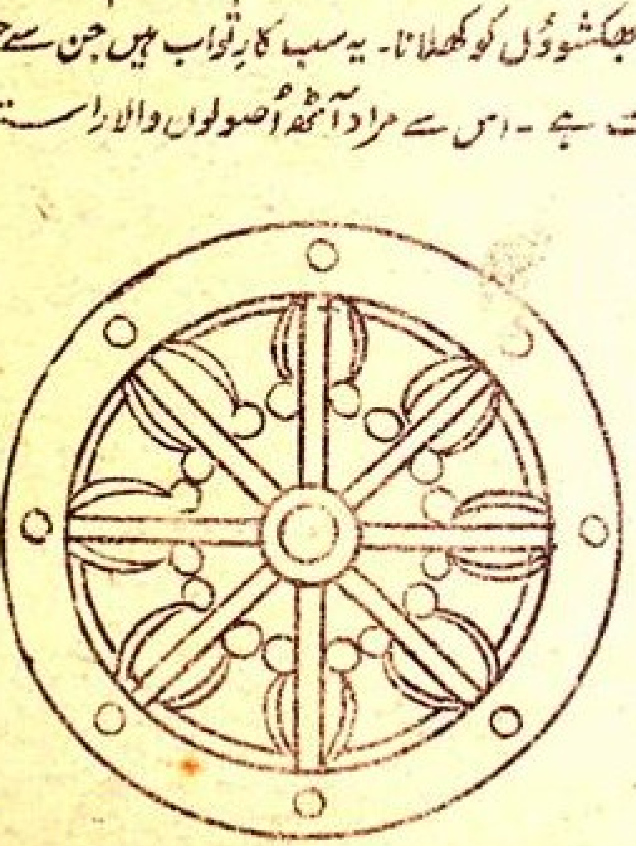

چین کے مذاہب

چین کے لوگ مذہب کے باب میں بڑے آزاد خیال ہیں۔ اُنھیں دوسری زندگی سے زیادہ موجودہ زندگی کی فکر ہے۔ کنفوشش[2] (Confucius) سے جب اُس کے ایک شاگرد نے حیات بعد ممات کے بارے میں سوال کیا تو اُس نے جواب دیا کہ "ہمیں ابھی زندگی ہی کا علم حاصل نہیں ہے، موت کو ہم کیسے جان سکتے ہیں۔" چینی سماج کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ کنفوشش کی اخلاقی تعلیمات پر ہے جس نے والدین کی اطاعت پر بڑا زور دیا تھا۔ عیسائیت، یہودیت اور اسلام کی طرح چین کا مذہب خدا کا کوئی واضح تصور پیش نہیں کرتا۔

چینیوں کی آزاد خیالی کا ثبوت یہ ہے کہ اُن کے یہاں وقتاً فوقتاً مختلف مذاہب کا رواج ہوا لیکن اُن میں کبھی مذہب کے نام پر خونریزی نہیں ہوئی۔ چین کے مقبول ترین مذاہب تین ہیں:- (۱) تاؤ کا مذہب - (۲) کنفوشش کا مذہب - (۳) بدھ کا مذہب[1] اور ان میں ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا۔

دو مشہور فلسفی یا پیغمبر لاؤتذو (Lao Tzu) اور کُنگ فوتذو (Kung Futzu) یا کنفوشش چین کے دو مشہور فلسفی یا پیغمبر تھے۔ ان کا زمانہ وہی تھا جو ہندوستان میں مہاتما بدھ اور مہابیر سوامی کا تھا (یعنی چھٹی صدی ق۔م) جو مذہب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

لاؤتذو (پیدائش ۶۰۴ ق۔م) کے لفظی معنی ہیں "بوڑھا فلسفی" یا "بوڑھا لڑکا" (کہتے ہیں جب وہ پیدا ہوا تو اُسکے بال بالکل سفید تھے) وہ عرصہ تک شاہی کتب خانہ کا مہتمم رہا لیکن بعد ازاں مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور پھر چین کا ملک چھوڑ کر نہ جانے کدھر نکل گیا۔ اُس نے اپنے خیالات ۲۵ صفحے کی ایک مختصر کتاب تاؤ۔تیہ۔کنگ یا تو۔تا۔چنگ (Tao Te Ching) میں قلمبند کئے ہیں جو تاؤ مذہب والوں کی بائبل ہے۔ کہتے ہیں لاؤتذو نے تاؤ مذہب کی بنیاد ڈالی لیکن در اصل چین میں تاؤ کا تخیل نہایت قدیم زمانہ سے پایا جاتا تھا البتہ وہ پہلا شخص تھا جس نے تاؤ کی ماہیت کو تفصیل سے بیان کیا لیکن کہیں کہیں پر اُس نے نہایت ادق زبان استعمال کی ہے جس کی وجہ سے اُس کی کتاب کا سمجھنا مشکل ہے۔

کنفوشش (۵۵۱ - ۴۷۸ ق۔م) نے کوئی نیا مذہب نہیں چلایا، بلکہ اپنے زمانہ کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے پر بڑا زور دیا۔ اُس نے لوگوں کے سامنے ایک خاص اخلاقی نظام رکھا جس پر چینی سماج کی تعمیر ہوئی۔ اُس کا کہنا تھا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے اور پھر اپنے گھر والوں کی اصلاح کی طرف رجوع ہو اس سے ہر شہر اور بعد ازاں پوری سلطنت کی اصلاح ہو جائے گی۔ ۷۲ سال کی عمر میں اُس کے تقریباً ۳۰۰۰ ماننے والے تھے لیکن اب اُس کے ماننے والوں کی تعداد ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ سے زاید ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اُس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور اُس کے ہم خیال عالموں کی کوششیں ہیں جن میں منگتذی یا

---

[1] چین میں مہایان بدھ مذہب کا رواج غالباً پہلی صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ پروہتوں کا طبقہ، مراسم عبادت اور مجسمہ سازی کا فن بھی آیا۔ [2] کنفوشش اس کی لاطینی صورت ہے اور اصل نام سے زیادہ مشہور ہے۔

مینگ زی (Meng-tze) کا نام بہت مشہور ہے اُس کا زمانہ ۳۷۱ - ۲۸۸ ق - م ہے۔ کنفوشش چین کا "پہلا فلسفی" اور وہ "دوسرا فلسفی" کہلاتا ہے۔

بعض عالموں کو لاؤتزو کے وجود کے بارے میں شبہ ہے اور دراصل اُس کے بارے میں بڑی مبالغہ آمیز روایتیں بیان کی جاتی ہیں برخلاف اس کے آج بھی کنفوشش کی ۷۰ ویں پشت میں اُس کا ایک خاندانی موجود ہے جس کے پاس غالباً دنیا میں سب سے پرانا مستند شجرہ ہے

فطرت پرستی زمانۂ قدیم کی بیشتر اقوام کی طرح چین کا مذہب بھی مناظر فطرت کی پرستش تھا جو اب بھی رائج ہے۔ چین کے کروروں عوام جو کنفوشش، لاؤتزو یا بدھ کی تعلیمات سے ناواقف ہیں متعدد مافوق الفطرت قوتوں کی پرستش کرتے ہیں فیض رساں روحیں شین (Shen) کہلاتی ہیں اور مضرت رساں کوئی (Kwei) [1] جو انسانوں کی قسمت پر حکومت کرتی ہیں۔ چینیوں کے نزدیک ہر جگہ حیوانوں، پرندوں اور مچھلیوں وغیرہ کی صورت میں شیاطین اور اژدہے چھپے رہتے ہیں۔ جنھیں اگر چھیڑ دیا جائے تو وہ سخت مصیبتیں لاتے ہیں لیکن خوش قسمتی سے ارواحِ خبیثہ بے وقوف ہوتی ہیں۔ وہ سیدھے راستے پر چلنے کی عادی ہوتی ہیں۔ اسی لئے مکانوں کے راستے اور پل لہریا (WWW) بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ راستہ بھول جائیں کبھی کبھی اُنھیں بیوقوف بنانے کے لئے دروازے کے سامنے صحرا و بیابان کی تصویریں بنادی جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح وہ بھٹکتی پھریں گی اور مکان میں داخل نہ ہو سکیں گی۔ ماہرین روحانیات سے مشورہ لئے بغیر کوئی تقریب شادی یا سالگرہ وغیرہ نہیں منائی جا سکتی اور نہ کسی عمارت کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قبر کھودی جا سکتی ہے۔ نیک روحوں کو چاول، سبزی، گوشت اور پھلوں وغیرہ کی نذریں پیش کر کے خوش کیا جاتا ہے۔ چینیوں کا عقیدہ ہے کہ روحیں کھانے کا جوہر چوس لیتی ہیں اس لئے نذر یا فاتحہ کے بعد کھانے کو سب لوگ مل کر کھا لیتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ہر ساتویں سال خاقان چین ایک سفر کرتا تھا جس میں اپنے ملک کے خاص دریاؤں اور پہاڑوں کو قربانیاں پیش کرتا۔ اس قدیم فطرت پرستی کو تاؤ مذہب اور کنفوشش کے مذہب میں شامل کر لیا گیا۔

بزرگ پرستی اس کے سوا چینیوں میں زمانۂ قدیم سے آباء پرستی کا بھی رواج ہے۔ چینی حیات بعد ممات کے قایل ہیں اور کنفوشش نے بزرگ پرستی پر بڑا زور دیا تھا۔ اُس کا قول ہے کہ "جو لوگ مرگئے ہیں اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے گویا وہ زندہ ہوں۔ یہی سب سے بڑی سعادت مندی ہے" چنانچہ اب بھی بزرگوں کی روحوں کو قربانیاں پیش کی جاتی ہیں اور ہر چینی گھر میں ایک حصہ خاص اسی کام کے لئے وقف ہوتا ہے عرصہ سے اصلی قربانیوں کی جگہ علامتی رسوم نے لے لی ہے۔ مثلاً کاغذ کا مکان جلانا جس سے مقصود دوسری دُنیا میں روح کے لئے مکان مہیا کرنا ہے۔ خاندانی بزرگوں کے سوا نامورانِ قوم کی پرستش کا بھی رواج ہے چنانچہ مثل آفتاب و ماہتاب کے کنفوشش کی بھی پرستش ہوتی ہے۔ لیکن اُس کے مندروں میں کوئی مورت نہیں ہوتی بلکہ ایک تختی پر "کنفوشش" لکھا یا کندہ ہوتا ہے۔

چینیوں کا زمانۂ قدیم میں یہ بھی عقیدہ تھا کہ کسی دور کے ملک میں آبِ حیات کا ایک چشمہ موجود ہے جسے پی کر انسان اَمر ہو سکتا ہے لیکن وہ اُس کی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آباء پرستی کے علاوہ چینیوں میں دعا تعویذ، جادو ٹونے، فال و شگون وغیرہ کا بھی رواج رہا ہے اور ان سب کو تاؤ مذہب کا جزو مانا جاتا ہے۔

شانگتی (Shangti): شخصی خدا چینیوں میں خالص توحید کا رواج کبھی نہیں ہوا، وہ ہمیشہ کثرت پرستی میں مبتلا رہے۔ آسمان اور زمین کو شوہر اور بیوی اور کل اشیاء کا والدین مانا جاتا ہے لیکن زمین کے مقابلہ میں آسمان کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔

---

[1] چین کے مندروں کے سامنے اکثر خوفناک حیوانوں کے مجسمے رکھے جاتے ہیں جن کا منشا ارواح خبیثہ کو دفع کرنا ہوتا ہے۔

آسمان کے لئے چینی زبان میں دو الفاظ پائے جاتے ہیں شانگٹی بہ معنی "اوپر کا بادشاہ" اور تھیان (Tien) بہ معنی "آسمان" چین کی تاریخ میں خدا بلکہ مذہب کی طرف قدیم ترین اشارہ ان الفاظ میں پایا جاتا ہے: "شہنشاہ زرد (۲۶۹۷-۲۵۹۸ ق م) نے شانگٹی کے نام پر قربانی کی۔ کل عوام کو جمع کیا اور انہیں حکومت اور مذہب کے اصول بتائے۔"

زمانۂ قدیم میں بادشاہ اور ملکہ آسمان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چینی رسوم کی کتاب لی کی میں لکھا ہے کہ: "بہار کے پہلے مہینے میں آسمان کا بیٹا اچھی فصل کے لئے شانگٹی سے دعا کرتا اور خود اپنے ہاتھ میں ہل لیتا ہے۔" یہ رسم ۱۹۱۱ء تک چین میں جاری تھی۔ چینیوں کا عقیدہ تھا کہ حکمراں کا تقرر آسمان کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ آسمان بدکاروں کو مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے اور نیکوکاروں پر برکتوں کا نزول فرماتا ہے۔

—

کنفوشش نے لکھا ہے کہ:- "تجھ میں جو کچھ خوبیاں ہیں اُن کا منبع آسمان ہے۔"

لاؤتزو کہتا ہے:- "آسمان کا جال ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ اُس کے پھندے وسیع ہیں اُن سے کوئی چیز نہیں بچتی۔"

مشہور چینی مورخ پانکو (متوفی ۹۲ء) نے لکھا ہے کہ:-

"آسمان خوش بھی ہوتا ہے اور ناراض بھی۔ اُس کے پاس رنج و راحت کا احساس کرنے والا دل ہے اور یہ بالکل انسانوں کے مثل ہے۔ اس طور پر آسمان اور انسان یکساں ہیں۔"

ڈاکٹر ولیم ایف وارین (Dr. W. F. Warren) کی تحقیقات کے مطابق اگرچہ شانگٹی آسمان کا دیوتا ہے لیکن آسمان میں بھی اُس کا ایک خاص مقام ہے یعنی قطب ستارہ۔ چینیوں کا عقیدہ ہے کہ کوئن لوئین (Kwen-lun) پہاڑ دنیا میں سب سے اونچا ہے۔ اُس کی وادیوں میں جانب شمال مغرب شانگٹی کا ارضی رنگ محل ہے۔ اُس کے سامنے نو دیواریں ہیں اور ایک قیمتی پتھروں کا احاطہ ہے۔ اطراف میں نو دروازے ہیں جن سے روشنی نکلتی ہے اور جانور اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ شانگٹی کی بیوی یہیں رہتی ہے اور اس کے ٹھیک اوپر شانگٹی کا آسمانی محل ہے جو آسمان کے وسط یعنی قطب ستارے میں واقع ہے جسے تزوئی (Tsze-Wei) کہتے ہیں۔ قطب ستارہ کو "آسمان کا عظیم خسروی حکمراں" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی تخیل کے تحت شہنشاہِ چین اور اُس کے درباری "قربان گاہ فلک" میں مذہبی مراسم ادا کرتے وقت ہمیشہ شمال کی طرف منہ کرتے تھے اور شمال کو قطب ستارہ سے جو خصوصیت ہے وہ ظاہر ہے، چین کی طرح بعض دیگر اقوام میں بھی قطب ستارہ کو معبود اکبر یا خدا مانا جاتا تھا۔

تاؤ (Tao) غیر شخصی خدا

شانگٹی، چینیوں کا شخصی خدا ہے اور تاؤ غیر شخصی۔ شانگٹی کا تخیل غیر فلسفیانہ ہے اور تاؤ کے تخیل میں کافی فلسفہ پایا جاتا ہے۔ ہم تاؤ کا مقابلہ ہندوؤں کے برہمن اور بدھ مذہب والوں کی بدھی (عقل) سے کر سکتے ہیں۔

تاؤ کے محدود معنی "راستے"۔ "طریقے" اور وسیع معنی "طرز زندگی" یا "قانونِ فطرت" کے ہیں۔ انسان تاؤ میں پیدا ہوتا ہے اور تاؤ میں رہتا ہے ویسے ہی جیسے مچھلی پانی میں پیدا ہوتی ہے اور پانی میں رہتی ہے اس لئے کہ تاؤ ہر شے میں سمایا ہوا ہے اور اُسے گھیرے ہوئے ہے۔ بایں ہمہ وہ غیر متغیر اور تنہا ہے، تاؤ کو نہ تو دیکھا جا سکتا ہے، نہ سُنا جا سکتا ہے اور نہ اُس کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے وہ بے صورت ہے لیکن ہر شے کا صورت گر ہے۔ تاؤ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے لیکن وہ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ خالق ہے لیکن تخلیقِ عالم سے پہلے بھی موجود تھا۔ وہ ہر چیز کی روح ہے تاہم نہ وہ عرض ہے اور نہ جوہر۔ اور چونکہ وہ غیر محدود ہے اس لئے تاؤ مذہب انسان کو بھی زمین اور زماں کی قید سے آزاد ہو کر عالمِ غیر محدود میں گم ہو جانے کی تعلیم دیتا ہے، تاؤ مذہب دنیا اور دنیا داری کو بُرا بتلاتا ہے کیونکہ اس سے ہمارے روحانی احساسات کو صدمہ پہونچتا ہے، اس کے مطابق باطنی زندگی ہی اچھی اور ظاہری کچھ نہیں ہے اس پر عمل کرنے سے روحانی سکون مل سکتا ہے۔

تاؤ مذہب کا یہ بھی کہنا ہے کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد تاؤ کا علم حاصل کرنا اور اُس سے ہم آہنگ ہونا ہے۔ انسان کو تاؤ کی اطاعت کرنی چاہئے کیونکہ جو شے تاؤ کی مخالفت کرتی ہے وہ جلد ضایع ہو جاتی ہے۔

تاؤ مذہب کے مطابق انسان کی بداعمالی ہی اس پر مصائب لاتی ہے۔ اُن کے نزدیک عالمِ مافوق الفطرت، قدرت اور انسان کی دنیا میں حدِ فاصل نہیں کھینچی جا سکتی۔ یہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور تینوں پر ایک ہی کائناتی قانون (تاؤ) حاوی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے اپنے اعمال سے قدرت کے اصولوں میں خلل نہ ڈالے۔ اگر وہ قدرت کے اصول کے مطابق عمل کرتا ہے تو سماج میں سکون اور امن رہتا ہے اور اگر وہ قدرت کے قوانین کو توڑتا ہے تو آسمان اور زمین میں اتحاد قایم نہیں رہتا اور کائناتی مشین بگڑ جاتی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ چینیوں کے نزدیک تاؤ سے مراد دراصل "قانونِ فطرت" ہے جس کا پتہ غالباً اُنھوں نے اجرامِ فلکی کی باقاعدہ گردش، موسموں کی آمد، پودوں کے اُگنے، دریاؤں کی شاندار روانی وغیرہ سے لگایا ہوگا اور سیلابوں کی بے پناہی اور قحط سالی وغیرہ کو قانونِ فطرت میں خلل پڑنے کا نتیجہ بتایا ہوگا۔

ثنویت

تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م میں چینیوں نے مشاہدہ قدرت کی بنا پر ایک خاص فلسفہ وضع کیا جسے ہم ثنویت کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے قدرت میں دو قوتوں کی کار فرمائی دیکھی جو متضاد خصوصیات کی حامل ہیں یعنی:- (۱) یانگ (Yang) جو مثبت، مذکر، سفید، گرم، سخت اور متحرک ہے۔ (۲) یِین (Yin) جو منفی، مونث، سیاہ، سرد، نرم اور غیر متحرک ہے اور دُنیا کی ہر چیز انھیں کے باہمی عمل سے بنی ہے۔

یانگ دھوپ اور آگ کا جوہر ہے اور یِین سایہ اور پانی کا جوہر ہے۔ آسمان یانگ ہے اور زمین یِین ہے۔ یہ دو قوتیں آپس میں بدلتی بھی رہتی ہیں۔ مثلاً لکڑی یِین ہے لیکن آگ میں ڈالنے سے یانگ ہو جاتی ہے۔

دیگر مذاہب کی ثنویت میں نور و ظلمت، نیکی اور بدی وغیرہ کو ایک دوسرے کا مخالف مانا جاتا ہے اور اُن میں ابدی جنگ جاری سمجھی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے چینیوں کے نزدیک یانگ اور یِین میں مکمل اتحاد ہے۔ کائنات کو چلانے کے لئے یانگ اور یِین دونوں ضروری ہیں۔ اگرچہ یہ قوتیں متضاد ہیں لیکن تاؤ کے باعث ان میں مکمل ہم آہنگی قایم ہے جو ساری کائنات پر حاوی ہے۔

ان دُہناتی قوتوں کو روایتاً ایک دایرے میں ہم آغوش دکھایا جاتا ہے۔ سفید سے (یانگ) اور سیاہ سے (یین) کو ظاہر کرتے ہیں۔

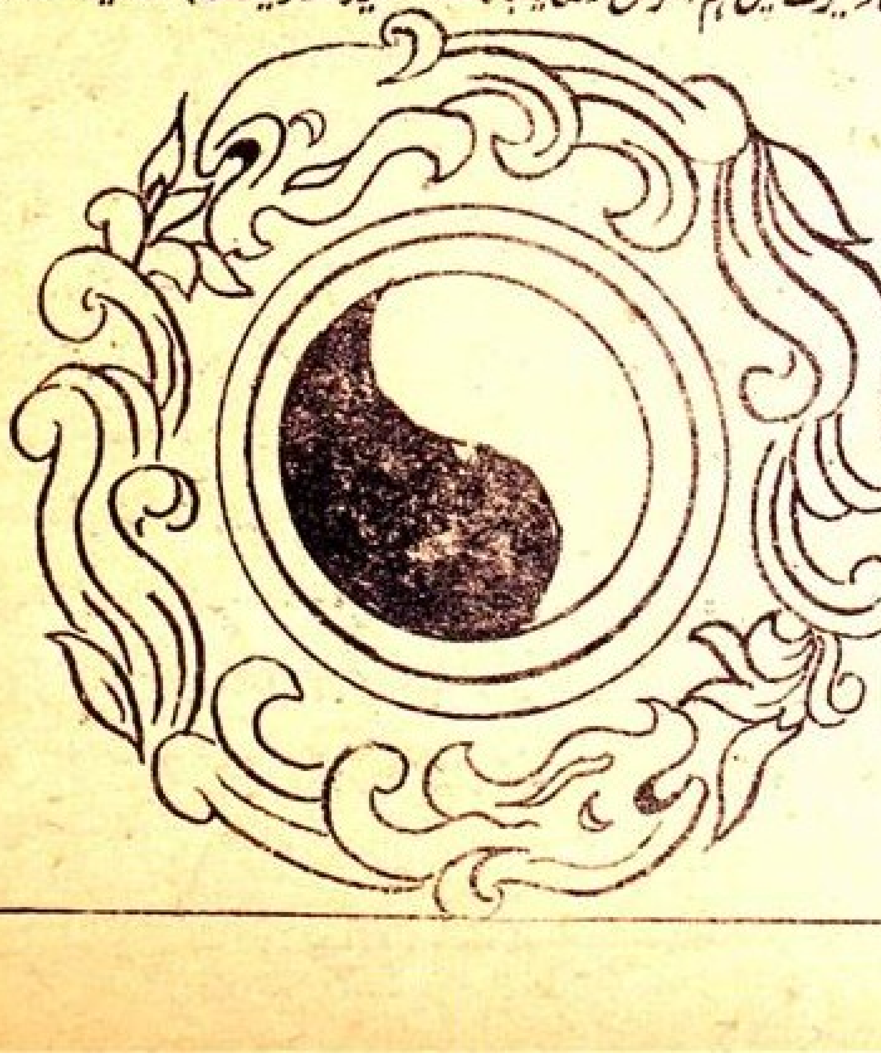

جاپان کا مذہب

اہلِ جاپان شنتو (Shinto) مذہب کے ماننے والے ہیں۔ شنتو، چینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "دیوتاؤں کا راستہ" اس مذہب کا علم ہمیں دو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے کوجیکی اور نحونگی جو بالترتیب ۷۱۲ء اور ۷۲۰ء کی تالیف ہیں۔

شنتو مذہب مناظرِ فطرت کی پرستش پر مشتمل ہے اور اگرچہ اس میں کئی ہزار معبود پائے جاتے ہیں لیکن دیوتاؤں کی مورتیں بناکر انھیں نہیں پوجا جاتا، البتہ بدھ مذہب کے زیرِ اثر[1] دیوتاؤں کی تصویریں اُن کے معبدوں میں پائی جاتی ہیں۔

جہاں تک شنتو مذہب کے آغاز کا تعلق ہے یہ بتانا مشکل ہے کہ اُسے جاپان کے قدیم باشندوں (جو آئنو (Aino) کہلاتے ہیں) کہاں تک متاثر کیا اور وہ چین کے مذہب سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ کنفوشش کے مذہب نے شنتو مذہب کو متاثر کیا علاوہ ازیں چین کی طرح جاپان میں بھی آباء پرستی اور مناظرِ فطرت کی پرستش کا رواج ہے لیکن چین اور جاپان کے مذہبوں میں بڑا فرق ہے۔ چین میں سب سے بڑا معبود آسمان ہے اور اُس کے بعد زمین، چاند، سورج وغیرہ لیکن جاپان میں سب سے بڑا معبود سورج ہے۔

معبود کا تخیل جاپانی زبان میں معبود کو کامی کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں "اعلیٰ" یا "اوپر کا" برخلاف شیمو کے جس کے معنی ہیں "ادنیٰ" یا "نیچے کا"۔ چنانچہ جسم کے اوپر کے حصہ کو کامی کہتے ہیں اور نیچے کے حصّے کو شیمو۔ اعلیٰ طبقے کا آدمی کامی ہے اور ادنیٰ طبقے کا شیمو، آسمان، کامی ہے اور زمین شیمو۔

آفتاب پرستی جاپان کا خاص مذہب آفتاب پرستی ہے چین کے ایک بادشاہ نے جاپان کا نام دائی نپن (Dai Nippon) یعنی "طلوعِ آفتاب کی سرزمین" رکھا تھا۔ برخلاف دیگر مذاہب کے جاپان میں سورج کو مونث مانا جاتا ہے کیونکہ قدیم جاپان میں عورت ہی کو تفوق حاصل تھا۔

جاپانی شہنشاہ جو میکیڈو کہلاتے ہیں اپنا مورثِ اعلیٰ سورج دیوی (Amaterasu) کو مانتے ہیں اور نیابتِ الٰہی کے قایل ہیں، اسی لئے جاپان میں زمانۂ قدیم سے شہنشاہ پرستی کا رواج رہا ہے۔

جاپان کا شاہی خاندان دُنیا کا سب سے پُرانا خاندان ہے۔ ہیروہیٹو اس خاندان کا ۱۲۴ واں شہنشاہ تھا اور پہلا شہنشاہ جم مو ۶۶۰ ق۔م یعنی اب سے ۲۶۱۵ سال پہلے ہوا تھا۔

دیگر معبود سورج کے مقابلہ میں چاند (جو مذکر ہے) اور ستاروں کے معبود کم اہم ہیں۔ زمین پرستی کا بھی رواج ہے۔ کیچڑ، بالو اور چکنی مٹی کے الگ الگ معبود ہیں۔ ہر پہاڑ کا ایک الگ دیوتا ہے، جاپان زلزلوں کا ملک ہے لیکن زلزلے کا کوئی

---

[1] پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مذہب کوریا سے جاپان پہونچا، جس نے وہاں کے لوگوں کے عقاید کو بہت متاثر کیا۔ کل شنتو دیوتاؤں کو بدھ اور بدھستوا کے اوتار مان لیا گیا۔ اس کے علاوہ حیات بعد ممات اور دوزخ و جنت کے خیالات بھی اپنا لئے گئے۔

خاص معبود نہیں بلکہ ہر معبود ناراض ہوکر زلزلہ پیدا کر سکتا ہے۔ سمندر کے تین دیوتا ہیں۔ سمندر کی تہ کا دیوتا، سمندر کے بیچ کا دیوتا۔ سمندر کی سطح کا دیوتا۔ کبھی کبھی انھیں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ایک ہی دیوتا مانا جاتا ہے۔ دریاؤں کے دیوتا سانپوں اور اژدہوں کی صورت میں ظاہر کئے جاتے ہیں جنھیں پہلے انسانی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ بارش، بجلی، ہوا اور آگ کے بھی دیوتا ہیں۔ بڑے بڑے درخت اور کنوئیں بھی پوجے جاتے ہیں۔ سورج دیوی، کھانے کی دیوی اور زمین کا دیوتا سب سے بڑے معبود ہیں۔ آگ، بجلی اور طوفان کے دیوتاؤں سے ڈرا جاتا ہے کیونکہ جاپان میں زیادہ تر مکان کاغذ اور لکڑی کے ہوتے ہیں۔

سرسری طور پر جاپانی معبودوں کو سات مجموعوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:- (۱) اجرام فلکی۔ (۲) عناصر اربعہ۔ (۳) غیر معمولی مظاہر قدرت۔ (۴) نمایاں مظاہر فطرت پہاڑ، چٹانیں، درخت اور غار وغیرہ۔ (۵) غیر معمولی انسان۔ (۶) طاقتور حیوان۔ (۷) مصنوعات، تلواریں، کٹاریں وغیرہ۔ المختصر ہر غیر معمولی اور اعلیٰ درجے کی چیز قابلِ پرستش ہے حتیٰ کہ بسا اوقات پرستار کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جس شے کی پرستش کر رہا ہے اُس کی ماہیت کیا ہے؟ ایک جاپانی مقولہ ہے "ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ کیا چیز ہے لیکن اس میں ضرور کوئی دیوتا ہے!"

کوجیکی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں قطب ستارے کو بھی ایک اہم بلکہ معبود اکبر مانا جاتا تھا کیونکہ تکوینِ عالم کے سلسلہ میں سب سے پہلے جس دیوتا کا پیدا ہونا ظاہر کیا جاتا ہے وہ یہی تھا۔ اسے وہ "آسمان کے مقدس مرکز کا مالک دیوتا" کہتے تھے۔

چونکہ قطب ستارہ اپنی جگہ پر قایم رہتا ہے اور دیگر ستارے اُس کے گرد گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اس لئے مختلف اقوام قطب ستارہ کو معبود اکبر مانتی تھیں۔

اوپر دُبِ اکبر (سپت رشی) کے سات تارے قطب ستارہ کے گرد گردش کر رہے ہیں جو دُبِ اصغر میں واقع ہے۔ بائیں طرف کا خاکہ ایک فوٹوگراف کی نقل ہے جس میں قطب ستارے کے گرد ستاروں کی گردش دکھائی ہے۔

ایرانی مذاہب

ایران مخفف ہے ایریانہ کا، جس کے وہی معنی ہیں جو آریہ ورت اور آئرلینڈ کے ہیں یعنی "آریوں کا ملک" یہ اس بات کا ثبوت ہے پہلے ان ممالک میں ایک ہی نسل کے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ فارسی اور سنسکرت زبانوں کی مشابہت کی بھی یہی وجہ ہے۔ زبان کی طرح ہندوستان اور ایران کا قدیم مذہب بھی ایک ہی تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ میں ان دو ملکوں میں کچھ مذہبی اختلافات پیدا ہوگئے اس حقیقت کے ثبوت میں دو لفظ باقی رہ گئے ہیں، ایک دیو جس کے معنی سنسکرت میں "نورانی مخلوق" کے ہیں اور فارسی میں بھوت پریت کے۔ دوسرا لفظ اسور ہے، جس کے معنے سنسکرت میں دیو کے ہیں اور فارسی میں یہی لفظ دیوتا کے معنی میں آہورا ہوگیا۔

ابتدائی معبود اہلِ ایران کا قدیم مذہب مناظر فطرت کی پرستش آبا پرستی اور جادو ٹونا تھا۔ خاص معبود یہ تھے:۔ سپہر (آسمان) خورشید (سورج) ماہ (چاند) ارماتی (زمین) آتش (آگ) آب (پانی) باد (ہوا)۔ ہیرو ڈوٹس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ ویں صدی ق۔م کے وسط میں ایرانی ان معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ اسٹریبو نے بھی ایرانیوں کے آگ اور پانی پوجنے کا ذکر کیا ہے۔ سنسکرت میں سورج کی سوریہ کہتے ہیں جو قدیم ایرانی میں جاکر خور ہوگیا اور فارسی میں خور جو خورشید کے معنی میں اب بھی مستعمل ہے۔

مترائیت (Mithraism) فارسی میں سورج کا ایک اور نام بھی ہے، مہر جو مخفف ہے متھرا کا۔ یہ وہی معبود ہے جسے ویدوں میں مِتر کہا گیا ہے۔ متھرا آویستا میں چنداں اہم معبود نہیں لیکن ایرانی اقتدار کے بڑھنے سے اُس کی اہمیت بھی بڑھ گئی۔ چونکہ ایشیائے کوچک میں فارس کی نوآبادیاں تھیں اس لئے اس کی پرستش وہاں بھی رائج ہوگئی اور سکندر کی فتوحات کے بعد اُسے مغرب میں بڑھنے کا مزید موقع مل گیا۔ یہ نیا مذہب روم میں پہلی صدی ق۔م میں پہونچا اور بعد کی دو صدیوں میں پوری سلطنت روما پر چھا گیا۔ پہلے مانویت کی طرح عیسائی مذہب سے زیادہ اس کی توقیر کی جاتی تھی، لیکن جب عیسائی مذہب نے عروج حاصل کرنا شروع کیا تو پادریوں نے رومی شہنشاہوں کو اسے کچل ڈالنے پر آمادہ کیا اور یہ رفتہ رفتہ غائب ہوگیا تاہم اس کے متعدد عقاید و رسوم عیسائیت میں بھی داخل ہوگئے۔

دین زردشتی زردشت (Zoroaster) اپنے ملک کا پہلا پیغمبر تھا جس نے کثرت پرستی کی مذمت اور توحید کی تائید کی۔ عام طور سے اُس کا زمانہ ۶۶۰ - ۵۸۳ ق۔م مانا جاتا ہے لیکن بعض عالم ۱۰۰۰ ق۔م ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی زندگی حضرت ابراہیم سے مشابہ تھی[۱]۔ روایت ہے کہ جب مجوسیوں کو اپنے علم کے زور سے یہ معلوم ہوا کہ وہ رائج الوقت مذہب کی بیخ کنی کریں گے اور انھیں ملک بدر کردیں گے تو وہ ان کی جان کے درپے ہوگئے۔ زردشت ہنوز بچّہ تھے کہ آگ میں ڈال دیا گیا لیکن خدا کی قدرت کہ وہ پرہلاد اور ابراہیم کی طرح محفوظ رہے۔

---

[۱] بعض مسلم مصنفین نے زردشت اور ابراہیم کو ایک ہی ہستی قرار دیا ہے۔ مغربی علماء میں (Dr. Spiegel) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ابراہیم اور زردشت کا زمانہ ایک ہی تھا اور وہ ایک ہی مقام کے رہنے والے تھے۔

ایرانی روایات کے مطابق انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی غریبوں کی خدمت میں گزاری۔ بیس سال کی عمر میں وہ ایک پہاڑی میں گوشہ نشین ہوکر غور و فکر میں منہمک ہوگئے اور ۳۰ سال کی عمر میں انھیں عرفان حاصل ہوا۔

انھوں نے عرصہ تک اپنی قوم کو اپنی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا لیکن ان کے چچا زاد بھائی کے سوا کوئی اُن کا شاگرد نہ ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی تعلیمات کا تعلق کسی قوت غیر مرئی سے تھا اور لوگ ایسے معبود چاہتے تھے جنھیں وہ آنکھوں سے دیکھ سکیں اور ہاتھوں سے چھو سکیں۔ اپنے بھائی کے کہنے سے وہ شاہ وقت گشتاسپ (یا وِستاشپ) سے بلخ میں جا کر ملے اور بادشاہ نے دین زردشتی قبول کرکے ان کے اقوال قلمبند کرائے۔ اُن کی کتابی صورت کو آویستا کہتے ہیں[1] جو پیروان زردشت کا قرآن ہے۔ اب زردشت نے شاہِ ایران کی مدد سے اپنے مذہب کو توران میں بھی پھیلانا چاہا جس کا نتیجہ ان دو ملکوں کی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ یہی نہیں بلکہ زردشت کو ایک تورانی سپاہی نے پیٹھ میں خنجر بھونک کر شہید کر دیا۔

زردشت کے مرنے کے ڈھائی سو سال بعد سکندر نے ایران کو فتح کر لیا (۳۳۰ ق-م) اور زردشتی مذہب کی جگہ یونانی مذہب پھیلانا چاہا۔ اُس نے آویستا کے قدیم نسخہ کو بھی جلوا دیا۔ یونانی حکومت کا خاتمہ پارتھیا والوں نے کیا لیکن یونانی اور پارتھوی دونوں حکومتوں کے زمانوں میں زردشتی مذہب تنزل کی حالت میں رہا۔

ساسانی حکومت کے زمانہ میں البتہ زردشتی مذہب نے عروج حاصل کیا۔ اس خاندان کا بانی اردشیر بابکاں (۲۲۶ء-۲۴۱ء) تھا۔ ساسانی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ زردشت کے مذہب کی قومی حیثیت بھی ختم ہوگئی۔ مسلمانوں نے زردشت کے صحیفے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلائے۔ پارسیوں کو تبدیلیِ مذہب پر مجبور کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے تبدیلیِ مذہب پر ترکِ وطن کو ترجیح دی اور ایران سے بھاگ نکلے۔ ایک روایت کے مطابق پہلے وہ خلیج فارس میں ہرمز کے جزیرے میں ٹھہرے۔ وہاں سے گجرات کے ساحل پر پہونچے (نویں صدی میں) اور پھر سورت سے بمبئی تک پھیل گئے۔ آج ایران میں صرف ۱۰,۰۰۰ زردشتی آباد ہیں اور ہندوستان میں انکی تعداد ۹۰,۰۰۰ ہے۔ یہ پیروانِ زردشت پارسی کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ پارس یا فارس سے ہجرت کرکے آئے تھے۔

توحید۔ آویستا کے پانچ حصے ہیں:- (۱) یاسنا۔ (۲) گاتھا۔ (۳) وِسپرد۔ (۴) وینديداد۔ (۵) یاشت۔ ان میں سے پہلے دو حصے خاص طور پر اہم ہیں۔ پہلا عبادت یا قربانی سے متعلق ہے اور دوسرا حمد و مناجات سے۔

زردشت کی پانچ گاتھاؤں میں (کل ۱۷ ہیں) خدا کا سب سے قدیم اور سب سے اعلیٰ تخیل پایا جاتا ہے۔ خدا کا نام آہورا ماژدا (Ahura Mazda) یا ماژدا آہورا ہے۔ اس کی مختصر صورت ہرمزد (Ormuzd) ہے۔ آہورا کے معنی "آقا" اور ماژدا کے معنی "دانش" یا "روشنی" کے ہیں۔ گویا وہ "خداوندِ نور" ہے۔ میرا خیال ہے کہ آہورا کی اصل وہی سورج دیوتا ہے جسے سامی قوم کی ایک شمالی شاخ اشور کہتی تھی، چنانچہ ہخامنشی کتبات میں آہورا

---

[1] یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ آویستا کی ابتدائی صورت کیا تھی۔ سکندر کے حملہ میں اُس کا بڑا حصہ تلف ہوگیا۔ اردشیر بابکاں اور اُس کے بیٹے شاپور اول نے آویستا کے پُرانے نسخے جمع کرنا شروع کئے اور شاپور دوم کے زمانہ (۳۰۹ء-۳۷۹ء) میں اُس کے وزیر آذر باد مار اسپند کی نگرانی میں اُس کا ایک مستند نسخہ طیار ہوگیا جو غالباً پہلوی خط میں تھا۔ پہلوی رسم خط میں کل ۲۲ نشانات کام آتے تھے جو ایرانی آوازوں کی ترجمانی کے لئے ناکافی تھے لہذا آویستا کو قلمبند کرنے کے لئے ایک نیا رسم خط ایجاد ہوا جو آویستی کہلاتا ہے اس میں تقریباً ۵۰ نشانات کام آتے تھے۔ موجودہ آویستا اسی خط میں ہے۔ یہ نہایت مختصر ہے اور اس کے اجزا منتشر حالت میں ہیں۔ آویستا کے قدیم ترین ہندوستانی نسخے تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے ہیں اور فارسی نسخے سترھویں صدی عیسوی کے بعد کے ہیں لیکن ہندوستانی نسخوں سے زیادہ صحیح اور معتبر ہیں۔ آویستا کی زبان جو آویستی کہلاتی ہے سنسکرت سے بہت مشابہ ہے۔

کی تصویر بالکل اُسی طرح بنائی گئی ہے جیسے آشوری قوم اپنے معبود اشور کی بناتی تھی :-

زردشت نے فطرت پرستی کی مخالفت کی تھی اور اُس کا خدا روحانی تھا۔ یاسنا میں خدا کی جو صفات مرقوم ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں[۱] :-

وہ تمام چیزوں کا خالق ہے	(۴۵/۷)	وہ پاکیزہ ترین ہستی ہے	(۴۴/۷)
وہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا ہے	(۵۰/۱۱)	وہ پاکیزگی کا منبع ہے	(۴۳/۳)
اُس نے پانی، درخت اور کل		وہ خود مختار ہے	(۴۳/۱)
دوسری چیزوں کو پیدا کیا	(۵۱/۷)	وہ تمام ہستیوں کا مالک ہے	(۴۸/۷)
وہ انسانی ارواح کا خالق ہے	(۳۱/۱۱)	وہ عاقل ہے	(۲۹/۶)
اُس کے قبل کچھ بھی نہ تھا	(۴۸/۳)	وہ سب کچھ جانتا ہے	(۴۶/۱۹)
وہ بزرگ ترین ہے	(۴۳/۷)	وہ سب کچھ دیکھتا ہے	(۳۳/۱۳)
وہ بہترین ہے	(۴۶/۸)	وہ تمام رازوں کا جاننے والا ہے	(۳۱/۱۳)
وہ غیر متغیر ہے	(۳۱/۷)	وہ کل باتوں سے واقف ہے	(۳۱/۵)
وہ رحیم ہے	(۴۸/۵)		

مثنویت

بایں ہمہ آہورا ماژدا قادرِ مطلق نہیں ہے کیونکہ اسکے سوا ایک دوسری قوت بھی موجود ہے جو ہر چیز میں اُس کی مخالفت کرتی ہے۔ اس متضاد قوت کا نام جو "مبداءِ شر" ہے اینگرامینیو (Angra Mainyu) ہے اور غالباً اسی کی بگڑی ہوئی صورت موجودہ فارسی کا لفظ اہرمن ہے جس کا ضد یزداں (آہورا ماژدا) ہے۔ دُنیا میں سب اچھی چیزیں اُسی کی بنائی ہوئی ہیں اور دُنیا میں جو کچھ بُرائی ہے وہ اہرمن کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اہرمن کا مقابلہ ہم شیطان سے کر سکتے ہیں۔ شیطان کا تخیل اسلام اور عیسائیت میں یہودی مذہب سے آیا اور خود یہودی مذہب نے اُسے ایران سے لیا لیکن شیطان اور اہرمن میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ شیطان کا تخیل شخصی ہے اور اہرمن محض ایک قوت ہے۔

عربی کا مقولہ ہے کہ :- "ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے"۔ فطرت میں اجتماعِ ضدین ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی لئے زردشت کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا میں دو قوتیں پائی جاتی ہیں ایک نور و نیکی ہے اور دوسری تاریکی و بدی۔ قوت خیر سے یہ امید کرنا کہ وہ کوئی بُرا کام انجام دے، ناممکن ہے۔ اسی طرح قوت شر سے کسی بھلائی کی توقع کرنا عبث ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور

---

[۱] منقول از "پارسی اہلِ کتاب ہیں" مترجمہ سید وجاہت حسین - نگار - جولائی ۱۹۳۵ء

باہم نبرد آزما۔

ان دو قوتوں کی جنگ کا تخیل نہایت قدیم ہے۔ غالباً اس کی بنیاد وہی روایت ہے جسے رگویدؔ میں اندر اور ورِترؔ کی جنگ کہا گیا ہے جس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ اندرؔ سے مراد سورج ہے اور ورترؔ سے بادل جو وقتی طور پر سورج کو چھپا لیتا ہے لیکن پھر ہٹ جاتا ہے۔ ورتر کو ایک طویل سانپ ظاہر کیا جاتا ہے اور سامی روایات میں سانپ کو شیطان سے بڑا تعلق حاصل ہے۔ یہی قصہ مردوک اور تیامتؔ کی جنگ کے عنوان سے بابلی افسانۂ آفرینشِ عالم میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقابلہ ہم مصر میں اوسیرؔیز (خداوند نور) اور سیت (خداوند ظلمت) کی جنگ سے کر سکتے ہیں اور غالباً لفظ شیطانؔ، سیت سے نکلا ہے۔

زردشتؔ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ جس طرح خارجی دُنیا میں خیر و شر کی جنگ جاری ہے اُسی طرح خود انسان کا دل بھی خیر و شر کی جنگ کا میدان بنا ہوا ہے۔ لہذا انسان کو چاہئیے کہ قوت خیر کا ساتھ دے اور قوتِ شر کا استیصال کرے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ یزداں کی پیروی کرنے سے جنت حاصل ہوگی اور اہرمنؔ کا اتباع کرنے سے جہنم میں جانا ہوگا۔ یزداںؔ کی پیروی کے تین اُصول ہیں نیک خیالات (ہُمت) نیک اقوال (ہخت) نیک افعال (ہورشت) بالآخر خداوند خیر کی جیت ہوگی اور باطل کو شکست ہوگی۔ بالکل یہی بات قرآن میں بتائی گئی ہے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ زردشتی ثنویت کے قایل ہیں لیکن ثنویت پرست نہیں بقول پروفیسر فارنل "ہمیں کسی جگہ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ زردشتی گروہ نے کسی وقت بھی اہرمنؔ کا کسی صورت میں احترام کیا ہو، بلکہ ماقدا پرستوں کے نزدیک اہرمنؔ کی مخالفت اصول مذہب میں داخل ہے"۔

توحید کا زوال

آویستا کا جو حصّہ زردشت کے بعد تصنیف ہوا اُس میں خدا کا تخیل زوال پذیر ہے۔ (۱) خدا کی صفات کو مشخص کر کے "سات غیر فانی ہستیاں" (امیشا اسپنتا) قرار دی گئیں۔ یہ سات روحیں جن میں سرِفہرست خود آہورا ماژدا کا نام ہے یہ ہیں:۔ وُہومنو (بہمن) عقلِ اول، اشاوہشت (اردی بہشت) راستی، شتھراویریہ (شہریور) ارضی نعمتیں، اسپنتا ارمائتی (اسفندارمذ) دینداری، ہوروا تاد (خُرداد) صحت، امرتاد (مرداد) حیات جاوداں۔ انھیں ہفت ملائکہ سے یہودیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خداوند کے تخت کے سامنے سات روحیں ہیں۔ (۲) آگ کو اہورا ماژدا کا بیٹا مان کر پوجنے لگے۔ (۳) ماہ و مہر کی بھی پرستش ہونے لگی۔ سورج کو آہورا ماژدا کی آنکھ مانا گیا۔ (۴) متھرا کے نام کو آہورا ماژدا کے نام سے ملا دیا گیا۔ (۵) ایک دیوی کی بھی پوجا ہونے لگی جس کا پورا نام اردوی سورا انا تھا جس کے معنی ہیں "بلند، طاقتور اور پاکباز ہستی" غالباً یہ پانی کی دیوی تھی۔ مختصراً اسے اناہتا کہتے تھے۔ اور غالباً یہی لفظ موجودہ فارسی کا ناہید بن گیا جس کے معنی زہرہ ستارہ کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی دیوی تھی جسے شمالی سامی اقوام ایشتر یا استارتہ کہتی تھیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں اور محافظ ارواح کا بھی عقیدہ تھا لیکن ان سب کو (بہ شمول متھرا اور اناہتا) آہورا ماژدا کی تخلیق مانا جاتا تھا۔

ہخا منشی دور میں معبود کے تخیل میں مزید زوال ہوا اور نادیدہ خدا کی تصویریں بھی بنائی جانے لگیں، آہورا ماژدا کی یہ تصاویر مثل اشور کے بنائی جاتی تھیں۔

دُنیا کے ہر مذہب نے خدا کی ایک صفت پر خاص طور سے زور دیا ہے یعنی وہ نور ہے۔ گیتا، آویستا، بائبل، قرآن چاروں اس پر متفق ہیں۔ نور کا مظہر تین چیزیں ہیں آسمان پر آفتاب و ماہتاب اور زمین پر آگ لہذا پیروان زردشت ان تینوں کی پرستش کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ اُن کی نگاہ میں ہر عنصر مقدس ہے اسی لئے وہ اپنے مردوں کو دفن نہیں کرتے کہ اس سے مٹی گندی ہوگی، دریا میں نہیں بہاتے کہ پانی نجس ہوگا، آگ میں نہیں جلاتے کہ وہ ناپاک ہو جائے گی۔ اُن میں یہ رواج ہے کہ لاش کو "مینار خموشاں" میں لے جا کر رکھ دیتے ہیں جسے دخمہ کہتے ہیں اور وہاں اُسے گدھ آ کر کھا جاتے ہیں۔

مانوی مذہب

مانی ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا۔ وہ ۲۱۵ء یا ۲۱۶ء میں موجودہ بغداد کے قریب پیدا ہوا۔ اُسے فنونِ لطیفہ سے بے حد دلچسپی تھی اور نقاشی میں اُسے کمال حاصل تھا۔ وہ فلسفی بھی تھا اور علوم فلسفہ و الٰہیات میں غور و تدبر کرنے کے بعد اُس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جس کی تبلیغ اُس نے شاپور اول کے عہد سے ۲۴۲ء میں شروع کی۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس نے شاپور کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا یا نہیں لیکن اتنا یقینی ہے کہ شاپور کا بھائی پرویز اُس کا مربی تھا لیکن ایرانی کاہنوں اور زردشتی مذہب کے مقتداؤں نے اُس کی شدید مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مانی کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اُس نے وسط ایشیا، چین اور ہندوستان کا سفر کیا اور یہاں کے مذاہب میں بھی بصیرت حاصل کی (غالباً سلطنت رومہ میں اُس کا گزر نہ ہوا) پھر وہ ترکستان واپس آیا۔ یہاں اُس نے ایک سنسان وادی میں جاکر خلوت اختیار کی اور اسی خلوت کدہ میں اُس نے اپنی کتاب ارژنگ یا ارتنگ طیار کی۔ اس میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس کتاب کو لیکر وہ ایران واپس آیا اور اپنے کو صاحبِ کتاب پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا۔ اب اُسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ شاپور دوم (شاپور اول کے بیٹے) نے اُس کی اعانت کی لیکن جب بہرام (شاپور دوم کا بیٹا) بادشاہ ہوا تو آتش پرستوں کے موبدوں اور دستوروں نے اُسے اس قدر اُبھارا کہ وہ مانی کا دشمن ہوگیا۔ آخر ۲۷۶ء میں وہ گرفتار کرکے بہرام کے سامنے لایا گیا جس نے زندگی میں اُس کی کھال کھنچوا کر بھُس بھروادیا۔ مانی کی کھال کا یہ پتلا ایک عرصہ تک شہر شاپور کے پھاٹک پر رکھا مرقعِ عبرت بنا رہا۔

اس ظلم سے خوفزدہ ہوکر مانی کے ماننے والے مشرق کی طرف بھاگ گئے اور دینِ مانوی کو ایران کے باہر وسط ایشیا اور چین میں پھیلا دیا۔ تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں مانی کا مذہب مغربی ایشیا، شمالی افریقہ، جنوبی یورپ، گال (فرانس) اور اسپین میں پھیل گیا۔ لیکن ساتویں صدی سے اُس کا اثر زائل ہونے لگا اور تیرھویں صدی کے بعد وہ غائب ہوگیا۔

مانی کی تصانیف میں سات کتابیں تھیں۔ چھ سریانی زبان میں اور ایک پہلوی میں۔ آخری کا نام شاپورقان ہے جس کے بارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ شاپور کے لئے لکھی گئی تھی۔ ۱۹۰۴ء میں فان لی کاق نامی محقق نے طرفان (وسط ایشیا) سے بعض مانوی صحایف برآمد کئے۔ یہ ایک خاص خط میں لکھے ہیں جو اپنے موجد کے نام پر مانوی کہلاتا ہے۔

مانی کا مذہب دینِ زردشتی، عیسائیت اور بدھ مذہب کا حیرت انگیز مجموعہ تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ خالق دو ہیں، خالقِ خیر و خالقِ شر۔ ازلی و ابدی عناصر بھی دو ہیں یعنی نور و ظلمت۔ جن میں سے ہر ایک پانچ صفات سے متصف ہے یعنی رنگ، ذایقہ، بو، لمس اور صوت۔ ابتدا میں یہ عناصر الگ الگ تھے لیکن بعد میں متصل ہوگئے۔ انھیں کے اتصال سے آفرینشِ عالم ہوئی۔ ہر شے میں نور کا ظہور ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ظلمت کے عناصر بھی دست و گریباں ہیں لہذا انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ نور کے اجزاء کو تاریکی کے اجزا کی قید سے آزاد کرائے۔ اس کے لئے نفس کشی اور عبادت (نماز، روزے) کی ضرورت ہے۔ مانوی حمد کا ایک نمونہ یہ ہے:۔

(۱) ہمارا ہادی، نور کا سفیر مبارک ہے، اُس کے محافظ فرشتے مبارک ہیں اُس کے منور ملائکہ کی مدح ہو۔

(۲) مانی، اے منور ہستی تو قابلِ ستایش ہے، ہمارے ہادی، نور کے سرچشمے، حیات کی شاخ، اے شجرِ عظیم جو کہ سراپا شفا ہے۔

(۳) میں سربسجود ہوتا ہوں اور حمد کرتا ہوں کل دیوتاؤں کی، نورانی فرشتوں کی، کل تجلیات کی سب ملائکہ کی جن کا منبع خداوند تعالیٰ ہے۔

(۴) میں سر جھکاتا ہوں اور مدح کرتا ہوں گروہ ملائکہ کی اور منور دیوتاؤں کی جنھوں نے اپنی دانش سے تاریکی میں نفوذ کرکے اُسے زیر کیا اور دفع کردیا۔

(۵) میں سجدہ کرتا ہوں اور تمجید کرتا ہوں ربِ ذوالجلال کی، ہستی عظیم اور سراپا نور کی۔

مانی نے سحر و افسوں اور بت پرستی کی سخت ممانعت کی، اہنسا، راستی اور تجرد پر زور دیا۔ اُس کا مذہب اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا حامل

تھا۔ اُس نے انبیاءِ عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کر دیا لیکن حضرت عیسیٰ کو نبیِ برحق مان لیا اور زردشت اور بدھ کو بھی نبی مرسل تسلیم کیا وہ عدم عصبیت کی تلقین کرتا تھا اور یہی وجہ تھی اُس کے مذہب کی غیر معمولی کامیابی کی!

مزدک خراسان کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا مقصد دینِ زردشت کی اصلاح قرار دیا تھا۔ اُسکی تعلیمات مانی سے ماخوذ تھیں۔ مانی کی طرح اُس نے بھی نور و ظلمت کے وجود کو تسلیم کیا۔ روشنی کو علم و دانش کا حامل بتایا اور ظلمت کو جہل کا۔ کائنات کی تخلیق اُس کے نزدیک تین عناصر آگ، پانی اور مٹی سے ہوئی تھی۔ دنیا کی تمام اچھی چیزیں ان عناصر کے لطیف اجزا سے بنی تھیں اور خراب چیزیں کثیف اجزا سے۔ مزدک کے نزدیک روحانی عالم بھی مثل اسی دنیا کے ہے۔ آسمان پر دونوں جہاں کا حکمراں تخت نشین ہے۔ اُس کے سامنے چار قوتیں ہیں:۔ ادراک، عقل، حافظہ اور انبساط۔ یہ چار قوتیں سات وزیروں کے ذریعہ سے دنیا کا نظم و نسق کرتی ہیں۔ ان وزرا میں سے صرف چھ کے نام بتائے گئے ہیں یعنی:۔ سالار، پیشکار، بلوان (یا بروان) کاردان دستور اور کودک۔ یہ سات مدبر بارہ ملائکہ کے ذریعہ عمل کرتے ہیں:۔

خوانندہ (پکارنے والا)	خورندہ (کھانے والا)	زنندہ (مارنے والا)
دہندہ (دینے والا)	دوندہ (دوڑنے والا)	کنندہ (کھودنے والا)
ستانندہ (لینے والا)	خیزندہ (اُٹھنے والا)	آئندہ (آنے والا)
بارندہ (اُٹھانے والا)	کشندہ (ہلاک کرنے والا)	شوندہ (ہونے والا)

عربی مورخ شہرستانی نے ایک تیرھویں ہستی پایندہ (قایم رہنے والا) کا بھی ذکر کیا ہے۔

مزدک کے نزدیک دنیا میں تمام جھگڑوں کی بنیاد ملکیت کا جذبہ ہے۔ اگر زر، زمین اور زن پر سے شخصی تصرف ہٹا دیا جائے تو ساری کدورتیں دور ہو جائیں اور فسادات سے پاک ہوکر یہ دنیا جنت بن جائے۔ اسی لئے اُس نے مساوات اور اشتراک کی تعلیم دی۔ اُس نے بتایا کہ تمام انسانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ہر چیز سے یکساں مستفید ہوں ——— عورتوں کے معاملہ میں بھی اشتراک کے اصول کو برتنا چاہئے۔ کسی عورت کو اپنے لئے مخصوص کرنا سخت ناانصافی ہے ——— ہر عورت سے ہر مرد یکساں متمتع ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آگ، پانی یا ہوا سے! اس کے ساتھ ہی اُس نے لباس میں سادگی اختیار کرنے اور جانوروں کا گوشت نہ کھانے کی تاکید کی۔ اُس نے یہ تجویزیں بالکل بے غرض ہوکر پیش کی تھیں لہذا ہر طبقہ خیال کے لوگ اُس کے گرد جمع ہونے لگے اور روز بروز اُس کے تابعین کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ شاہ وقت قباد بھی دل سے اُس کا معتقد ہو گیا اور کھلم کھلا اُس کی حمایت کرنے لگا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماجی نظام میں خلل پڑ گیا۔ قانون کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں۔ امرائے ایران نے اس کا تدارک کرنے کے لئے شاہ قباد کو تخت سے ہٹا کر اُس کے بھائی زاسپ کو بادشاہ بنایا۔ لیکن قباد قید سے بھاگ نکلا اور ایک پڑوسی حکومت کی امداد سے پھر تخت ایران پر قابض ہو گیا۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا لہذا اُس نے یہ اعلان کیا کہ اگرچہ وہ نظری طور پر مزدک سے متفق ہے لیکن بادشاہ ہونے کے باعث اُس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے قاصر ہے کہ اس سے سلطنت کے استحکام کو صدمہ پہونچنے کا احتمال ہے۔ اس طرح ملک میں جو بدامنی پھیل گئی تھی دور ہو گئی۔

قباد کے چار بیٹوں میں سے تین مزدک کی اشتراکیت کے خلاف تھے خصوصاً خسرو (جو نوشیرواں عادل کے نام سے مشہور ہے) کہا جاتا ہے کہ مزدک نے قباد سے خسرو کی ماں کو طلب کیا تھا اور خسرو نے بڑی مشکل سے اپنی ماں کو اس ذلت سے بچایا تھا اسلئے جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۵۲۱ء میں مزدک کو مع اُس کے ایک لاکھ تابعین کے قتل کروا دیا۔

یہودی مذہب ل

مختصر تاریخ دوسری سامی اقوام کی طرح عبرانی قوم کا وطن بھی عرب تھا۔ تقریباً ۱۷۵۰ ق م سے یہ لوگ کنعان میں آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور مختلف اوقات میں مختلف اطراف سے قبیلوں کی صورت میں آکر ۱۲۰۰ ق م تک وہ کنعان و فلسطین میں پوری طرح آباد ہوگئے۔

یہودی روایت یہ ہے کہ انھیں حضرت ابراہیم، کلدانیوں کے پایۂ حکومت اُر سے نکال کر لائے تھے پہلے وہ فلسطین میں ٹھیرے پھر مصر چلے گئے جہاں انھیں غلام بنالیا گیا، آخرکار حضرت موسیٰ نے انھیں اس غلامی سے نجات دلوائی۔ اور موسیٰ و یشوع کی سرکردگی میں تقریباً ۱۳۰۰ ق م میں وہ مصر چھوڑ کر کنعان آگئے۔

عبرانی قوم سے تقریباً ۱۰۰۰ سال پہلے سے کنعان میں ایک دوسری سامی النسل قوم آباد تھی جسے کنعانی کہتے ہیں۔ یہ عبرانیوں سے کہیں زیادہ متمدن تھے ان کا اپنا مذہب تھا، اپنی حکومت تھی اور یروشلم ان کا دارالحکومت تھا، عبرانی بہت جلد کنعانیوں میں گھل مل گئے اور اُن کی تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ دونوں میں فرق کرنا مشکل ہوگیا۔

فلسطین میں ایک دوسری قوم بھی آباد تھی جو فلسطینی کہلاتی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ کریٹ سے ہجرت کرکے آئے تھے فلسطینی فتوحات نے یہودیوں کو متحد کردیا اور ۱۰۰۰ ق م انھوں نے حضرت صالح کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ اُن کے دوسرے بادشاہ داؤد نے یروشلم کو کنعانیوں سے چھین لیا جو اُس دن سے آج تک فلسطین کا دارالسلطنت ہے

حضرت سلیمان نے جو داؤد کے بیٹے تھے یروشلم کا ہیکل بنوایا اور اُس کی تعمیر کو پورا کرنے کے لئے بھاری ٹیکس لگائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا سلیمان کے بیٹے ریحبعام (۹۳۰ ق م) کے زمانہ میں دس شمالی قبیلوں نے اپنی ایک علحدہ ریاست قایم کرلی جو حکومت اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اُن کا دارالحکومت سماریہ تھا۔ دو جنوبی قبیلوں نے یہودا کی ریاست بنائی جس کا دارالحکومت یروشلم برقرار رہا۔

۸۵۰ ق م میں فرعون مصر شیشاک نے ہیکل سلیمانی کو لوٹا اور ۷۲۲ ق م میں اسرائیل کی زرخیزی اور دولت کی فراوانی نے آشوری حکمراں سارگون کو حملہ کرنے پر اُکسایا۔ وہ اُسکے کل باشندوں کو قیدی بناکر لے گیا اور پھر یہ پتہ نہ چلا کہ اسرائیل کے دس قبیلے کہاں گئے۔ وہ اور اُن کی حکومت صفحۂ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہوگئی۔

اسرائیل کے بعد یہودا کی باری آئی ۵۸۶ ق م کلدانی حکمراں بخت نصر نے حملہ کیا اور یروشلم کو مسمار کرکے وہاں کے باشندوں کو قیدی بناکر بابل لے گیا ۵۳۹ ق م ایرانی بادشاہ سائرس (Cyrus) نے بابل پر قبضہ کرکے کلدانی حکومت کا خاتمہ کردیا اور یہودیوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد سے یہ قوم کبھی تو ایرانیوں کی ماتحت رہی اور کبھی یونانیوں کی حتیٰ کہ سنہ ۷۰ء میں یروشلم کو رومی حکمراں ٹیٹس (Titus) نے مسمار کرکے یہودی ریاست کا خاتمہ کردیا تب سے یہودیوں کو اُبھرنے کا موقعہ نہ ملا۔ بہرحال وہ زندہ ہیں اور اپنے مذہب پر قایم ہیں۔

ل یہودی کے معنی ہیں یہودا کا باشندہ۔ یہ نام پوری قوم کے لئے اسرائیل کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد سے قابل استعمال ہے اس سے پہلے عبرانی کا نام موزوں ہے

یہودیوں کے مذہب کے بارہ میں ہمارے علم کا خاص ذریعہ بائبل ہے جس کے دو حصے ہیں :- عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید- آخری حصہ حضرت عیسیٰ سے متعلق ہے اس لئے عیسائیوں کے نزدیک پہلے حصے سے زیادہ اہم ہے جو یہودیوں کی تاریخ اور مذہب سے تعلق رکھتا ہے -

یہودی مذہب کی تاریخ کو آسانی کے لئے دو زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے - پہلا دور حضرت موسیٰ کے زمانہ (۱۳۰۰ ق-م) سے لے کر ایلیاہ نبی (۸۵۰ ق-م) تک ہے اور دوسرا اس کے بعد سے حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک -

خالص توحید کا تصور پیدا ہونے سے پہلے یہودی کثرت پرست تھے اور یہ حالت حزقیاہ کے زمانہ تک برقرار رہی - چھٹی صدی میں یرمیاہ پیغمبر نے کہا کہ " اے یہودا ! جتنے تیرے شہر ہیں اُتنے ہی تیرے معبود ہیں "

خاندانی معبود بزرگوں کے چھوٹے یا بڑے مجسمے ہر گھر میں موجود رہتے جنھیں ترافیم کہتے تھے - بسا اوقات یہ قدِ آدم بڑے ہوتے . ایسا ایک بُت حضرت داؤد کی بیوی بنت حضرت صالح میکل کے پاس تھا - (اسموئیل ۱۹/۱۳) —— ان بتوں کا تعلق آباء پرستی سے تھا اس کی تائید پیدائش کے باب ۳۱ سے ہوتی ہے - جب یعقوب، لابن کے وہاں سے بھاگے تو اُن کی بیوی راخل نے اپنے باپ کے بتوں کو چرا لیا - لابن نے اُن کا تعاقب کیا اور جا لیا - وہ یعقوب سے ناراض ہو کر پوچھتا ہے کہ " کس واسطے تو میرے معبودوں کو چُرا لایا ہے ؟" میکاہ نامی ایک شخص کے بارہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ اُس نے اپنے ترافیم کے بُت بنوائے اور اپنے بیٹوں میں سے ایک کو خاندانی کاہن مقرر کیا - (قاضیون باب ۱۷) ہوسیع نے انھیں کاٹھ کے پتلے کہا ہے (باب ۴ آیت ۱۲) اور زکریاہ نے انھیں ایسے بت کہا ہے جو لوگوں سے جھوٹ بولتے ہیں (زکریاہ باب ۱۰ آیت ۲)

بائبل کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترافیم ہر گھر میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ رکھے جاتے تھے - مخصوص موقعوں پر انھیں قربانیاں دی جاتی تھیں اور ہر مشکل یا تذبذب کی حالت میں اُن سے گھر کے پروہت کے ذریعہ مشورہ کیا جاتا تھا - (حزقی ایل باب ۲۱ آیت ۲۱ ہوسیع باب ۳ آیت ۴) اگر ہم کل اشارات کو یکجا کر کے ترافیم کا مقابلہ دوسرے مذاہب کے گھریلو دیوتاؤں سے کریں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اُن کا تعلق آباء پرستی (Ancestor Worship) سے تھا -

ایک دوسرے قسم کے بت بھی یہودیوں میں پائے جاتے تھے جنھیں افود کہتے تھے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس قسم کے بت تھے - بہر حال اُن سے مشورہ کیا جاتا تھا - (اسموئیل باب ۳۰ - آیات ۷ - ۸)

غیر ملکی معبود ان میں بعل اور مولک خاص تھے - اہلِ کنعان میں ان کی پرستش فنیقیوں سے آئی اور جب کنعانیوں کو بنی اسرائیل نے شکست دی اور اُن کے ملک پر قابض ہو گئے تو ان معبودوں کی بھی پرستش کرنے لگے -

بعل - فنیقیوں کا معبود اور زرخیزی و بار آوری کا دیوتا تھا اس لفظ کے معنی " آقا " یا " مخدوم " کے ہیں - ہر جگہ کے الگ الگ بعل تھے - مثلاً شہر صور کا بعل میلکارت تھا - عستاریت بائبلس کی بعلت تھی ایک لبنان کا بعل تھا، ایک کوہ حرمون کا (قاضیون ۳/۳) ایک کوہ فغور کا (گنتی ۲۵/۳) وغیرہ وغیرہ بعض مقامات نے بعلیم (جمع بعل) کے ناموں کو محفوظ رکھا ہے جیسے بعل تمر یعنی " کھجوروں کا آقا " (قاضیون ۲۰/۳۳) بعل بریت (قاضیون ۸/۳۳) بعل معون (حزقی ایل ۲۵/۹) بعل صفون (خروج ۱۴/۲) وغیرہ وغیرہ -

مولک - اکاد والوں کا آگ کا دیوتا تھا جو آشوری قوم میں کسی قدر اور میں جذب ہو گیا اور کس قدر آدر میں - بعد میں اُس کی پرستش کو فنیقیوں، موآبیوں، بنی عمون اور اُن کی قرابت دار دیگر اقوام نے اختیار کر لیا - اسی سلسلے میں مولک پرستی یہودیوں میں آئی -

عبرانی میں مولک کے معنی " بادشاہ " ہیں (عربی مَلِک) اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ شروع میں یہ کسی خاص معبود کا نام نہ تھا بلکہ لقب تھا - بہر حال اُس کا سر بیل کا اور جسم انسان کا بنایا جاتا تھا - عہد نامۂ قدیم میں یہودیوں کو جا بجا منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مولک کے لئے آگ میں نہ گزاریں - (احبار ۱۸/۲۱، ۲۰/۲-۴، یرمیاہ ۳۲/۳۵، ۱ سلاطین ۱۱/۷، ۲ سلاطین ۲۳/۱۰) بعد میں یہ خوفناک دیوتا

یہوواہ میں جذب ہوگیا اور اُسے بھی انسانی قربانیاں پیش کی جانے لگیں۔

شجر پرستی یہودیوں کی قربانگاہ کے نزدیک ایک بَتی یا مخروطی چوب نصب ہوتی تھی جسے اشیرا (Ashera) کہتے تھے۔ اسکی پرستش یہودیوں میں فنیقیوں سے آئی۔ استثناء میں ارشاد ہوتا ہے کہ "تو یہوواہ کی قربان گاہ کے نزدیک کسی قسم کی لکڑی کا اشیرانہ لگائیو نہ اپنے لئے کسی قسم کی مورت بنائیو کہ اس سے خداوند تیرا خدا نفرت رکھتا ہے"۔ (استثنا باب ۱۶ آیت ۲۱) خرقیاہ کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اُس نے اونچے مکانوں کو ڈھادیا اور ستونوں کو توڑا اور اشیرا کو کاٹ ڈالا" (۲ سلاطین باب ۱۸ آیت ۴) اشیرا کا ترجمہ "کنج باغ" کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ اشیرا دراصل لکڑی کا ایک مخروطی کھمبا ہوا کرتا تھا جو شجر مقدس کی مرموز علامت تھا۔

حیوان پرستی بنی اسرائیل بعض جانوروں کو بھی پوجتے تھے جن میں بیل اور سانپ خاص تھے:۔

(۱) بیل — دانؔ اور بیت ایؔل میں ایک نوجوان بیل دیوتا کی طرح پوجا جاتا تھا۔ خروج میں اسرائیلیوں کا ایک "سنہرا بچھڑا" بناکر پوجنے کا ذکر ہے۔ ۸ویں صدی کے پیغمبروں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیل کو پوجنے والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ یہوواہ کی پرستش کررہے ہیں۔ چنانچہ (Kuenen) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "بچھڑے کی پرستش دراصل یہوواہ کی پرستش تھی"۔ برخلاف اس کے (Grant Allen) کا کہنا ہے کہ جس دیوتا کی بچھڑے کی شکل میں پوجا کی جاتی تھی وہ یہوواہ سے الگ تھا[1] اور بعد ازاں یہوواہ میں ضم ہوگیا۔ بیل قدرت کی تخلیقی قوتوں کا مظہر تھا اور یہوواہ زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا لہٰذا دونوں کا تعلق استوار ہوجانا یقینی تھا۔ یروشلم کے ہیکل میں بھی بیل کے مجسمے داخل کرلئے گئے۔ "پیتل کا بحر" بارہ بیل کے بتوں پر قایم تھا علاوہ ازیں قربان گاہ میں چار سینگ نصب تھے۔

(۲) سانپ — ایک دوسرا حیوانی معبود جس کی یہودیوں نے پرستش کی "پیتل کا سانپ" تھا۔ گنتی باب ۲۱ میں حضرت موسیٰ کو اس کا موجد بتایا گیا ہے، اس سانپ کی پوجا خرقیاہ کے زمانہ تک جاری رہی حتیٰ کہ "اُس نے پیتل کے سانپ کو جو موسیٰ نے بنایا تھا توڑ کے چکنا چور کیا کیونکہ بنی اسرائیل اُن دنوں تک اُس کے آگے خوشبو جلاتے تھے" (۲ سلاطین باب ۱۸ آیت ۴) خرقیاہ کے زمانہ تک یہوواہ کی پرستش میں کافی "وحدانیت" پیدا ہوگئی تھی لہٰذا اس بت کا توڑنا ضروری معلوم ہوا۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سانپ کو اہلِ مصر بہت مقدس مانتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ یہودیوں میں یہ افعی پرستی مصر سے آئی۔

قومی معبود بائبل میں خدا کے لئے دو نام استعمال کئے گئے ہیں ایک تو اِلوہیم اور دوسرے یہوواہ[2]۔

اِلوہیم — عہدنامۂ قدیم کے انگریزی ایڈیشنوں میں اس کا ترجمہ خدا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے معنی شروع میں تھے "وہ جس سے ڈرا جائے" اور یہ نام اُن غیر مرئی قوتوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو انسان کے دل میں خوف پیدا کرتی ہیں مثلاً اسموئیل باب ۲۸ آیت ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں کہ عین دور کی جادوگرنی نے "معبودوں (اِلوہیم) کو دیکھا کہ زمین سے اوپر کو چڑھتے ہیں" یہاں پر اِلوہیم سے مراد غالباً روحیں ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ لفظ قبیلوں کے دیوتاؤں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ کموش، داگن، بعل

---

[1] زمانہ قدیم میں بیل کی پرستش نہایت عام تھی۔ کریٹ میں بیل پوجا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں مصر میں اَپِس بیل (میمفس میں) اور مینوس بیل (آن یا ہیلیوپولس میں) پوجے جاتے تھے۔ مینوس کورا کا اوتار اور اَپِس کو پہلے پتاح کا اور بعد میں اوسیرِیز کا اوتار مانا گیا۔

[2] اس کی بنا پر عالموں نے یہ پتہ چلایا کہ موجودہ بائبل کا ماخذ دو جدا جدا نسخے ہیں، جس نسخہ میں خدا کو یہوواہ کہا گیا ہے وہ (Jehovistic) کہلاتا ہے اور جس میں اِلوہیم کہا گیا ہے وہ (Elohistic) کہلاتا ہے۔ بعد میں ان دو نسخوں کو ایک ساتھ ملاکر مرتب کیا گیا اور اس طرح بائبل میں جابجا تضاد پیدا ہوگیا۔

اور یہوواہ سب کو ہی الوہم کہتے تھے۔

جب بنی اسرائیل نے دوسرے قبیلوں پر فتح پائی تو اُن کا قبلائی معبود مفتوح قبیلوں کا سردار (خداوند خدا) ہوگیا اور یہودی پیغمبر یہوواہ کو دوسرے قبیلوں کے الوہم سے بڑا ماننے لگے۔

یہوواہ — دراصل یہوواہ ہی بنی اسرائیل کا خاص معبود تھا۔ لیکن یہوواہ کے پہلے یہودی خدا کو ال شدائی کہتے تھے جس کے معنی ہیں "میرا عفریت" (My demon) اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی خوفناک قسم کا دیوتا تھا اور یہ بالکل ممکن ہے کہ اُس کی بعض خصوصیات یہوواہ میں ضم ہوگئی ہوں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے خدا کو بجائے ال شدائی کے یہوواہ کہنے لگے۔

یہوواہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک معنی ہیں "وہ جو نفسانی محبت کو ہیجان میں لاتا ہے" اور یہ معنی اُن عالموں کی موافقت میں ہیں جن کے مطابق یہوواہ پہلے زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا۔ برخلاف اس کے ڈاکٹر اسپائگل (Dr. Spiegel) کا خیال ہے کہ لفظ یہوواہ کے وہی معنی ہیں جو آہورا کے ہیں۔ ان دونوں کا مادہ لفظ اَہ (سنسکرت "اس") ہے جس کے معنی "ہونے" کے ہیں، اس لئے آہورا اور یہوواہ دونوں کے معنی ہیں "وہ جو ہے" چنانچہ خدا نے موسیٰ سے کہا:- "میں وہ ہوں جو میں ہوں اور اُس نے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ وہ جو ہے اُس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے" (خروج باب ۳، آیت ۱۴)

خدا کا یہی نام زند آویستا میں پایا جاتا ہے۔ ہورمزد یاشت میں آہورا مزدا نے اپنے بیس نام گنائے ہیں اُن میں سے پہلا ہے اہمی (سنسکرت اسمی) "میں ہوں" آخری ہے اہمی یداہمی (سنسکرت اسمی یداسمی) "میں وہ ہوں جو میں ہوں" گویا اس نظرئے کے مطابق لفظ یہوواہ فارسی الاصل ہے اور غالباً بابل میں بہ زمانۂ اسیری یہودی خدا کے اس نام سے واقف ہوئے۔

یہوواہ یہودیوں کا خاص معبود تھا اور دیگر اقوام کے معبودوں کی طرح انسانی صورت اور انسانی صفات کا حامل تھا۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم میں یہوواہ کا باغِ عدن میں آدم کے ساتھ چلنے اور بات کرنے کا ذکر ہے" اور اُنھوں نے خداوند خدا کی آواز سنی جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا اور آدم اور اُس کی بیوی نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا" (پیدائش باب ۳ آیت ۸)

انسانی صورت، انسانی صفات اور انسانی شخصیت کا حامل یہی یہوواہ، عیسائی توحید پرستوں کا بھی خدا ہے۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شروع میں یہوواہ کیا تھا اور اُس کے تخیل میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

گرانٹ ایلن کی رائے میں یہوواہ پہلے زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا۔ اُنھوں نے اپنے دعوے کی تائید میں بائبل کی متعدد آیات پیش کی ہیں مثلاً:- یہ قومی دیوتا حاران میں ابراہام کو نظر آیا اور کہا کہ وہ اُسے ایک "بڑی قوم" بنائے گا (پیدائش باب ۲ آیت ۱۲) بعد میں ابراہام نے یہوواہ سے اپنے بے اولاد ہونے کا شکوہ کیا (باب ۱۵ آیت ۲) "تب یہوواہ اُس کو باہر لے گیا اور کہا اب تو آسمانوں کی طرف نگاہ کر اور ستاروں کو گن اگر تو اُنھیں گن سکے تیری اولاد ایسی ہی ہوگی" (باب ۱۵۔ آیت ۶)۔ ان کے علاوہ بائبل میں اور بہت سی آیات پائی جاتی ہیں جن سے گرانٹ ایلن کی تصدیق ہوتی ہے۔

دُنیا کے دوسرے حصّوں میں بھی اسی طرح کے بعض تولید و بارآوری کے دیوتا پائے جاتے ہیں۔ یہ دیوتا عموماً ایک سنگی ستون کی صورت میں ہوتے ہیں۔

بائبل کے متعدد بیانات سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:-

"اور یعقوب صبح سویرے اُٹھا اور اُس پتھر کو جسے اُس نے اپنا تکیہ کیا تھا لے کے ستون کھڑا کیا اور اُس کے سرے پر تیل ڈالا اور اُس مقام کا نام بیت ایل رکھا" (پیدائش باب ۲۸۔ آیات ۱۸ - ۱۹)

ہندوستان میں لنگ پوجا بھی اسی قبیل کی چیز ہے۔

گرانٹ ایلن کا خیال ہے کہ چکنے پتھر قدیم سامی قوم کے فیٹش تھے جن پر ایک نہایت ہی قدیم رسم کے مطابق تیل لگایا جاتا تھا۔ یعقوب نے بھی ایک ایسے ہی پتھر کی پرستش کی تھی۔ ایسے پتھروں کو بیت ایل یعنی "خدا کا گھر" سمجھا جاتا تھا۔

ستون پرستی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہوئے تو یہوواہ اُن کے آگے دن کو ایک بادل کے ستون اور رات کو آگ کے ستون کی صورت میں رہنمائی کرتا تھا (خروج باب ۱۴)

ہندوستان میں اکثر مہادیوجی کی مورتیاں گول پتھروں کی صورت میں بعض مقدس درختوں (پیپل، برگد وغیرہ) کے نیچے رکھی رہتی ہیں۔ یہودیوں کے مقدس پتھر بھی بعض درختوں کے نیچے پائے جاتے تھے جن میں سے چند کا نیچے ذکر کیا جاتا ہے۔

سکم کے نزدیک شاہ بلوط کا ایک درخت تھا جسے "پیغمبروں کا بلوط" یا "کاہنوں کا بلوط" کہتے تھے۔ اُس کے پاس ایک پتھر تھا جسے کبھی حضرت ابراہیم کی قربان گاہ بتایا گیا ہے اور کبھی حضرت یعقوب کی اور کبھی یشوع کی یادگار کہا گیا ہے۔ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اکثر اُس پر قربانیاں چڑھاتے تھے اور اُس سے مشورہ بھی کیا جاتا تھا۔ (پیدائش ۱۲/۶، ۳۵/۴، یشوع ۲۴/۲۶، قاضیوں ۹/۶)

حبرون کے نزدیک "ممرے کا بلوط" تھا جس کے نیچے ایک مقدس پتھر تھا اُسے حضرت ابراہیم کی قربان گاہ بتایا جاتا تھا (پیدائش ۱۳/۱۸، ۱۸/۱) اُس پر حضرت داؤد کے زمانہ میں بھی قربانیاں کی جاتی تھیں۔

بیرسبع میں ایک تیسرا درخت تھا جسے حضرت ابراہیم نے لگایا تھا (پیدائش ۲۱/۳۳) اُس کے نیچے ایک قربانگاہ یا پتھر تھا جو اسحٰق سے منسوب تھا۔

بیت ایل کے مقدس پتھر کے علاوہ حضرت یعقوب نے کئی اور پتھر بھی نصب کئے تھے۔ ایک جگہ درج ہے کہ "یعقوب نے ایک پتھر لے کے ستون کھڑا کیا اور یعقوب نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ پتھر جمع کرو، اُنھوں نے پتھر جمع کر کے ایک تودہ بنا لیا اور اُنھوں نے وہاں اُس تودہ پر کھانا کھایا" (پیدائش باب ۳۱ - آیات ۴۵ - ۴۶)۔ سنگ پرستی کی ایسی بہت سی مثالیں قدیم عبرانی صحایف میں موجود ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مقدس پتھر جب شرق یردن میں پائے جاتے ہیں تو فلسطین میں کیوں نہیں پائے جاتے؟ اس باب میں کونڈر کا خیال ہے کہ جب حزقیاہ اور یوسیاہ کے زمانہ میں خالص یہوواہ پرستی شروع ہوئی تو یہوواہ کے پرستاروں نے "بت پرستی" کے تمام نشانات کو مٹا دیا۔

خداوند کا صندوق

یہوواہ شروع میں محض ایک لنگ تھا جو ایک صندوق میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ بعد میں اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی اور "یہوواہ کے صندوق" کو "یہوواہ کے عہد کا صندوق" کہا جانے لگا اگرچہ بائبل میں یہ بتایا گیا ہے کہ:۔ "صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے جنھیں موسیٰ نے بہ مقام حورب اُس میں رکھا تھا جبکہ خداوند نے بنی اسرائیل سے اُن کے سرزمین مصر سے نکلتے وقت عہد باندھا تھا" (تواریخ باب ۸ آیت ۹)۔ لیکن گرانٹ ایلن کا خیال ہے کہ یہ پتھر دراصل لنگ تھا جس پر بعض نقوش بنے تھے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ایک کتبہ ہے۔ قاضیوں، سموئیل اور سلاطین میں پائی جانے والی روایات سے صاف ظاہر ہے کہ اُس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہوواہ خود صندوق میں رہتا ہے جسے وہ سفر و حضر میں ساتھ لئے پھرتے تھے اور اُس کے سامنے ناچنا گانا یہوواہ کے سامنے ناچنے گانے کا مصداق تھا۔

اس صندوق کو جنگ کے وقت لشکر کے سامنے لے جاتے تھے مثلاً ابن عزر میں فلسطینیوں سے جو بڑی جنگ ہوئی اُس میں یہوواہ کا صندوق اُٹھا کر لے جایا گیا (اسموئیل باب ۴) اور جب اُنھوں نے اس صندوق پر قبضہ کر لیا تو اُن کا معبود دجون (داگن) اُسکے سامنے منہ کے بل گر پڑا اور وہ خود بواسیر میں مبتلا ہو گئے (اسموئیل باب ۵) جب فلسطینیوں نے وہ مقدس صندوق واپس کر دیا تو وہ کچھ عرصہ تک قریت یعریم میں رہا اور جب داؤد نے یروشلم کو فتح کیا تو صندوق کو ایک نئی گاڑی پر لادا گیا اور داؤد خداوند کے آگے اپنے سارے بل سے ناچتے ناچتے چلا" (۲ سموئیل باب ۶ آیت ۱۴)

انسانی قربانیاں

بعض علماء یہود نے مذہب کے اس پہلو کو چھپانا چاہا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہوواہ صرف انسانی قربانیوں سے خوش ہوتا تھا بلکہ خاص طور پر پہلی اولاد کی بھینٹ چاہتا تھا۔ چند بیانات ملاحظہ ہوں:۔

سموئیل نے اجاج کو خداوند کے آگے ٹکڑے ٹکڑے کیا" (اسموئیل باب ۱۵۔ آیت ۳۳) اور افتاح نے اپنی اکلوتی لڑکی کو جو کنواری بھی تھی یہوواہ کے حضور میں قربان کیا کیونکہ اُس نے منت مانی تھی کہ " میں جب بنی عمون کی طرف سے سلامتی کے ساتھ پھروں گا تو جو کوئی میرے گھر کے دروازہ سے پہلے میرے استقبال کو نکلے گا وہ خداوند کا ہوگا اور میں اُس کی سوختنی قربانی گزرانوں گا (قاضیوں باب ۱۱ آیت ۳۱) جب ابراہام نے اپنے بیٹے کو چھری سے ذبح کرنا چاہا تو یہوواہ نے اُسے روک دیا۔ کیونکہ وہ اُس کی نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کی ریت کے مانند بڑھانا چاہتا تھا (پیدائش باب ۲۲۔ آیات ۱۔ ۱۷) داؤد نے یہوواہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ساؤل [illegible] کے دو بیٹوں اور پانچ نواسوں کی قربانیاں کیں۔ (۲سموئیل باب ۲۱۔ آیت ۹)۔

ختنہ

گرانٹ ایلین کا خیال ہے کہ انسانی قربانیوں کی جگہ بعد میں ختنہ کی رسم نے لے لی۔ بائبل میں اسے حضرت ابراہیم سے منسوب کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

"یہ میرا عہد ہے جو میرے اور تمھارے، اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اسے تم یاد رکھو تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے" (پیدائش باب ۱۷۔ آیات ۱۰۔ ۱۴)

سورج دیوتا۔ یہوواہ کے تصور میں بعد کو متعدد تبدیلیاں ہوئیں چنانچہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب سورج دیوتا یہوواہ میں ضم ہوگیا۔ مثلاً بائبل میں یہوواہ کی سواری کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ ایک رتھ میں چلتا تھا جس میں کروبی جتے ہوتے تھے۔ (زبور باب ۱۸۔ آیت ۱۰۔ حزقی ایل باب ۱۔ آیت ۲۰)۔ اس سماوی رتھ میں سفر کرتے وقت یہوواہ کروبیوں کے پھیلے ہوئے پروں کے سایہ میں رہتا تھا۔ اُس وقت اُن کے پروں سے جلتے ہوئے انگاروں اور چراغوں کی طرح روشنی پھیلتی تھی۔ حرکت کرتے وقت رتھ سے آگ اور بجلی نکلتی تھی (حزقی ایل باب ۱۔ آیات ۱۳۔ ۱۴)

کروبی ایک خرافیاتی حیوان تھا۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ایک آگ معبود تھا جس کا شیروں اور بیلوں سے کچھ تعلق تھا۔ (اسلاطین۔ باب ۷۔ آیت ۲۹)۔ بعد میں ان دو جانوروں میں عقاب اور انسان کا اضافہ کرکے ایک چار حیوانوں سے مرکب طیار ہوا لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ یہ چاروں حیوان مختلف ممالک میں آفتاب کی علامت تھے۔ یہوواہ کے گرد شعاعوں کا ہالہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کروبی کا سوار خود سورج دیوتا تھا۔

اسی سلسلے میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مصر میں مخروطی مینار (Obelisk) کو پہلے لنگ یعنی تخلیقی قوت کا مظہر مانا جاتا تھا بعد میں اُسے شعاع آفتاب کی علامت مانا گیا۔ اسی طرح یہوواہ میں جو پہلے محض پتھر کا لنگ تھا، آفتابی خصوصیات پیدا ہوگئیں۔

یہودی مذہب میں اکادی قوم یا کلدانیہ والوں کے اثر سے انجم پرستی کے بھی بعض عناصر شامل ہوگئے۔ جیسے کیوان (زحل) کی پرستش زحل کو منحوس خیال کیا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ جو کام سنیچر کو شروع ہوگا وہ پورا نہ ہوگا اسی لئے یہودیوں نے سنیچر کو کسی قسم کا کام کرنا ہی بند کردیا۔ بعد میں یہی تخیل یہوواہ کی پرستش میں داخل ہوگیا اور بتایا گیا کہ چونکہ خدا نے چھ دن میں دُنیا بنائی اور ساتویں دن آرام کیا اسی لئے ساتواں دن جسے سبت کہتے ہیں آرام کا دن ہے۔

اس انجم پرستی کی کچھ اور بھی کڑیاں ہیں جیسے قمری مہینہ کا سات دن کے چار ہفتوں میں تقسیم کیا جانا اور ہر دن کا ایک سیارے سے تعلق ظاہر کرنا۔ عموس کے مطابق کیوان کی پرستش بت کے طور پر کی جاتی تھی۔ (عموس باب ۵۔ آیات ۲۶۔ ۲۷)

بجلی اور آگ کا خدا

اسی سلسلہ میں یہوواہ کا تعلق بجلی اور آگ سے بھی ہوگیا ایک ارضی ہے اور دوسرے سماوی۔ جنگل کی آگ اور کوہ آتش فشاں اُس کے ارضی مظاہر تھے۔ آخرالذکر سے یہوواہ کا خاص تعلق نظر آتا ہے۔ خروج باب ۱۹

کی آیتیں ملاحظہ ہوں :-

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں اندھیری بدلی میں تجھ پاس آتا ہوں تاکہ لوگ جب میں تجھ سے باتیں کروں، سنیں اور ابد تک تیرے معتقد رہیں اور موسیٰ نے لوگوں کی باتیں خداوند سے کہیں (آیت ۹) اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سارے لوگ ڈیروں میں کانپ گئے (آیت ۱۶) اور سب کوہ سینا پر زیر و بالا دھواں تھا کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کے اُس پر اُترا اور تنور کا سا دھواں اُس پر سے اُٹھا اور پہاڑ سارا سرل گیا (آیت ۱۸)

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

"اور خداوند کا جلال بنی اسرائیل کی نظر میں پہاڑ کی چوٹی پر دہکتی آگ کی مانند دکھائی دیتا تھا"

(خروج باب ۲۴ - آیت ۱۷)

اسی طرح یہوواہ کا جلال کبھی تو "آگ کے شعلے" میں ایک جھاڑی پر ظاہر ہوتا ہے (خروج باب ۳ آیت ۲) اور کبھی وہ رات کو بنی اسرائیل کے سامنے "آگ کے ستون" کی صورت میں چلتا ہے تاکہ رہنمائی کرے (خروج باب ۱۳ - آیت ۲۲)

توحید کا ارتقاء ہر مذہب میں یہ خاص بات پائی جاتی ہے کہ تمام دیوی دیوتاؤں میں ایک کا مرتبہ زیادہ بلند ہوتا ہے مثلاً یونانیوں میں زیوس (Zeus) - رومیوں میں جوپیٹر (Jupiter) - اسی طرح بنی اسرائیل میں ایک زمانہ سے یہوواہ اور مختلف مقامات کے بعلیم میں تفوق کے لئے جنگ جاری تھی یہاں تک کہ بالآخر یہوواہ ہی بنی اسرائیل کا واحد معبود بن گیا وہ یہودیوں کا مخصوص خدا تھا اور وہ اُس کی منتخب قوم تھے۔

اگر ہم فلسطین میں یہودیوں کی حالت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں وہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے، لیکن کامیابی کی اُسی وقت توقع کر سکتے تھے جب اُن کی تعداد تیزی سے بڑھتی رہی اور باہمی اختلافات دور ہو جائیں ونکہ "ماں بننا" عبرانی عورت کی سب سے بڑی آبرو تھی، اس لئے یہ فطری بات تھی کہ تولید کا خدا مقامی معبودوں میں سب سے زیادہ اہم سمجھا جائے اور یہ یہوواہ تھا۔ جس کی پرستش رفتہ رفتہ توحید کی طرف مائل ہوئی، چنانچہ بعد کو وہ ایک "غیور خدا" مانا جانے لگا جو اپنے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کو روا نہ رکھ سکتا تھا۔

اس طرح تدریجی طور پر یہوواہ کی پرستش میں گہرائی پیدا ہونے لگی لیکن باوجود اس کے دوسرے معبود بھی موجود تھے اور اس طرح پرستاران یہوواہ اور پرستارانِ بعلیم کے درمیان اندرونی جنگ شروع ہو گئی جس میں پرستاران یہوواہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور دوسرے معبودوں کو محض بے جان بُت سمجھا جانے لگا۔

اس کے بعد خالص توحید پرستی پیدا کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ قومی جوش و خروش تھا جو بیرونی حملوں سے پیدا ہوا سب سے پہلے آشوریوں نے حملہ کیا اور پھر بابل والوں نے اور اس طرح یہودی عرصہ تک مصر و عراق کے زیر اثر رہے۔ ٹھیک اسی زمانہ میں پیغمبروں کا عہد شروع ہوا جنھوں نے لوگوں کو یقین دلایا کہ اگر وہ مصر کی امداد کا خیال چھوڑ دیں اور آشوریہ سے معاہدہ نہ کریں بلکہ صرف یہوواہ پر بھروسہ کریں تو یہوواہ آشوریا کی طاقت توڑ دے گا۔

اسی کے ساتھ پیغمبروں نے مذہبی اصلاح شروع کر دی۔ یہودا کے متعصب لوگوں کو یقین دلا دیا کہ خالص یہوواہ پرستی ہی اسرائیل کے ہر مرض کی دوا ہے۔ یشوع نے "بت پرستی" کے انہدام پر کمر باندھ لی اور دربانوں کو حکم دیا کہ سارے برتن جو بعل اور یسیرت کے لئے بنائے گئے تھے، ہیکل سے باہر نکال کر جلا دئے جائیں (۲ سلاطین باب ۲۳ - آیت ۴) اُس نے یروشلم کے گرد و پیش کے دیگر معبدوں کو بند کرا دیا اور اُن کے بت پرست کاہنوں کو موقوف کر دیا (ایضاً آیت ۵) اُس نے یہوواہ کے مندر سے اشیرا (یسیرت) کو

نکلوا کر جلا دیا (آیت ۹) اُس نے اُن گھوڑوں کو جو یہوداہ کے بادشاہوں نے سورج کی نذر کئے تھے نکالا اور " سورج کے رتھوں کو جلا دیا " (آیت ۱۱) اور اُن مندروں کو مسمار کرنے کے بعد جو کموس ، ملکوم اور عستارات کے لئے سلیمان نے بنوائے تھے صرف یہوواہ کی واحد پرستش کو بنی اسرائیل کا عام مذہب بنا دیا ۔

لیکن یہ تمام اصلاحات وقتی تھیں کیونکہ مذہبی عصبیت یہودیوں کے ملک کو اپنے طاقتور پڑوسیوں کے مظالم سے نہ بچا سکی یشوع کی کی اصلاحات کے بیس یا تیس سال کے اندر بابل والوں نے یروشلم پر تین بار قبضہ کیا ، یہوواہ کے مندر کو مسمار کیا گیا ۔ اُس کے بیش قیمت سامان کو لوٹ لیا گیا اور خاص باشندوں کو قیدی بنا کر بابل لے گئے ۔ اور اسی اسیری کے زمانہ میں یہودیوں میں پہلی مرتبہ خالص توحید پرستی کا رواج ہوا اور اُنھیں یقین ہو گیا کہ یہ یہوواہ سے بے اعتنائی برتنے کا نتیجہ تھا کہ اُنھیں یہ تکلیفیں سہنا پڑیں اس لئے وہ اسیری میں پہلے سے زیادہ اُس معبود کو ماننے لگے جو اُن کے قومی اتحاد اور قومی وجود کا مظہر تھا ۔ دو پشتوں کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آئے ۔ یہ راسخ عقیدہ لے کر کہ اُن کی تمامتر خوشی کا انحصار اخلاقی صفائی پر ہے ۔

یہودی پیغمبر اور توحید

حضرت موسیٰ کے زمانہ (۱۴۰۰ ق ۔م) سے لے کر ایلیاہ نبی کے زمانہ (تقریباً ۸۵۰ ق م) تک یہودی مذہب صحیح معنوں میں توحید نہ تھا ۔ وہ موسیٰ کے خدا کی پرستش کرتے تھے لیکن دوسرے دیوتاؤں کے منکر نہ تھے ۔ چنانچہ سلیمان نے یہوواہ کے مندر کے علاوہ یروشلم میں بنی عمون کے معبود مولخ اور موآبیوں کے خیموش کے مندر بھی بنوائے ۔ اہاب کے زمانہ میں جس نے شمالی ریاست پر ۸۷۶ ق ۔م سے ۸۵۴ ق ۔م تک حکومت کی ۔ یہوواہ کی پرستش پر بعل پرستی غالب آ گئی جو صور کا معبود تھا جہاں سے اہاب کی بیوی یذبیل آئی تھی ۔

ایلیاہ بڑے نبیوں کے پیشرو تھے ۔ اُنھوں نے بعل پرستی کی مخالفت کی اور یہ تعلیم دی کہ یہوواہ ہی واحد خدا ہے اس کے معنی تھے کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے ۔

ایلیاہ کے زمانہ کے تقریباً سو سال بعد سے یہودی پیغمبروں کا زمانہ شروع ہوتا ہے جن میں عموس (۷۶۰ ق ۔م) ہوسیع (۷۵۰ ق م) یسعیاہ (۷۴۰ ۔ ۷۰۰ ق ۔م) اور میکاہ (۷۳۶ ۔ ۷۰۰ ق ۔م) نے اُس کار عظیم کی تجدید کی جسے ایلیاہ اور الیسع نے شروع کیا تھا اور یہوواہ کو اسرائیل کا واحد خدا بتایا ۔

خدا کی عظمت اور انسان

یہوواہ شروع میں محض یہودیوں کا قبائلی معبود تھا جسے یہودی پیغمبروں نے ساری دُنیا کا خدا بنا دیا ۔ یسعیاہ نبی نے خدا کی عظمت اور اُس کی قدرت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :۔

" کس نے پانیوں کو اپنے ہاتھ کے چلو سے ناپا اور آسمان کو بالشت سے پیمایش کیا اور زمین کی گرد کو پیمانے میں بھرا ۔ اور پہاڑوں کو پلڑوں میں ڈال کے وزن کیا اور ٹیلوں کو ترازو میں تولا ؟ کس نے خداوند کی روح کو انداز کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھ قومیں ڈول کی ایک بوند کے مانند ہیں اور پلڑے کی مہین گرد کے مانند گنی جاتی ہیں ۔ دیکھ وہ بحری ممالک کو ایک ذرے کی مانند اُٹھا لیتا ہے ۔ لبنان ایندھن کے لئے کافی نہیں اور اس کے بہائم سوختنی قربانی کے لئے بس نہیں ۔ ساری قومیں اُس کے آگے کچھ چیز نہیں بلکہ وہ اُس کے نزدیک بطالت اور ناچیز سے بھی حساب میں کمتر ہیں ۔" (یسعیاہ باب ۴۰ ۔ آیات ۱۲ - ۱۸)

اس کا مقابلہ زبور ۸ کی ان آیات سے کیجئے :۔

" جب میں تیرے آسمانوں پر جو تیری دستکاریاں ہیں دھیان کرتا ہوں اور چاند اور ستاروں پر جو تو نے بنائے تو انسان کیا ہے کہ تو اُس کی یاد کرے اور آدمزاد کیا کہ تو آ کے اُس کی خبر لے ؟ تو نے اُس کو فرشتوں سے تھوڑا ہی کم کیا اور شان و شوکت کا تاج اُس کے سر پر رکھا ہے تو نے اُس کو اپنے ہاتھ کے

کاموں پر حکومت بخشی تو نے سب کچھ اُس کے قدموں کے نیچے کیا ہے۔"

زبور میں خدا کا ذکر ان الفاظ میں ہے :-

"تیری روح سے میں کدھر جاؤں ؟ اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں ؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہا ہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا اور تیرا داہنا ہاتھ مجھے سنبھال لے گا۔ اگر میں کہوں کہ تاریکی تو مجھے چھپا لے گی تب رات میرے گرد روشنی ہو جائے گی۔ یقیناً تاریکی تیرے سامنے تیرگی نہیں پیدا کرتی پر رات دن کی مانند روشن ہے تاریکی اور روشنی دونوں یکساں ہیں۔" (زبور[ل] ۱۳۹۔ آیات ۷-۱۲)

اسی سلسلہ میں اُنھوں نے بعض غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا اور اُن اعتراضات کا جواب دیا جو یہوواہ پر کئے جاتے تھے مثلاً کتاب پیدائش میں بتایا گیا تھا کہ خدا نے چھ دن میں تکوینِ عالم سے فرصت پائی اور ساتویں دن کو مبارک کیا اور انسان کو حکم ہوا کہ وہ چھ دن محنت کرے لیکن ساتویں دن آرام کرے (باب ۲ آیات ۱-۳، خروج باب ۲۰ آیات ۸-۱۱) اس سے بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ کیا خدا نے چھ دن تک بڑی محنت کی تھی کہ جس سے تھک کر ساتویں دن سو گیا ؟" اس کا جواب یسعیاہ نبی نے یوں دیا :-

"کیا تو نے نہیں جانا ؟ کیا تو نے سُنا ؟ خداوند سوا بدی خدا ہے زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا۔ وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا اُس کے فہم کی تھاہ نہیں ملتی وہ تھکے ہوؤں کو زور بخشتا ہے اور ناتوانوں کی توانائی کو زیادہ کرتا ہے" (باب ۴۰ آیت ۲۸)

اسی طرح اُنھوں نے ثنویت کی بھی تردید کی۔ اہل ایران کے نزدیک دنیا میں دو زبردست قوتیں ہیں ایک تو نور اور نیکی کی قوت اور دوسرے تاریکی اور بدی کی قوت، یہ دونوں قوتیں دنیا کی حکومت کے لئے باہم نبرد آزما رہتی ہیں اور بالآخر قوت خیر کامیاب ہوگی۔ اس کی تردید میں یسعیاہ نبی خدا کی زبان سے کہلاتے ہیں :-

"میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں ۔۔۔۔ میں ہی روشنی بناتا ہوں اور تاریکی پیدا کرتا ہوں۔ میں سلامتی کو بناتا ہوں اور شر کو پیدا کرتا ہوں میں ہی خداوند ان سبھوں کا بنانے والا ہوں"

(یسعیاہ باب ۴۵۔ آیات ۵-۷)

کلامِ خدا

پیدائش عالم کے بارے میں یہودیوں کا اعتقاد تھا کہ دنیا خدا کے حکم سے وجود میں آئی۔ یہ وہی چیز ہے جسے مسلمانوں میں "کُن فیکون" کہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں بائبل کی بعض آیات قابلِ نقل ہیں :-

"اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اُجالا ہو گیا ۔۔۔۔۔۔
اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہو اور پانیوں کو پانیوں سے جدا کرے ۔۔۔۔۔۔ اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہو گیا" وغیرہ وغیرہ — (پیدائش باب ۱)

"خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور اُن کے سارے لشکر اُس کے منہ کے دم سے ۔۔۔۔۔۔ اُس نے کہا اور وہ ہو گیا اُس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا" (زبور ۳۳۔ آیات ۶-۹)

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا"

(یوحنا کی انجیل باب ۱)

[ل] اگرچہ زبور، داؤد سے منسوب ہے لیکن اُس کے مزامیر میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے یقین کے ساتھ داؤد سے منسوب کیا جا سکے۔

خدا بہ حیثیت خالق

یہودیوں میں تکوین عالم کا تخیل غالباً بابل والوں سے آیا تھا۔ اس کا بائبل میں متعدد مقامات پر ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے ہی صحیفے یعنی کتاب پیدائش کی ابتدائی آیتیں ہیں :۔

"ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا، اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔" (پیدائش باب ۱، آیات ۱، ۲)

شروع میں پانی اور اُس پر خدا کی روح کے جنبش کرنے کا تخیل بہت سے مذہبوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی آیت ہے :۔ "وکان عرشہ علی الماء" (خدا کا عرش پانی پر ہے) اسی طرح ہندوؤں میں خدا کا ایک نام نارائن ہے جس کے معنی ہیں "پانی پر حرکت کرنے والا۔" یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ زمین نہ صرف پانی سے پیدا ہوئی بلکہ پانی ہی پر قایم ہے چنانچہ زبور میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"زمین خداوند کی ہے اور اُس کی معموری بھی جہان اور اُس کے سارے باشندے اُس کے ہیں اس لئے کہ اُس نے اُس کی بنا پانیوں پر رکھی اور اُسے سیلابوں پر قایم کیا۔" (زبور ۲۴۔ آیات ۱-۲)[1]

خدا دنیا کا خالق ہونے[2] کے باعث اُس کا حکمراں بھی ہے۔ عموس نبی فرماتے ہیں :۔

"اُس کی تلاش کرو جس نے ثریا اور جبار ستاروں کو بنایا ہے جو موت کی پرچھائیں کو صبح کر دیتا اور دن کو اندھیری رات کرتا ہے اور سمندر کے پانیوں کو بلاتا ہے اور اُنھیں روئے زمین پر انڈیلتا ہے، اس کا نام خداوند ہے۔" (عموس باب ۵ - آیت ۸)

اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کا قبیلائی معبود یہوداہ کس طرح بعض مفکرین کی کوششوں سے ساری دُنیا کا خدا، خالق اور حکمراں بن بیٹھا۔ لیکن باوجود اس کے خدا کے یہودی تخیل میں ایک بہت بڑا نقص ہے (اور وہ تقریباً ہر مذہب میں پایا جاتا ہے) یعنی خدا کو انسانی صورت اور صفات کا حامل بتایا جاتا ہے۔ اپنے قول کی تائید میں ہم چند آیتیں پیش کرتے ہیں :۔

خدا کی انسانی صورت اور صفات

(۱) خداوند تعالیٰ مہیب ہے۔ وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہ عظیم ہے۔ (زبور ۴۷ - آیت ۱)

(۲) میں نے خداوند کو اُس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور سارا آسمانی لشکر اُس کے پاس اُس کے داہنے ہاتھ اور اُس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ (۱ سلاطین باب ۲۲ - آیت ۱۹)

(۳) خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے، وہ سارے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو تاکتا ہے۔ (زبور ۳۳ - آیات ۱۳ - ۱۴)

(۴) خداوند کا تخت آسمان پر ہے اُس کی آنکھیں دیکھتی ہیں، اُس کی پلکیں بنی آدم کو آزماتی ہیں۔ (زبور ۱۱ - آیت ۴)

آخر میں ہم اُن پیغمبروں کے بارے میں تحقیقات جدید کا خلاصہ پیش کریں گے جو صحیح معنی میں توحید کے علمبردار تھے یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ۔ اگرچہ انھوں نے خدا کا جو تخیل پیش کیا تھا وہ بہت اعلیٰ نہ تھا لیکن بہ حیثیت توحید کے بانیوں کے اُن کا ذکر ناگزیر ہے۔

---

[1] یہاں پر میں ناظرین کی توجہ تالیس (زمانہ ۶۰۰ ق-م) کے اس قول کی طرف مبذول کروں گا کہ "پانی تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے، زمین ایک ناپید اکنار سمندر پر تیرتی ہے۔ اصل عنصر پانی ہے۔ باقی تمام عناصر اور اجسام پانی کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔" (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، داستان دانش۔ صفحہ ۱۵) اس سے صاف طور پر یہ بات عیاں ہے کہ یونانی عقیدہ کے مطابق زمین محض جزیرہ تھی جو پانی پر تیرتا ہوا اور پانی سے گھرا ہوا معلوم پڑتا تھا۔

[2] اس سلسلہ میں یسعیاہ باب ۴۵ - آیت ۱۸ اور زبور ۱۰۴ - آیات ۱ - ۵ ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ

یہودی روایت کے مطابق اُر میں تارح نامی ایک بُت ساز تھا۔ حضرت ابراہیم اُنھیں کے بیٹے تھے۔ ایک دن تارح ابراہیم کو دوکان پر بٹھا کر کسی کام سے گیا۔ دوکان پر ایک ضعیف شخص آیا جس نے مٹی کا ایک بت انتخاب کیا اور خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ لڑکے نے پوچھا کہ وہ اُسے خرید کر کیا کرے گا۔ جب لڑکے کو معلوم ہوا کہ وہ اُس کی پرستش کرنے گا، تو اُس نے اظہار تعجب کیا کہ ایک ایسا بزرگ شخص ایک ایسی شے کی تعظیم کرے گا جو کل ہی بنائی گئی تھی اور ہنوز اُس میں آنوے کی گرمی باقی تھی۔ اُس نے بڈھے اور ہر خریدار پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ بت بیکار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بُت بھی نہ بکا اور جب وہ بازار سے ان بتوں کو لے کر لوٹا تو اُس نے انھیں سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا اور اُن سے پوچھا کہ کیا وہ اُسے کھانا پانی دیں گے اور جب اُسے جواب نہ ملا (اور ملتا بھی کیسے وہ محض لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے تھے) تو اُس نے اُنھیں ٹھوکر ماردی اور ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔

بعد ازاں اُس نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اُس کے کارخانہ میں سب سے طاقتور بت کون ہے اور جب اُسے یہ بتایا گیا کہ سب سے بڑا بُت سب سے طاقتور ہے تو اُس نے اُس کے سوا سب کو توڑ کر چکنا چور کر دیا۔ واپسی پر تارح نے بد حواسی سے پوچھا کہ یہ آفت کس نے برپا کی اس پر ابراہیم نے بڑے بُت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اُس نے سب کو توڑ ڈالا ہے۔ ناراض دوکاندار نے قسم کھا کر کہا کہ یہ جھوٹ ہے اسلئے کہ وہ بُت محض پتھر کا ایک ٹکڑا ہے اور وہ یہ کیسے کر سکتا تھا۔ لڑکے نے باپ کی زبان پکڑ لی اور بولا کہ پھر اُن کی پرستش بے کار ہے۔ جب ابراہیم اپنی بدعتوں سے باز نہ آیا تو اُسے عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہاں اُس نے مزید فلسفیانہ گفتگو کی۔ بُت محض کسی شے کی نقل ہوتے ہیں اس لئے بجائے نقل کے اصل کی عبادت کرنا چاہئے (انسان سورج، چاند، ستاروں یا آگ، پانی اور ہوا کی بجائے خود پرستش کیوں نہ کرے اور اُن کے بُت کیوں بنائے؟) لیکن وہ بھی امتحان لینے پر مخلوق ثابت ہوئے نہ کہ خالق، حضرت ابراہیم کو تمام مناظرِ فطرت کے پیچھے ایک غیر مرئی اور محیط کل خدا کی ذات نظر آئی جس کی پرستش کی طرف اُنھوں نے لوگوں کو بلایا۔

یہودی ادب میں سب سے پہلے یہ روایت کتاب جُبلی میں نظر آتی ہے جو ۱۳۵ ق۔م کے بعد لکھی گئی تھی اور اس کے بعد مدراشم میں جو بیشتر حضرت مسیح کے بعد لکھی گئیں۔ یہی یہودی روایت اسلامی روایت کا ماخذ ہے جس کا قرآن و احادیث میں ذکر ہے لیکن تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔

مذکورہ یہودی روایت تاریخی لحاظ سے چنداں اہم نہیں۔ خود یہودی اسے غیر مستند مانتے ہیں۔ عہد نامہ عتیق میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتا اس کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ عہد نامہ عتیق کے لکھنے والوں کے زمانہ تک یہ روایت گھڑی نہ گئی تھی اور اُنھیں اس کا علم نہ تھا اور دوسرے یہ کہ اُنھوں نے اسے نقل کرنے کے قابل نہ سمجھا ان میں سے اول الذکر صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسی سلسلہ میں آتشِ نمرود کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اسلامی روایت کے مطابق جب حضرت ابراہیم کو اُن کے والد نے شاہ وقت نمرود بن کُش کے حوالہ کر دیا تو اُس نے اُنھیں آگ میں ڈلوا دیا لیکن خدا کے حکم سے آگ بجھ گئی اور وہ بچ گئے۔ اس روایت پر ڈاکٹر تسڈل نے اپنی کتاب "ماخذ القرآن" میں تفصیلی بحث کی ہے جو نگار کے سالنامہ (جنوری، فروری ۴۵ء) میں شایع ہو چکی ہے یہ روایت محض ایک غلطی سے پیدا ہوئی یعنی کتاب پیدایش باب ۱۵ کی آیت ۷ ہے " میں خداوند ہوں جو تجھے کلدانیوں کے اُر سے نکال کر لایا"۔ جوناتھن نے اُر کو اور سمجھ لیا جس کے معنی عبرانی میں نور یا روشنی کے ہیں۔ لہذا اُس نے منقولہ آیت کا ترجمہ کیا " میں وہ خدا ہوں جس نے تجھے کلدانیوں کی آگ کی بھٹی سے باہر نکالا۔" اس طرح یہ تمام قصہ محض ایک لفظ کے غلط معنی کرنے سے پیدا ہو گیا ورنہ اس کی کوئی بنیاد نہ تھی رہی یہ بات کہ سب سے پہلے یہ غلطی جوناتھن نے کی تھی صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا۔ ممکن ہے اُس نے یہ خیال دوسرے لوگوں سے لیا ہو۔

بہر حال یہودی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد تارح (اسلامی روایت کے آذر) بُت ساز تھے اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اُن کا بت کیا تھا۔ چونکہ ابراہیم کلدانیوں کے اُر سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہاں نانّر یعنی چاند کے دیوتا کی پرستش کیجاتی تھی

اس لئے تارح قمر پرست رہے ہوں گے۔ اب اس چیز کو پیش نظر رکھ کر ان آیات پر غور کیجئے :-

"ابرہام کا خدا اور نحور کا خدا اور اُن کے باپ کا خدا ہمارے بیچ میں انصاف کرے۔" (پیدائش باب ۳۱ - آیت ۵۳)

یہ الفاظ لابن نے یعقوب سے حاراَن میں کہے تھے جہاں وہ چودہ سال سے اوپر رہ چکے تھے اور اُن سے پہلے جہاں تارح اور ابراہیم رہے تھے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ابراہیم موحد تھے تو اُن کا خدا اُن کے بھائی کا خدا کیسے ہوسکتا تھا مزید براں اُن کے باپ کا جو بت ساز تھا؟ ابراہیم کو خدائے واحد کا علم حاران میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد ہوا تھا اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا خدا تھا جو ان تینوں میں مشترک تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اُن کا "خاندانی معبود" ہی ہوسکتا تھا یعنی ترافیم۔ علاوہ ازیں اُس زمانہ تک "توحید" کا علم بھی لوگوں کو نہ تھا اس طرح ابراہیم کا خدا محض خاندانی معبود تھا جس کا شروع میں کوئی نام بھی نہ تھا اور عرصہ تک وہ "ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے خدا" کے نام سے مشہور رہا۔ جیسا کہ خروج کی ان آیات سے ظاہر ہے :-

"میں خداوند ہوں اور میں نے ابرہام اور اسحاق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے اُن پر ظاہر نہ ہوا۔" (خروج باب ۶ - آیت ۳)

سر لیونارڈ اولی لکھتے ہیں کہ :- "حضرت ابراہیم توحید پرست نہ تھے بلکہ "ایک بت کے پرستار" تھے اور اسی ایک بُت کی پوجا نے آگے چلکر توحید پرستی کی صورت اختیار کرلی۔"

حضرت موسیٰؑ مذہبی دُنیا میں حضرت موسیٰ کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ اُن کے مشہور احکام عشرہ نے یہودیوں کو بُت پرستی سے باز رکھنے اور اُن کی اخلاقی حالت کو درست کرنے میں بڑا کام کیا۔

حضرت موسیٰ کا زمانہ کوئی ۱۵۰۰ ق-م بتاتا ہے اور کوئی ۱۰۰۰ ق-م۔ عہد نامۂ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں جو (Pentateuch) کہلاتی ہیں روایتاً حضرت موسیٰ سے منسوب ہیں لیکن تحقیقات جدید کے مطابق اُنھیں ۴۵۰ ق-م میں عزرا اور نحمیاہ نے مرتب و مدون کیا تھا بعض علمار کو حضرت موسیٰ کے تاریخی وجود کے بارے میں شبہ ہے، اُن کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یہودیوں کو مصر کی غلامی سے نجات دلا کر کنعان میں لائے لیکن تاریخ سے یہودیوں کا مصر میں بہ حیثیت قیدی رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی بھی پردۂ خفا میں ہے۔ اُن کے بچپن کا افسانہ بابل کے بادشاہ سارگون کی حکایت سے ملتا جلتا ہے۔ خروج باب ۲ میں ہم پڑھتے ہیں :-

"اور جب وہ (موسیٰ کی ماں) اُسے آگے کو نہ چھپا سکی تو اُس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اُس پر لاسہ اور رال لگایا اور لڑکے کو اُس میں رکھا اور اُس نے اُسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھدیا۔" (آیت ۳)

اسی کے ساتھ سارگون کے متعلق کیونیفارم کی تختیوں کی تحریروں کو دیکھئے :-

"(۱) میں سارگون ہوں، طاقتور بادشاہ، اکاد کا بادشاہ۔ (۲) میری ماں ایک شہزادی تھی، اپنے باپ کو میں نہیں جانتا، میرے باپ کا ایک بھائی حکومت کرتا تھا۔ (۳) شہر ازوپیرن میں جو دریائے فرات کے کنارے ہے۔ (۴) میری ماں یعنی شہزادی حاملہ ہوئی، بڑی مشکل سے اُس نے مجھے جنم دیا۔ (۵) اُس نے مجھے سینٹھے کے ایک صندوق میں رکھا اور اُس نے میرے جانے کے راستے کو رال سے بند کیا۔ (۶) اُس نے مجھے دریا میں ڈال دیا جس نے مجھے ڈبویا نہیں۔ (۷) دریا مجھے بہا کر آکی پانی لے جانے والے کے پاس لے گیا۔ (۸) آکی پانی لے جانے والے نے ترس کھا کر مجھے اُٹھا لیا۔" وغیرہ وغیرہ۔

سارگون کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا (۲۷۵۰ ق-م) اس سے بعض عالموں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ کا افسانہ طفولیت سارگون کی حکایت سے ماخوذ ہے جسے عزرا نے موسیٰ سے چسپاں کر دیا اور یہ کہ عزرا نے اُسے بابل کی اسیری کے دوران میں سُنا ہوگا۔[1]

---

[1] ۵۸۶ ق-م میں بابل کا بادشاہ بنوکدنیزر (بخت نصر) نے فلسطین پر حملہ کیا اور یروشلم کو مسمار کر کے وہاں کے باشندوں کو قیدی بنا کر اپنے دارالحکومت کو لے گیا اور اُنکے ادب کو بھی ضایع کر دیا۔ (بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیے)

جدید تحقیقات کے مطابق دُنیا کی مختلف اقوام اپنے "ہیرو" کی پیدائش اسی طور پر بیان کرتی ہیں۔ یونانی، رومی اور جاپانی ادب میں بھی موسیٰ اور سارگون کی پیدائش سے ملتے جلتے افسانے بعض لوگوں کے بارے میں بیان کئے جاتے ہیں جو ان روایات کے مشترک الاصل ہونے کی بنا پر ہے اور یا پھر اس لئے کہ بعض اقوام نے دوسروں کے دیکھا دیکھی اُن سے ملتی جلتی روایات گھڑلی ہیں۔ بہرحال واقعی صورت کیا ہے اس کا بتانا ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔

حضرت موسیٰ کے قوانین

حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی کے علاوہ اُن کے مشہور قوانین پر بھی بابلی قوانین کا اثر نمایاں ہے۔ بابل کے حکمراں حمورابی (۲۱۰۰ ق-م) کے شہرۂ آفاق قوانین ایک آٹھ فٹ لمبی پتھر کی سل پر کندہ ملے ہیں اس میں ایک تصویر بھی ہے۔ جس میں حمورابی کو سورج دیوتا سے مجموعہ قوانین لیتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ قوانین سامی زبان میں ہیں (حضرت موسیٰ کی زبان بھی سامی تھی) اور حضرت موسیٰ کے قوانین سے ملتے جلتے ہیں۔ یقیناً موسیٰ نے ان قوانین سے استفادہ کیا ہوگا۔

بابل میں اسیری کے دوران میں یہودی لوگ ایران کے زردشتی مذہب سے بھی واقف ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ کی کہانی کے بعض حصے زردشتی مذہب کے اثر کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً بائبل میں ہم پڑھتے ہیں کہ "موسیٰ خدا پاس چڑھا اور خداوند نے اُسے پہاڑ سے بلایا اور کہا کہ تم یعقوب کے خاندان سے یوں کہیو اور بنی اسرائیل سے یوں بیان کیجیو" (خروج باب ۱۹- آیت ۳) اس طرح زند آویستا میں آہورا ماژدا، زردشت سے "مقدس سوالوں کے پہاڑ" پر بات کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ (فرگرد ۱۲-۱۹)

برخلاف اُن عالموں کے جو افسانۂ موسیٰ میں بابلی و ایرانی عناصر دیکھتے ہیں مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے اپنی کتاب "موسیٰ اور توحید" (Moses & Monatheism) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت موسیٰ یہودی نہ تھے بلکہ مصری تھے اور وہ فرعونِ مصر اخناتن کے مذہب کے پیرو تھے جو توحید کا اصلی بانی تھا، اپنے قول کے ثبوت میں اُنھوں نے جو بحث کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے[1]:-

(۱) حضرت موسیٰ کے یہودی النسل ہونے کا ثبوت اُن کا نام ہے جو یونانی میں موزیز (Moses) عبرانی میں موشے اور عربی میں موسیٰ ہے اگرچہ موسیٰ کے معنی نامعلوم ہیں لیکن ایک پرانا خیال ہے کہ یہ لفظ قدیم مصری زبان کے لفظ میس یا موس سے نکلا ہے جس کے معنی "بچے" کے ہیں اور یہ لفظ متعدد فراعنۂ مصر کے ناموں میں پایا جاتا ہے جیسے تھوتھ موس (یا تھوتھ میس) راموس (یا رامیسیس) جن کے معنی ہیں "را کا بیٹا" (یا را کا پیدا کیا ہوا) یا "تھوتھ کا بیٹا" (یا تھوتھ کا پیدا کیا ہوا)۔ موسیٰ پورا نام نہیں ہے اُس کا شروع کا حصہ لوگوں نے بھلا دیا اور وہ آخری حصے کے نام سے مشہور ہوگئے۔

(۲) اگرچہ آٹن پرستی کے بارے میں ہماری معلومات اتنی مکمل نہیں ہیں کہ اُس کا یہودی مذہب سے تفصیلی موازنہ کیا جاسکے جو کافی تبدیلیوں کے بعد انتہائی ترقی یافتہ صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن کسی حد تک ایسا مواد ضرور موجود ہے کہ جس سے آٹن پرستی اور یہودیوں کے قدیم مذہب کی مشابہتوں کا پتہ چلتا ہے مثلاً آٹین یا آٹن کا مقابلہ سریانی کے ایڈونائی (ایڈونیس) سے کیا جاسکتا ہے جسے یہودیوں نے یہوواہ کے نام کے طور پر اختیار کرلیا۔ مصر میں یہ نام غالباً سریانی شہزادیوں کے ذریعہ پہونچا تھا جن کی شادیاں مصر کے شاہی گھرانے میں ہوئی تھیں اور غالباً خود اخناتن کی ملکہ نیفرتتی ایک سریانی شہزادی تھی۔

(۳) اپنے معبود کے عالمی تخیل میں اخناتن نے لاغیریت پسندی کا بھی اضافہ کیا تھا وہ کہتا ہے کہ "اے تو، واحد خدا! تیرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں"۔ اُس کے حکم کے بموجب دوسرے دیوتاؤں کے معبد بند کردئے گئے اور اُن کی پرستش پر روک لگا دی گئی۔ یہودی مذہب اس سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۰) اس کے ایک صدی بعد فارس کے بادشاہ سائرس نے بابلی سلطنت کا خاتمہ کردیا اور یہودیوں کو یروشلم واپس جانے کی اجازت دیدی اس واپسی کے بعد عزرا اور نحمیاہ نے ۴۵۰ ق-م عہدنامۂ قدیم کی پہلی پانچ کتابوں کی ترتیب و تدوین کی، جنھیں غلطی سے حضرت موسیٰ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

[1] فرائڈ نے اپنی تحقیقات میں (E. Sellen) اور (E. Meyer) کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے۔

بھی زیادہ توحید پسند تھا۔ یہوواہ بھی ایک لاغیریت پسند معبود تھا جو اپنے حضور کسی دوسرے معبود کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔

(۴) آتن کے لئے ہر قسم کی شکلیں وشبیہیں بنانا ممنوع قرار دی گئی تھیں بجز قرص آفتاب کے جو معہ اپنی شعاعوں کے معبود کا ایک مظہر اتم اور زمین پر حیات کا منبع تھا اسی لئے اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ یہودی مذہب نے بھی خدا کے لئے ہر قسم کی تصویر وعلامت بنانے کی ممانعت کی، علاوہ ازیں آفتاب پرستی کو بھی مطلقاً ترک کر دیا۔

(۵) اخناتن کے مذہب میں حیات بعد ممات اور اوسیریز کی پرستش کے بارے میں مطلق خاموشی ہے اگرچہ یہ چیز توحید پرستی کے منافی نہ تھی تاہم مصر کے عوامی مذہب کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ مصر میں حیات بعد ممات اور اوسیریز کی پرستش پر بڑا زور دیا جاتا تھا اسی طرح یہودیوں کے قدیم مذہب میں بھی حیات بعد ممات کا تخیل نہیں پایا جاتا۔

(۶) اخناتن کے مرنے پر مصر میں ایک زبردست خلفشار پیدا ہوا۔ توت عنخ آمین نے اُس کے مذہب کو منسوخ کر دیا اور آمین را کے پجاریوں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کر لی۔ اسی زمانہ میں موسیٰ نامی ایک طاقتور مصری نے (جو غالباً شہزادہ، پروہت یا گورنر اور آتن کے مذہب کا پیرو تھا) اپنی طاقت اور رتبہ سے فایدہ اُٹھایا۔ وہ یہودیوں کا سرغنہ بن گیا اور انھیں مصر سے نکال کر فلسطین لے چلا تاکہ ایک نئی سلطنت قایم کرے۔ اسی سلسلہ میں اُس نے یہودیوں پر ختنہ کی رسم مسلط کی تاکہ وہ غیر ملکیوں سے ممیز ہو سکیں۔ ختنہ ایک خالص مصری رسم تھی۔ یہودیوں میں اُس کا اپنایا جانا اُن کے مذہب کا مصری الاصل ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

(۷) پروفیسر فرائڈ کا یہ بھی خیال تھا کہ بائبل میں دو مختلف افراد کو حضرت موسیٰ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لایا اُس موسیٰ سے بالکل الگ تھا جو یہوواہ اور بنی اسرائیل میں واسطے کی حیثیت سے نظر آتا ہے اور جو مدیان کے کاہن تیرو کا داماد تھا۔ ان میں سے اول الذکر کو اُس کے متبعین نے باہمی بغاوت کے سلسلہ میں ہلاک کر دیا۔ اس چیز کا پتہ (E. Sellen) نے موسیع نبی اور بعد کے نبیوں کی کتابوں سے لگایا تھا۔ اور موسیٰ کی ہلاکت ہی نے غالباً بعد میں آمد مسیح کی امید دلائی۔ موجودہ مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ اُن قبایل نے جو بعد میں بنی اسرائیل کہلائے مصر سے فلسطین کو جاتے ہوئے ایک نیا مذہب اختیار کیا۔ یہ نیا مذہب یہوواہ کی پرستش تھی جو ایک آتش فشاں پہاڑ کا دیوتا اور خون کا پیاسا عفریت تھا۔ مدیان کا موسیٰ اسی یہوواہ کا پرستار تھا اور اُس نے ہی یہودیوں کو یہوواہ کی پرستش اختیار کرنے پر آمادہ کیا چونکہ مصر اور جزیرہ نمائے سینا میں کوہ آتش فشاں نہیں پائے جاتے بلکہ وہ پہاڑ جو موسیٰ اور اُس کے زمانہ کے بعد بھی آتش فشاں رہے ہوں گے عرب کی شمالی مغربی سرحد پر اور سینا کے مشرق میں واقع ہیں اس لئے ان میں سے کوئی پہاڑ سینائی حورب رہا ہوگا جسے یہوواہ کا مسکن مانا جاتا تھا۔ لہذا یہودیوں نے یہوواہ پرستی سینا کے دامن میں نہیں بلکہ مار یبہ کا دش میں ۱۳۵۰ اور ۱۲۱۵ ق۔م کے درمیان اختیار کی ہوگی۔ بعد ازاں اس نئے اور پرانے مذہب میں مصالحت کرانے کی کوشش کی گئی اور مذہبی روایات میں کافی تغیر و تبدل کیا گیا مثلاً ختنہ کی رسم کو بجائے حضرت موسیٰ کے حضرت ابراہیم سے منسوب کر دیا گیا تاکہ وہ مصری الاصل نہ معلوم ہو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور وہ شخص جو یہوواہ کا پروہت اور یترو کا داماد تھا ایک ہی مان لئے گئے اور اس طرح اپنے سردار کے قتل پر پردہ ڈالا گیا تقریباً ۸۰۰ سال تک یہوواہ کی پرستش کا زور رہا اور موسیٰ کا روحانی مذہب جس کی اُنھوں نے خروج کے وقت تعلیم دی تھی دبا رہا یہاں تک کہ اُسے اُبھرنے کا موقعہ مل گیا اور پیغمبروں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ خدا کو قربانی اور مراسم کی ضرورت نہیں بلکہ وہ انسانوں کو انصاف اور راستی کی زندگی بسر کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ہے فرائڈ کی تحقیقات کا خلاصہ اگرچہ اسے آنکھ بند کر کے تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور اس کی حیثیت ایک نظریہ یا مفروضہ سے زیادہ نہیں، تاہم اس میں مزید تحقیقات کرنے اور غور و فکر کرنے کے لئے کافی سامان موجود ہے۔

نتیجہ ـ جدید تحقیقات کے مطابق یہودیوں میں خدا کا تخیل پیدا ہونے کے متعلق تین نظریئے ہیں (۱) گرانٹ ایلن کے مطابق یہودیوں میں خدا کے تخیل کی ابتدا لنگ پوجا سے ہوئی لنگ دیوتا یہوواہ کی ذات میں دیگر معبودوں کی صفات شامل ہونے اور اُسکے مادی مظہر (جو ایک عمودی پتھر تھا) کے برباد ہونے کے بعد صحیح معنی میں توحید پیدا ہوسکی (۲) سرلیونارڈ وولی کے مطابق حضرت ابراہیم اپنے خاندانی معبود کے پرستار تھے۔ اسی ایک بُت کی پرستش نے تدریجی ترقی کے بعد توحید کی صورت اختیار کر لی۔ (۳) فرائڈ کے مطابق یہودیوں میں توحید کا تصور موسیٰ کی توسط سے پہونچا جو مصری النسل اور اخناتن کے مذہب کے پیرو تھے ـ مصر میں توحید کا تصور حکومت میں وسعت پیدا ہونے سے پیدا ہو سکا۔ تھوتھ موس سوم (۱۵۰۱-۱۴۴۷ ق۔م) نے جو مصر کا نپولین کہلاتا ہے سیریا، فنیقیہ اور فلسطین کو فتح کر کے حکومت مصر کا دائرہ بہت وسیع کر دیا، جس سے ایک بین الاقوامی معبود کا تخیل پیدا ہوا۔ علاوہ خدا کا تخیل فرعون ہی کا ایک عکس یا پرتو تھا۔ فرعون کے اختیارات میں توسیع خدائی اختیارات میں توسیع کے لئے لازم تھی۔

عیسوی مذہب

عیسائی مذہب کے بارے میں ہماری معلومات کا خاص ذریعہ "عہد نامۂ جدید" ہے جسے "عہد نامۂ قدیم" کی طرح الہامی مانا جاتا ہے۔ (ان دونوں کو ملاکر بائبل یا کتاب مقدس کہتے ہیں) لیکن باخبر حضرات جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ یا اُن کے براہ راست شاگردوں میں سے کسی نے کوئی تحریر نہیں چھوڑی تھی اور اسی لئے بائبل میں جا بجا تضاد پایا جاتا ہے۔

اگرچہ نیا عہد نامہ ۲۷ کتابوں پر مشتمل ہے لیکن ان میں چار انجیلیں خاص ہیں جو حضرت عیسیٰ کے چار رسولوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا سے منسوب کی جاتی ہیں یہ سنہ ۶۰ء اور سنہ ۱۱۰ء کے درمیان لکھی گئی تھیں۔ لیکن سب سے پہلے جس شخص نے ان کا ذکر کیا ہے وہ گال کا بشپ ایرینیس (Irenius) تھا جس کا زمانہ ۱۷۸ الغایت ۲۰۰ عیسوی ہے۔

انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی جو زندگی بتائی گئی ہے وہ غیر مستند ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے صحیح سوانح لکھے ہی نہیں جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک یہودی پیغمبر تھے جنھوں نے رائج الوقت مذہب سے انحراف کیا اور انھیں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ انجیلوں میں عیسیٰ کے جو سوانح حیات پیش کئے گئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:-

لفظ عیسیٰ، عبرانی، یسوع کی عربی صورت ہے جس کے معنی ہیں "نجات دلانے والا"۔ یسوع ہی سے لفظ جیسس (Jesus) نکلا ہے جو یونانی، لاطینی اور انگریزی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔

وہ یہودیہ کے شہر بیت لحم میں کنواری مریم سے پیدا ہوئے تھے، جن کا عقد یوسف نامی بڑھئی سے ہو چکا تھا لیکن قربت کی نوبت نہ آئی تھی۔ اُس کا وطن صوبہ گلیل کا شہر ناصرہ تھا جو یروشلم سے پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔ عیسیٰ کی تعلیم گھر ہی میں معمولی طریقے سے ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی سے وہ مذہبی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ تیس سال کی عمر میں اُنھوں نے اپنے نبی اور مسیح ہونے کا اعلان کیا اور اپنے شاگردوں میں سے بارہ حواری چُن کر چاروں طرف اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے روانہ کئے۔ وہ لوگوں سے یہ کہتے پھرتے تھے کہ جس مسیح (بمعنی "مسح کیا ہوا، مُنجی و شفیع") کی وہ موسیٰ کے زمانہ سے امید کرتے چلے آ رہے تھے اور جس کی دانیال نے اپنے مختصر صحیفے میں پیشین گوئی کی تھی وہ آ گیا ہے۔

ہر چند اُن کے ماننے والوں کی تعداد بہت جلد بڑھ گئی لیکن اُنکے دشمن بھی بہت سے پیدا ہوگئے، خصوصاً یروشلم کے وہ مذہبی رہنما جو فریسی کہلاتے تھے۔ وہ لوگوں کو اُسی مذہب کی طرف لوٹانا چاہتے تھے جو یہودیوں میں اُن کے بابل میں اسیر ہونے سے پہلے رائج تھا۔ اُن کا دوزخ جنت پر اعتقاد نہ تھا اور وہ تمام اُن تعلیمات کے مخالف تھے جو شریعت موسوی سے مختلف تھیں۔ برخلاف اس کے عیسیٰ نے وقتاً فوقتاً بہت سی ایسی باتیں کہیں تھیں جو فریسیوں کے نزدیک صریحاً بدعت یا کفر تھیں، یہی نہیں بلکہ عیسیٰ نے اُن کے حقوق میں بھی دخل اندازی کی تھی جو یوں ہے کہ:-

جب حضرت عیسیٰ تیس سال کے تھے تو وہ یروشلم گئے تاکہ عید فصح کے تہوار میں شریک ہوں لیکن بیت المقدس میں اُنھوں نے جو منظر دیکھا اُس کی تاب نہ لا سکے، یعنی خدا کے مقدس گھر میں صرافوں کی چوکیاں بچھی تھیں جہاں روپیہ کا لین دین ہو رہا تھا علاوہ ازیں کبوتر اور قربانی بیچنے والوں کا اژدہام تھا۔ اُنھوں نے غضبناک ہو کر ایک کوڑا جو وہیں پڑا تھا اُٹھا لیا اور جانوروں کو مندر کے صحن سے بھگا دیا اور

صرافوں کی چوکیاں اُلٹ دیں اور تاجروں سے ڈانٹ کر کہا کہ "یہاں سے یہ سب لے جاؤ، خدا کے گھر کو بازار نہ بناؤ"

اس واقعہ سے بیت المقدس کے کاہن از حد ناراض ہوئے کیونکہ اُنھیں کی اجازت سے مندر کے اندر خرید و فروخت ہوا کرتی تھی

۳۳ سال کی عمر میں عیسیٰ تیسری بار یروشلم عید فصح میں شرکت کے لئے گئے لیکن اب وہ اکیلے نہ تھے بلکہ ماننے والوں کا ایک بڑا گروہ انکے ساتھ تھا۔

اب کی بار پھر عیسیٰ کی آنکھوں نے وہی منظر دیکھا اور وہی کیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ فریسی اور سردار کاہن عیسیٰ کی جرأت پر دل ہی دل میں برہم ہوئے۔ جب تک وہ تنہا تھے تو اُنھیں کوئی خوف نہ تھا لیکن اب اُن کے ساتھ ایک جماعت تھی لہٰذا وہ اُن کی طاقت اور اثر سے ڈرنے لگے اور خفیہ طور پر جمع ہوئے تاکہ کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈ نکالیں کہ عیسیٰ اپنی تعلیم سے باز آجائیں اور لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

اس وقت اُن کے بارہ شاگردوں میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوطی تھا سردار کاہن کے پاس جاکر کہا کہ "اگر میں اُسے تمھارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے"۔ اُنھوں نے اُسے تیس روپے تول کر دئے اور وہ اس وقت سے عیسیٰ کو گرفتار کرانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔

رات کو عیسیٰ شہر سے باہر ایک باغ میں گئے جسے گتسمنی کہتے تھے، ان کے کل شاگرد ساتھ تھے، بجز یہوداہ بن شمعون کے جو سرشام ہی جدا ہو گیا تھا۔ چونکہ سب تھکے ہوئے تھے لہٰذا جلد ہی سو گئے آدھی رات کے وقت یہوداہ کی رہبری میں یہ لوگ مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے چلے۔ اُن کا شور سُن کر مسیح کے شاگرد فرار ہو گئے اور وہ گرفتار کرکے سردار کاہن کے گھر لے جائے گئے جہاں دوسرے کاہن جمع ہو گئے تھے۔

اُن پر یہ الزام لگایا گیا کہ:- "ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے کہ بیت المقدس کو جو ہاتھ سے بنا ہے ڈھاؤں گا اور تین دن میں دوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو"۔ علاوہ ازیں خود عیسیٰ نے سردار کاہن سے بحث کے دوران میں کہا کہ "تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنے طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے"۔ سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ کے کہا "اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی؟۔ تم نے یہ کفر سنا تمھاری کیا رائے ہے؟"۔ اُن سب نے فتویٰ دیا کہ وہ قتل کے لائق ہے۔ تب بعض ان پر تھوکنے اور اُن کا مُنھ ڈھانپنے اور اُن کو مکے مارنے لگے۔۔۔۔ اور پیادوں نے انھیں طمانچے مار مار کے اپنے قبضہ میں کر لیا" (مرقس باب ۱۴۔ آیات ۵۳-۶۵)

دوسرے دن عیسیٰ کو پنطس پیلاطس (Pontius Pilate) کی عدالت میں پیش کیا گیا جو یروشلم کا رومی گورنر تھا۔ اُسے یہودیوں کے مذہبی جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُس نے عیسیٰ سے جرح کی تاکہ معلوم کرے کہ وہ اُن سرغناؤں میں سے تو نہیں ہے جو لوگوں کو فلسطین کی رومی حکومت کے خلاف اُبھارتے ہیں اور اُسے معلوم ہوا کہ وہ باغی نہ تھے۔ وہ اُنھیں چھوڑ دینا چاہتے تھے لیکن عیسیٰ کے مخالفین نے دوسرے الزامات پیش کر دئے:

اُس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ عید کے موقع پر گورنر دو قیدیوں میں سے ایک کو جس کو لوگ چاہتے آزاد کر دیتا تھا۔ پلاطس کے سامنے دو قیدی تھے یسوع ناصری (عیسیٰ) اور یسوع برآبا جس نے رومی سلطنت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا لیکن گرفتار کر لیا گیا تھا اور موت کی سزا مقرر ہوئی تھی۔ پلاطس نے عدالت میں سرداروں سے پوچھا کہ تم کس کی رہائی چاہتے ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا "برآبا" کی!

برآبا کو آزاد کر دیا گیا اور عیسیٰ کو سپاہیوں کے حوالہ کر دیا گیا جو اُنھیں گلگتا (بہ معنی "کھوپڑی کی جگہ") نامی پہاڑی پر لے گئے اور صلیب پر چڑھا دیا۔ گھنٹوں صلیب پر چڑھے رہنے کے بعد عیسیٰ کا درد ناقابل برداشت ہو گیا اور آخر کار وہ مر گئے۔

"جب شام ہوئی تو یوسف نامی ارمتیاہ کا ایک دولتمند شخص آیا جو خود بھی یسوع کا شاگرد تھا اُس نے پیلاطس کے پاس جاکر لاش مانگی۔ اس پر پیلاطس نے دے دینے کا حکم دیا اور یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور نئی قبر میں رکھ دیا جو اُسنے

چٹان میں کھدوائی تھی اور ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کے چلا گیا۔ (متی باب ۲۷۔ آیات ۵۷ - ۶۰)

اس کے بعد وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹا ہوا پایا گیا اور مسیح کی لاش غائب تھی۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عیسیٰ مر کر زندہ ہو گئے اور آسمان پر جا کر خدا کے دائیں جانب جا بیٹھے۔ یہ ہے عیسیٰ کا افسانۂ حیات جو بائبل میں مذکور ہے۔

عیسائیت کی تاریخ

عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے بعد اس مذہب کے ماننے والوں میں وقتی طور پر انتشار پیدا ہو گیا لیکن اس کے بعد تیس سال کے اندر ہی اندر میں عیسائی مذہب یورپ کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔

عیسائی مذہب کی ترقی کے تین اسباب تھے (۱) اُس کی بعض خوبیاں جو اُس زمانہ کے مذاہب میں نہ پائی جاتی تھیں۔ (۲) عیسائیوں کا جوش و خروش اور پاکیزہ زندگی جو اُنھیں اُس زمانہ کے عیاشی میں مبتلا لوگوں سے ممتاز کرتی تھی۔ (۳) تبلیغی کوششیں خصوصًا پال (یا سال) کی کاوشیں جو غالبًا دُنیا کا سب سے بڑا مبلغ تھا۔

دیگر مذاہب کے اثرات

جب عیسائی مذہب فلسطین سے نکل کر پڑوسی ممالک میں پھیلا تو اُس وقت بحیرۂ روم کے آس پاس کے ممالک میں آفتاب پرستی کا رواج تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آفتاب پرستی کے بیشتر عناصر عیسوی مذہب میں داخل ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی کا سب سے عجیب واقعہ اُن کا کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہونا اور مر کر زندہ ہونا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ عیسوی مذہب میں دوسرے مذاہب سے آیا ہے اور آفتاب کے عروج و زوال سے تعلق رکھتا ہے۔ عیسوی مذہب کے آغاز سے پہلے مختلف ممالک میں ایسے دیوتاؤں کی کہانیاں رائج تھیں جو دوشیزاؤں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں، دشمن اُنھیں قتل کر دیتے ہیں اور وہ مر کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ مر کر زندہ ہونے والا دیوتا فی الحقیقت آفتاب تھا۔ جب وہ خط استوا کے جانب جنوب یا پاتال لوک کو جاتا تو موسم سرما یا خزاں کا آغاز ہوتا اور یہ گویا اُس کی موت تھی۔ جب وہ خط استوا سے شمال کی طرف جاتا اور گرمی یا فصل بہار آتی تو سمجھتے کہ وہ مر کر زندہ ہو گیا ہے ان دیوتاؤں کے نام مختلف ممالک میں مختلف تھے۔[1]

انھیں قصوں سے متاثر ہو کر حضرت عیسیٰ کا کنواری مریم سے پیدا ہونا اور مر کر زندہ ہونا بیان کیا جانے لگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عیسائیوں میں مریم کی تصویریں بنائی جاتی ہے کہ وہ گود میں ایک خوبصورت بچہ لئے ہوئے ہے۔ یہ صریحًا مصر کی آئی سس دیوی کی نقل ہے جسے ہورس کو گود میں لئے ہوئے دکھایا جاتا تھا۔ عیسائیوں میں اس تصویر کا سنہ عیسوی کی پہلی تین چار صدیوں میں پتہ نہیں چلتا۔ غالبًا اس کی بنیاد اسکندریہ کے کلیسا نے پانچویں صدی میں ڈالی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مرنے کے تیسرے دن ۲۱ مارچ کو بروز اتوار زندہ ہو گئے تھے۔ اس احیائے ثانیہ کی خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ یا اُس کے بعد کے پہلے اتوار کو ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں جس میں رشتہ داروں اور دوستوں کو رنگے ہوئے انڈے اور کیک بھیجے جاتے ہیں۔ دراصل یہ رسم اینگلو سیکسن قوم میں بہار کی دیوی ایسٹر کی پرستش کے لئے مخصوص تھی۔ ممکن ہے یہ وہی دیوی ہو جو سامی اقوام میں ایشتر، اشتار یا استارتہ کہلاتی تھی جس کی پرستش فنیقیوں کے ذریعہ سے انگلستان پہونچی ہوگی۔ ایشتر کو مادرِ زمین مانا جاتا تھا اور انڈے کی مشابہت زمین سے ظاہر ہے۔

عیسائیوں کا مشہور تہوار کرسمس ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی تاریخ ہے لیکن عیسیٰ سے پیشتر متعدد مر کر زندہ ہونے والے دیوتاؤں کی پیدائش بھی اسی تاریخ میں ظاہر کی جاتی تھی۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "مجموعہ استفسار و جواب جلد دوم" یا "من و یزداں جلد دوم" از مولانا نیاز فتحپوری
مسیح علم و تاریخ کی روشنی میں "مجموعہ استفسار و جواب جلد سوم" یا "من و یزداں جلد دوم" از مولانا نیاز فتحپوری
پادری مشتاق احمد صاحب پال نے بھی اپنی کتاب "میں نے کیوں اسلام قبول کیا" میں اس موضوع پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک دوسری آفتابی صفت یہ ہے کہ اُن کا چرخ چہارم پر رہنا بیان کیا جاتا ہے اور فیثاغورث کے نظامِ ہیئت کے مطابق آفتاب کی جگہ چوتھا آسمان ہے۔

حضرت عیسیٰ کے بارہ شاگرد ظاہر کرنا بھی سال کے بارہ مہینوں کے لحاظ سے ہے عیسیٰ سے پیشتر متھرا کے بھی بارہ شاگرد بیان کئے جاتے تھے اور یونان کا ہرقلیس بھی بارہ بڑے کام انجام دیتا ہے۔

۳۲۱ء میں قسطنطین نے یہ فرمان جاری کیا کہ آیندہ سے سبت بجائے ہفتہ کے اتوار کو منایا جائے کیونکہ ہفتہ کو یہودی سبت مناتے تھے اور وہ یہودیوں کے کل مراسم سے نفرت کرتا تھا، اُس نے کہا "یہ دن آفتاب ہمارے خداوند کا دن ہے" اُس وقت سے کلیسا نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور یہ بات بھلا دی کہ غیر عیسائی اقوام میں یہ آفتاب پرستی کا دن[1] تھا۔

مشہور ہے کہ عیسائیوں کا مقدس نشان صلیب قسطنطین اعظم کی اختراع ہے جسے اُس نے عالمِ خواب میں آسمان پر دیکھا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ صلیب کا نشان مسیح سے صدیوں پیشتر مصر، کلدانیہ، فنیقیہ، یونان، روم، آئرلینڈ حتیٰ کہ امریکہ میں زندگی کی علامت کے طور پر مستعمل تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ صلیب کا نشان تناسلی اعضا کی مرموز علامت تھا[2]۔

گرجا کی تعمیر بھی سورج دیوتا اپالو کے مندر کے نمونے پر کی جاتی ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت آلٹر یعنی مذبح کا گوشۂ مشرق میں ہونا ہے علاوہ ازیں رومن کیتھولک گرجوں میں کم عمر کے بچوں کا گیت گانے کے لئے رکھا جانا، تارک الدنیا مرد اور عورت (Monks & Nuns) کا رہنا بھی اپالو دیوتا کے مندروں کی یاد دلاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جس طرح اپالو کے راہب اپنے سر کے بالوں کو قرصِ آفتاب کی شکل میں کٹاتے تھے اُس کی نقل آج بھی عیسائی راہب اور کیتھولک پادری کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جسے آج کل عیسائی مذہب کہا جاتا ہے اُس میں کافی آفتاب پرستی پنہاں ہے۔ ان تفصیلات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اُن عقاید کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائیوں میں خدا اور عیسیٰ سے متعلق پائے جاتے ہیں۔

کنواری پیدائش

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر مرد کی قربت کے ایک معجزہ کی صورت میں پیدا ہوئے۔ اس طرح کی پیدائش کا عقیدہ عیسیٰ سے پہلے بھی مختلف اقوام میں پایا جاتا تھا۔ قدیم مصریوں کا اعتقاد تھا کہ اُن کی رانیاں دیوتاؤں کے ذریعہ حاملہ ہوتی تھیں۔ اہلِ یونان و روما بھی یہی سمجھتے تھے کہ خداوند زیوس انسانی عورتوں سے مباشرت کرتا ہے۔

(Diogenes Laertius) نے "حیاتِ افلاطون" میں لکھا ہے کہ اس کا بھتیجہ اس بات کا مدعی تھا کہ افلاطون کی ماں ایک دیوتا سے حاملہ ہوئی تھی[3] بعد کے بودھی ادب میں گوتم بدھ کی ماں کے بارے میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے۔ ان تمام باتوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ممکن ہے انھیں کی نقل میں حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کا قصہ بھی گھڑ لیا گیا ہو۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ عہد نامہ قدیم کا یونانی میں ترجمہ کرتے وقت یسعیاہ باب ۷۔ آیت ۱۴ میں "لڑکی" یا "نوجوان عورت" کے لئے عبرانی لفظ کا ترجمہ "کنواری" کر دیا گیا۔ اور پھر یہی غلطی عہد نامۂ جدید میں بھی داخل ہو گئی۔

آمدِ مسیح

تاریخ یہود کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک ایرانیوں، یونانیوں اور دیگر طاقتور اقوام سے مغلوب رہنے کے بعد ان میں حبِ الوطنی کا جذبہ پیدا ہوا اور اُنھیں یہوواہ کے وہ وعدے یاد آئے جو مختلف پیغمبروں کی تحریریں

---

[1] انگریزی سن ڈے (Sunday) ہندی اتوار مخفف ہے "آدیتہ وار" کا دونوں کے معنی ہیں سورج کا دن۔

[2] "ترغیباتِ جنسی" مصنفۂ نیاز فتحپوری (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) صفحات ۶۹ - ۷۰

[3] کہا جاتا ہے کہ جوپیٹر آمون اسکندر اعظم کی ماں اولمپیاس سے سانپ کے بھیس میں ملا تھا اور اس مواصلت سے سکندر پیدا ہوا (ترغیباتِ جنسی ص۷۰)

سے اُن تک پہونچے تھے اور وہ غیبی امداد کی امید کرنے لگے!

بنی اسرائیل اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ یہوواہ کی برگزیدہ قوم تھے جو واحد سچا خدا تھا اور اس بات کی توقع کرنے لگے کہ یہوواہ کی فوق الفطرت قوت سے اُن کے اجداد کی حکومت از سرِ نو قایم ہوجائے گی اور یہ کہ داؤد کے گھرانے کا ایک فرد بطور مسیح کے ظاہر ہوگا جو عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو اپنے عصا کے زور سے متحد کردے گا اور امن و امان کو قایم کرے گا۔

یہ عقیدہ اُن شاعروں اور پیغمبروں کا خاص موضوع تھا جو بابل میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، بنی اسرائیل کا عروج اور پرستارانِ یہوواہ کی دنیوی خوشحالی اُن کا اعلیٰ ترین نصب العین تھا اور مسیح سے ان کا مطلب کوئی روحانی نجات دہندہ نہ تھا جو گناہگاروں کو ازلی عذاب سے بچائے، کیونکہ وہ کسی قسم کی ابدی زندگی میں اعتقاد نہ رکھتے تھے اس لحاظ سے عیسائیوں کا عقیدہ آمدِ مسیح یہودیوں سے بالکل مختلف تھا اور غالباً ایران سے ماخوذ تھا جہاں آہورامزدا کے وعدے کے مطابق بروزِ محشر سوسیوشس کا عقیدہ رائج تھا۔

عیسیٰ کی قربانی کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو باغِ عدن میں رکھا اور زندگی یا علم کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا (باب ۲ آیات ۱۶ - ۱۷) لیکن اُنھوں نے حکم عدولی کی اور اس کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے، یہی گناہ انسان کی فطرت میں آگیا اور وہ مستوجب سزا ٹھہرا خدا کے انصاف کا تقاضہ تھا کہ انسان کو سزا دی جائے لیکن خدا کی محبت اُسے عذاب سے بچانا چاہتی تھی لہذا کفارہ کی ضرورت پڑی مگر کوئی انسان فطرتاً گناہگار ہونے کے باعث کفارہ نہ ادا کرسکتا تھا سوا مسیح کے جو ابن اللہ ہونے کے باعث گناہ سے بری تھے لہذا اُنھوں نے صلیب قبول کی اور انسانی گناہوں کو بخشوادیا۔ اس خیال کی تائید مختلف آیات سے ہوتی ہے۔

احیائے ثانیہ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ "مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اُٹھا" (اکرنتھیون باب ۱۵ آیات ۳ - ۴)

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ سے پہلے مختلف ممالک میں دیوتاؤں کے مرکر زندہ ہونے کا تخیل پایا جاتا تھا خصوصاً مصر میں جہاں اوسیریز کا مرکر زندہ ہونا عوام کے اعتقاد میں داخل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ مصر ہی سے یہ عقیدہ عیسوی مذہب میں داخل ہوا کیونکہ اسکندریہ عیسائی مذہب کی تبلیغ کا ایک خاص مرکز تھا۔

اسی سلسلہ میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عیسیٰ کے مرکر زندہ ہونے کے خیال کی تحریک اس طرح پیدا ہوئی کہ اُن کی لاش مدفن سے غائب ہوگئی تھی، اس باب میں کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ کی موت صلیب پر نہ ہوئی تھی۔ جب وہ صلیب سے اُتارے گئے تو غشی کی حالت میں تھے۔ لوگوں نے اُنھیں مُردہ سمجھ لیا اور اُن کا ایک شاگرد مسمی یوسف جو ارمتیاہ[1] کے شہر کا ایک دولتمند شخص تھا اُنھیں گھر لے گیا (متی ۲۷/۵۷، مرقس ۱۵/۴۳ - لوقا ۲۳/۵۱ - یوحنا ۱۹/۳۸) - اُن کی مرہم پٹی کی اور پھر اُنھیں بھگا دیا، اس کے بعد عیسیٰ نے اپنی بقیہ زندگی عیسینی نامی مذہبی فرقے کے درمیان محنت و مشقت اور غور و فکر میں گزار دی۔ جب سینٹ پال اُن سے ملا تو وہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے مسیح ہونے کے دعوے کو چھوڑ چکے تھے۔

عقیدۂ تثلیث اس میں ذرا شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ موحد تھے چنانچہ ایک جگہ وہ خدا کو "خدائے واحد اور برحق" کہتے ہیں (یوحنا ۱۷/۳) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: "تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸/۱۹)

حضرت عیسیٰ عقیدۂ توحید کے قایل تھے۔ لیکن بعد کو عیسائیوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا جس کے اسباب کچھ اور تھے۔

---

[1] یہ لوگ کریت کے نالے کے پاس آباد تھے جو یردن کے سامنے تھا (۱ سلاطین باب ۱۷ - آیات ۳ و ۴)

مثلث قدیم زمانہ میں ایک متبرک نشان سمجھا جاتا تھا اور اعضائے جنسی کی مرموز شکل تھا اگر اُس کی چوٹی نیچے ہوتی تو وہ نسائی عضو کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اگر اُس کی چوٹی اوپر ہوتی تو اُسے مردانہ عضو کی نشانی سمجھتے تھے اور دو مثلثوں کے میل سے جو چھ کونوں کا ستارہ بنتا ہے اُس کو دونوں اعضا کا اتصال سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کے تمام معابد میں اس قسم کے نشانات بکثرت دیکھنے میں آئے ہیں اور اُن کی اصطلاح میں انھیں مہر سلیمانی کہتے ہیں۔

قدیم مصریوں میں ہر مندر میں تین بت ہوا کرتے تھے:- (۱) دیوتا - (۲) دیوی - (۳) ان دونوں کا ثمرۂ اتصال یعنی بچہ، لیکن یہ تینوں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ہوتے تھے اور اس تثلیث کے اظہار کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک حلقہ میں مثلث کھینچ دیا جاتا تھا اس کے معنی سیت، ہورس اور شو تھے اور تینوں معبودوں کی تشریح یہ کی جاتی تھی کہ ہورس برسات ہے۔ سیت خشک سالی اور شو ہواؤں اور طوفانوں کا دیوتا ہے۔

قدیم مصریوں کی سب سے مشہور تثلیث اوسریز، آئسس اور ان کے بیٹے ہورس پر مشتمل تھی اور اسی تثلیث سے غالباً مسیحی تثلیث لی گئی جس کا مفہوم ان کے یہاں باپ، بیٹا اور روح القدس ہے[لے]۔

مصر کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی تثلیث یا ترمورتی کا تخیل پایا جاتا تھا۔ مثلاً:-

سمیری (بابلی)	ہندو	یونانی	رومی	کیفیت
اُنو	برہما	زیوس	جوپیٹر	آسمان کا دیوتا
ایا	وشنو	پوزیڈان	نیپچون	پانی کا دیوتا
بیل	مہیش (شیو)	ہیڈس	پلوٹو	زمین کا دیوتا[ہے]

ان دیوتاؤں کی خصوصیات سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ عدد "تین" کا تعلق مردانہ عضو کی ساخت کے علاوہ بعض دیگر اشیاء سے بھی تھا مثلاً آسمان زمین اور پانی (بحر المحیط جسے زمین کے چاروں طرف مانا جاتا تھا) زمان، مکان اور مادہ، طول، عرض اور اونچائی (ابعاد ثلثہ) اور زمانۂ موجودہ، گزشتہ اور آیندہ وغیرہ اس لئے تین کو ایک مرموز اور مقدس عدد مان لیا گیا۔

اقانیم ثلثہ

اگرچہ خدا کی ابوّیت کا تخیل یہودیوں میں بہت پہلے سے پایا جاتا تھا لیکن بعض کا خیال ہے کہ اُن میں اس خیال کو مستحکم کیا یونانی مذہب نے[سے]۔ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے دو صدی پہلے یہودی، یونانی دیومالا کے جوپیٹر (Jupiter) سے آشنا ہوئے جو نہ صرف تمام دیوتاؤں کا بلکہ ساری دُنیا کا باپ تھا اور ۱۷۵ اور ۱۶۳ ق۔م کے مابین اسی کی پرستش نے بابل اور شمالی فلسطین میں رواج پایا۔

پھر چونکہ جوپیٹر آسمان کا دیوتا تھا اس لئے عیسائی بھی خدا کو آسمانی باپ ماننے لگے اور حضرت عیسیٰ نے دُنیا میں ملوکیت الٰہیہ یا آسمانی بادشاہت (Kingdom of Heaven) کے قایم ہونے یا اُس کے آنے کی خوشخبری دی۔

یہودی مذہب میں خدا کا انسان سے وہی تعلق تھا جو ایک مطلق العنان حکمراں کا اپنی رعیت یا آقا کا اپنے غلام سے ہوتا ہے۔ لیکن عیسائی مذہب میں خدا اور انسان کا تعلق باپ اور بیٹے کا تعلق ہے۔ اس نئے تعلق کا قیام گویا انفرادی روح اور کائناتی روح کا اتحاد تھا۔

لے ترغیبات جنسی - مصنفۂ نیاز فتحپوری - مطبوعہ ۱۹۳۱ء - صفحات ۱، ۲ - ۳

ہے زمین میں اُس کی اوپری سطح اور اندرونی حصہ (پاتال لوک یا تحت الارض) دونوں شامل ہیں۔

سے ایک خیال یہ بھی ہے کہ خدا کی ابوّیت کا تخیل سامی قوم سے پہلے آریہ قوم میں پیدا ہوا۔

ابن اللہ یہودی اس بات کے ماننے کے لئے طیار نہ تھے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، وہ انھیں "یوسف کا بیٹا یسوع ناصری" (یوحنا ۱/۴۵) ہی کہتے تھے بلکہ بعض کو تو اس بارے میں بھی شبہ تھا اور وہ اُنھیں ناجایز مولود سمجھتے تھے۔ انھیں مریم کے عفیفہ ہونے میں شک تھا۔ خود حضرت عیسیٰ نے بعض مقامات پر اپنے کو "ابن آدم" کہا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے اکلوتے بیٹے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی کو خدا کا واحد بیٹا کیوں کہا جائے؟[1] کیا ہر شخص آسمانی باپ کا بیٹا نہیں ہوسکتا جبکہ استثنا باب ۱۴ کی آیت ۱ میں صریحاً مذکور ہے "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو" یا جیسا کہ موسیٰ فرماتے ہیں:- "کیا وہ تیرا باپ نہیں ہے جس نے تجھے مول لیا" (استثنا ۳۲/۶) ان سوالات کا ایک مختصر سا جواب یہ ہے کہ عہدنامۂ قدیم کی اُن عبارتوں میں جہاں پر کہا گیا ہے کہ "تم خدا کے بیٹے ہو" اُس سے محض خالق کی پدرانہ شفقت اور مخلوقات کی اطاعت کا اظہار ہے (جیسے بیٹا باپ کی اطاعت کرتا ہے) اس سے ان کا وہ مطلب نہیں ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ کی الٰہی ولدیت سے لیتے ہیں۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کا اپنے کو ابن اللہ کہنے سے کیا مطلب تھا کیونکہ اُنھوں نے خود اپنی کوئی تحریر نہیں چھوڑی ہے لیکن انجیلوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین میں ابن اللہ کے بارے میں دو تصور تھے۔ متی اور لوقا حضرت عیسیٰ کو اُن کی فوق الفطرت (یعنی کنواری مریم سے) پیدایش کی بنا پر خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ برخلاف اس کے یوحنا کی انجیل میں ابن اللہ کا جو تخیل پیش کیا گیا ہے اُس میں کافی فلسفہ پنہاں ہے۔

یہودی مذہب میں خدا کا تخیل عالم مادی سے اس قدر بلند ہے کہ تقرب خداوندی کا خیال بھی یہودیوں کے نزدیک خدا کی توہین ہے۔ اُس کا انسان سے تعلق ویسا ہی ہے جیسے خالق کا مخلوق سے، حکمراں کا رعیت سے یا آقا کا ملازم سے، خدا اور انسان کے درمیان علحدگی کی یہ وسیع خلیج حایل تھی اسے متعدد پیغمبروں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا خصوصًا اسوقت جب یہودی مذہب یونانی مذہب کے مقابل ہوا، جس میں خدا انسان سے بہت نزدیک تھا۔ اس خلیج کو پُر کرنے کے لئے اسکندریہ کے نوفلاطونی یہودیوں نے یونانی فلسفیوں کے نظریۂ کلام (Logos Theory) کا سہارا لیا۔ اس خیال کا محرک فیلو (Philo) اور اُس کے متبعین تھے۔ فیلو حضرت عیسیٰ کا ہم عصر بھی تھا لیکن اُن سے ناواقف (اُس نے اُن کا ذکر تک نہیں کیا) متعدد مستشرقین اور عہدنامۂ جدید کے نقادوں کا خیال ہے کہ چوتھی انجیل کا لکھنے والا فیلو کا پیرو اور حضرت عیسیٰ کا معتقد تھا کیونکہ صرف اسی انجیل میں حضرت عیسیٰ کو یونانی لوگس کا مترادف ٹھیرایا گیا ہے۔ اور اسی لئے اُس نے اپنی انجیل کا آغاز اُس مشہور آیت سے کیا ہے جس نے عرصہ تک عیسائی ماہرین دینیات کو دماغی اُلجھن میں مبتلا رکھا یعنی "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔" (یوحنا ۱/۱)

فیلو کے نزدیک جس کی تعلیم نوفلاطونی اسکول[2] میں ہوئی تھی لوگس سے مراد وہ مثالی تخلیق تھی جو عقل الٰہی میں اصل تخلیق سے پہلے موجود تھی مثلاً روشنی کی پیدایش سے پہلے خدا نے کہا کہ "اُجالا ہو"۔ یہ محض روشنی کے اُس تخیل کا مسموع اظہار تھا جو عقل الٰہی میں موجود تھا اُس نے ظاہری صورت اختیار کرلی۔ اس مثالی یا خیالی روشنی کو مادی روشنی اور غیر مرئی عقل الٰہی کی درمیانی کڑی کہا جاسکتا ہے۔ اس طرح مثالی تخلیق غیر مرئی خالق اور ظاہر مخلوقات کے درمیان واسطہ بن جاتی ہے۔ عقل الٰہی کا یہی خیال فیلو کا لوگس تھا۔ چونکہ یہ لوگس یا مثالی عالم کائناتی دماغ کا پہلا اظہار تھا اس لئے اسے "مولود اول" اور "پیدا کیا ہوا واحد بیٹا" کہا گیا۔ بہرحال ان کلمات کو فیلو اور اُس کے متبعین نے شاعرانہ یا استعارانہ انداز میں استعمال کیا تھا۔

---

[1] زبور ۲ کی ۷ویں آیت ہے: "تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا"۔

[2] نوفلاطونیت (Neo Platonism) جسے اشراقیت بھی کہتے ہیں تیسری صدی عیسوی کا ایک خاص فلسفہ تھا جو افلاطونی خیالات میں مشرقی باطنیت کی آمیزش سے پیدا ہوا تھا۔

اس نظریے کے مطابق عقل الٰہی میں تخلیق عالم سے پہلے کائنات میں موجود کل اشیاء کے مثالی نمونے موجود تھے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ انسان ظہور میں آئے ایک مثالی انسان یا اُس کا ایک مکمل نمونہ خدا کے ذہن میں موجود تھا۔

اب چونکہ چوتھی انجیل کا لکھنے والا فیلو کے نظریے کا حامی اور حضرت عیسیٰ کا معتقد تھا لہذا اُس نے حضرت عیسیٰ کو کلام مجسم، انسان کامل اور خدا کا بیٹا بنا دیا۔

روح القدس (Holy Spirit) عیسائی تثلیث کا تیسرا رکن ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے کتاب پیدائش میں اس کا یوں مذکور ہے:-

"اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی"

(باب ۱ - آیت ۲)

عہد نامۂ جدید میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے سلسلہ میں اس کا یوں تذکرہ ہے:-

"جب اُس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھا ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی" (متی باب ۱ - آیت ۱۸)

بعد ازاں یہی روح حضرت عیسیٰ کے بپتسمہ کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہے:-

"اور یسوع (عیسیٰ) بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اُس کے لئے آسمان کھل گیا اور اُس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں" (متی باب ۳ - آیات ۱۶ - ۱۷)

در اصل روح القدس کا تخیل وادی دجلہ و فرات کے سورج دیوتا اشور سے ماخوذ تھا جس کی علامت کو ایرانیوں نے اپنے خدا "آہورا ماژدا کی روح" کے لئے اپنا لیا اور اُسی اشور کی بدلی ہوئی صورت عیسائیوں میں روح القدس کے لئے بنائی جاتی ہے۔ (تصویر صفحہ ۱۱۲ پر ملاحظہ ہو)

بائبل میں بعض مقامات پر روح القدس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے گویا اُس کے لکھنے والے ہندوؤں کے آتما اور پرماتما کے تخیل سے واقف تھے۔ ایک طرف تو خدا کو "سارے جسموں کی جانوں کا خدا" کہا گیا ہے (گنتی ۱۶/۲۲) اور دوسری طرف "روحوں کا باپ" (عبرانیوں ۱۲/۹)

عیسیٰ اور تصوف

حضرت عیسیٰ کی زندگی پر نظر ڈالنے اور اُن کے اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صوفی منش انسان تھے چنانچہ انھوں نے اپنی روحانی قوت سے ہر قسم کے مریض اچھے کئے اور دوسرے صوفیوں کی طرح رہبانیت کی بھی تعلیم دی مثلاً

"دولتمندوں کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے" (متی باب ۱۹ - آیت ۲۳)

"اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کر دو" (لوقا - باب ۱۲ - آیت ۳۳)

وہ خود بھی مجرد تھے اور دوسروں کے لئے بھی تجرد ہی پسند کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے روحانیت پر بڑا زور دیا اور کہا کہ: "خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے" (لوقا ۱۷/۲۱) اور "میں اور میرا باپ ایک ہیں"[ل] ۔ "جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے" (یوحنا ۱۲/۴۵) اور یہی بات اُن کے ماننے والے بھی بیان کرنے لگے مثلاً "مسیح یسوع خدا کی صورت پر تھا" (فلپیوں ۲/۶) "وہ غیر مرئی خدا کی صورت ہے" (کلسیوں ۱/۱۵) "وہ خدا کے جلال کا پرتو اور اُس کی ذات کی صورت ہے" (عبرانیوں ۱/۳)۔ یہاں پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ ہی خدا کی صورت پر نہ پیدا کئے گئے تھے بلکہ کل انسانوں کو "خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اور اپنی مانند بنایا" (پیدائش باب ۱ - آیات ۲۶ - ۲۷) اس لئے کل انسان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ کامل ہوں۔

ل۔ برخلاف اس کے انھوں نے بعض مقامات پر اپنے کو خدا سے جدا فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے عبادت و ریاضت سے زیادہ خدمت اور عالمگیر اخوت پر زور دیا جسے ان کے مشہور شاگرد یوحنا نے
ِ نہایت ہی دلکش انداز میں پیش کیا یعنی :۔

"اے عزیزو۔ آؤ ہم ایک دوسرے سے محبّت رکھیں کیونکہ محبّت خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی محبّت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کو جانتا ہے محبّت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبّت ہے" (۱۔ یوحنا ۴/۷)

یسیٰ کی نبوت

عیسائی مذہب کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔ "خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں واسطہ بھی ایک ہے یعنی یسوع مسیح جو انسان ہے" (۱۔ تیمتھیس باب ۲۔ آیات ۴۔۵)۔ خود حضرت عیسیٰ کو بھی اس کا احساس تھا جیسا ان آیات سے ظاہر ہے :۔ "باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں بس جو کچھ میں کہتا ہوں جس طرح پ نے مجھ سے فرمایا اُسی طرح کہتا ہوں" (یوحنا ۱۲/۴۹۔۵۰)۔ "جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں ہے بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا" (یوحنا ۱۴/۲۴)

یسیٰ کی حکومت

عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا اکلوتا بیٹا مانتے ہیں جس کا خدا نے یوں اقرار کیا ہے "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں" (متی ۳/۱۷ ، ۵/۱۷) یہی نہیں بلکہ خدا نے اپنے سارے اختیارات عیسیٰ کو سونپ دئے ہیں یسا کہ عیسیٰ کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے : "آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ (متی باب ۲۸۔ آیت ۱۸)

عیسائیوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر خدا کے داہنی طرف بیٹھے ہیں اور "جب تک وہ سارے دشمنوں کو اپنے وں تلے نہ لے آئے اُس کو بادشاہی کرنا ضروری ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۵/۲۵)

انھیں خیالات سے وابستہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے اوتار تھے۔

یسیٰ : خُدا کا اوتار

عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ اب سے ۱۹۶۰ سال پہلے خدا نے حضرت عیسیٰ کے انسانی جامہ میں اوتار لیا تاکہ بنی نوع انسان پر اپنی محبت ظاہر کرے اور اُسے ازلی عذاب سے بچائے۔ دوسری صدی عیسوی سے پہلے اس عقیدہ کا پتہ نہ تھا۔ جسٹن شہید[۱] نے دوسری صدی کے وسط میں پہلی دفعہ اس نظریہ کو پیش کیا اور اپنی اس دریافت کو الہامی ار دیا[۲]

باپ اور بیٹے کا صحیح تعلق کیا ہے، ابتدائی صدیوں میں یہ مسئلہ خاص موضوع بحث تھا خصوصًا اسکندریہ میں یہ بحث اتنی بڑھی قسطنطین اعظم نے ۳۲۵ء میں ایک مجلس طلب کی اور پادریوں کے جھگڑے کا یوں فیصلہ ہوا۔ "مقدس کیتھولک کلیسہ اُن لوگوں کو ردود قرار دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب خدا کا بیٹا نہ تھا اور یہ کہ وہ (باپ سے الگ) کسی دوسرے جوہر سے بنایا گیا ور یہ کہ وہ مخلوق اور تغیر پذیر ہے"۔ اکثریت کی تائید سے یہ فیصلہ منظور ہو گیا۔

اس کے بعد پھر باپ اور بیٹے کا رشتہ معرض بحث میں آیا اور ۴۳۱ء میں ایفیسس کی مجلس میں اکابر دین نے یہ فیصلہ کیا کہ جو (باپ اور بیٹے کی) دو انواع کو تسلیم کرتا ہے نسطوری ہے اُسے قتل کر دیا جائے۔ اس طرح تلوار کی زور سے مذکورہ عقیدہ کو منوایا گیا۔

ُدا کی صفتیں

یہودیوں کی طرح عیسائی بھی ایک "ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا" (۱۔ تیمتھیس ۱/۱۷) میں اعتقاد رکھتے ہیں جو اول و آخر ہے۔ جس کی "ان دیکھی صفتیں یعنی اُس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی .... چیزوں کے ذریعے..

---

[۱] افلاطونی اسکول ایک فرد تھا جس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ وہ افلاطون کے اصول تثلیث میں اعتقاد رکھتا تھا۔

[۲] ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ اوتار کا خیال ہندوستان سے ماخوذ تھا۔

صاف نظر آتی ہے" (رومیوں ۱/۲۰)۔ "اُس سے مخلوقات کی کوئی چیز چھپی نہیں بلکہ جس سے ہم کو کام ہے اُس کی نظروں میں سب چیزیں کھلی اور بے پردہ ہیں" (عبرانیوں ۴/۱۳)۔ "وہ قادرِ مطلق ہے اُس کے کام بڑے اور عجیب ہیں" (مکاشفہ ۱۵/۳)۔ "وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لایق ہے کیونکہ اُسی نے ساری چیزیں پیدا کیں" (مکاشفہ ۴/۱۱)۔ "وہ انسانوں کا روزِ قیامت میں حساب کرے گا۔ (رومیوں باب ۲ - آیات ۵ - ۶)

وہ رحمدل بھی ہے :-

"خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے" (۲ کرنتھیون ۱/۳)

اور ظالم بھی :-

"ہمارا خدا بھسم کر دینے والی آگ ہے" (استثنا ۴/۲۴ ، عبرانیوں ۱۲/۲۹)

عہد نامۂ جدید میں سب سے بہتر خیال اُس کے ہمہ جا ہونے سے متعلق ہے - پولس نے ایتھنس کے وعظ میں اسی چیز کو بیان کیا:

"جس خدا نے دُنیا اور اُس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔ نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے کیونکہ وہ تو خود سب کو زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے اور اُس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام روئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی اور اُن کی میعادیں اور سکونت کی حدیں مقرر کیں تاکہ خدا کو ڈھونڈیں شاید کہ ٹٹول کر اُسے پائیں - ہر چند کہ وہ ہم میں کسی سے دور نہیں کیونکہ اُسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں" (اعمال باب ۱۷ - آیات ۲۴ - ۲۸)

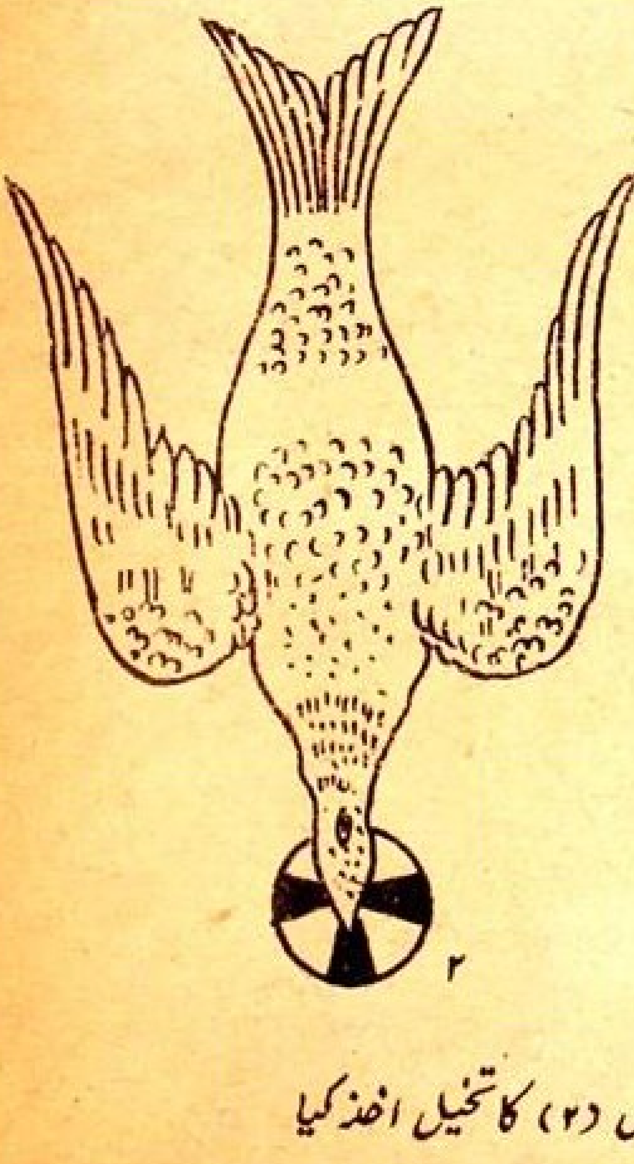

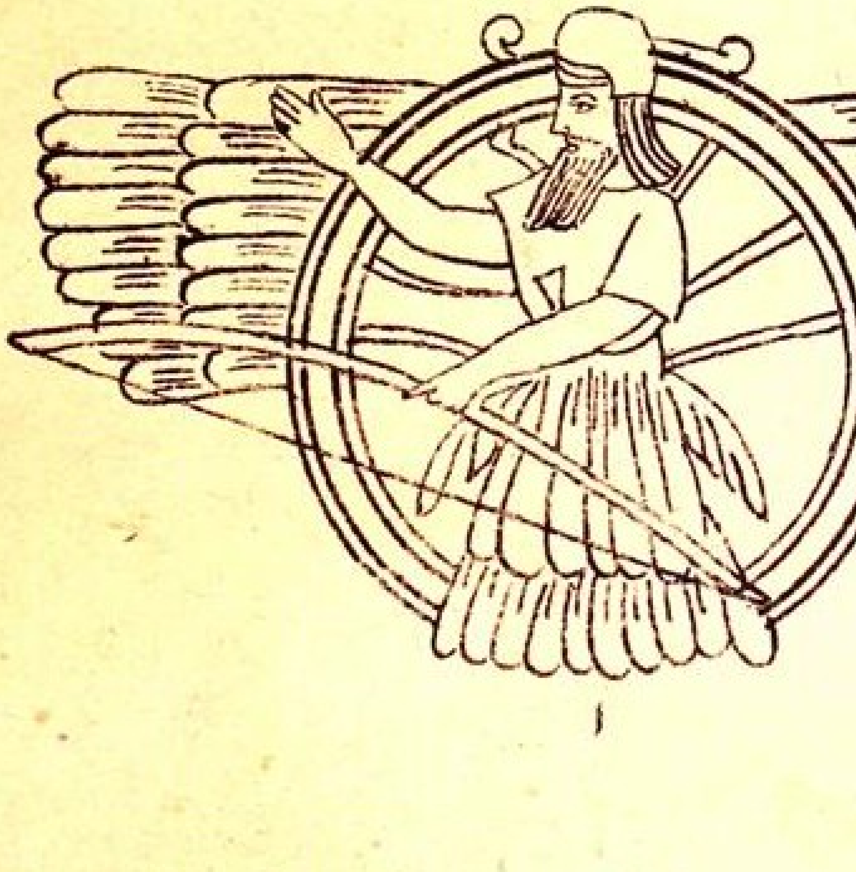

سورج دیوتا اشور کی تصویر (۱) جس سے عیسائیوں نے روح القدس (۲) کا تخیل اخذ کیا

مذہب اسلام

مذاہب عالم میں اسلام سب سے کم عمر ہے اور دیگر مذاہب کے خلاف اُس کا آغاز ماضی کی تاریکیوں میں گم نہیں ہے بلکہ اُس کا ظہور و انتشار ایک واضح تاریخی واقعہ ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ تک اسلام صرف عرب تک محدود تھا لیکن ان کی رحلت کے بیس سال کے اندر وہ پورے شرق اوسط پر چھاگیا۔ شام ۶۳۵ء میں، عراق ۶۳۶ء میں، فلسطین ۶۴۰ء میں، مصر ۶۴۲ء میں فتح ہوگیا اور ۶۵۰ء میں ایرانی سلطنت پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ اس کے بعد پورے شمالی افریقہ اور اسپین میں اسلامی حکومت قایم ہوگئی۔ مشرق میں اسلام ہندوستان، چین اور انڈونیشیا تک پھیل گیا اور آج اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد ۴۵ کروڑ ہے جو انسانی آبادی کے ساتویں حصّہ سے بھی زیادہ ہے۔

اسلام کی غیر معمولی کامیابی کا سبب نہ صرف رسول کی شخصیت اور نئے مسلمانوں کا جوش و خروش تھا بلکہ مذہب کی سادگی اور فطرت انسان سے اس کی مطابقت بھی کامیابی کی ضامن تھی۔ لفظ اسلام کا تعلق لفظ سلام سے ہے جس کے معنی "امن" و سلامتی کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ "سپردگی" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اسلام کسی خاص قوم کا مذہب نہیں بلکہ ساری دُنیا کا مذہب ہے اور وہ رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ اخوت اور مساوات اسلام کی خصوصیات ہیں، لیکن اسلام کے ظہور سے قبل عرب ذہنیت اس سے بالکل مختلف تھی۔

عرب کا ابتدائی مذہب

عرب، سامی قوم کا گہوارہ تھا، بابلی، آشوری، آرامی، کنعانی، فنیقی اور اسرائیلی اقوام ماضی بعید میں عرب ہی سے ہجرت کرکے عراق، شام، فنیقیہ اور فلسطین وغیرہ میں جاکر آباد ہوگئی تھیں —— اہل عرب سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہجرت نہیں کی، ان میں بھی دیگر سامی اقوام کی طرح شجر و حجر کے علاوہ سورج، چاند وغیرہ کی پرستش کا رواج پایا جاتا تھا، یہ جنات و شیاطین کے بھی قائل تھے اور دیوتاؤں کے بُت بناکر ان کی پوجا بھی کرتے تھے جنھیں عربی زبان میں اصنام، نصوب اور اوثان کہتے ہیں اور ان پر بسا اوقات انسانی قربانیاں بھی کی جاتی تھیں۔ ان کا سب سے خاص دیوتا سورج (شمس) تھا جس کے نام پر لوگ اپنا نام عبد شمس، عبد الشارق اور عبد محرق (محرق بہ معنی جلانے والا، سورج) رکھتے تھے سورج کے علاوہ ستاروں پر بھی نام رکھے جاتے تھے جیسے عبد الثریا اور عبد نجم وغیرہ۔ طوفان کے دیوتا کا نام قزح تھا۔

سورہ ۷۱ (نوح) کی آیت ۲۳ میں ان دیوی دیوتاؤں میں سے بعض کے نام یہ بتائے گئے ہیں:۔ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر۔ وَدّ، مرد کی صورت کا بُت تھا، سواع، عورت کی مورت تھی جس سے فسق و فجور کے جذبات وابستہ تھے۔ یغوث کی صورت شیر کی تھی، یعوق کی گھوڑے کی اور نسر کی گدھ کی۔ اگرچہ ان معبودوں کی پرستش قرآن میں نوح کی قوم سے منسوب کی گئی ہے لیکن علمائے مغرب کا خیال ہے کہ یہ در اصل اہل عرب ہی کے معبود تھے۔

سورہ ۵۳ (النجم) کی آیات ۱۹ - ۲۱ میں اللات، العزیٰ اور مناۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ انھیں اللہ کی بیٹیاں مانا جاتا تھا یہ بالترتیب چاند، زہرہ ستارے اور قسمت کی دیویاں تھیں۔ اللات، اللہ کی تانیث ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کی بیوی تھی بلکہ جیسے اللہ کے معنی "معبود" کے تھے اللات کے معنی "معبودہ" یا "دیوی" کے تھے۔ اس کا ذکر ہیرو ڈوٹس کی تاریخ

قدیم عربی کتبات اور قبل اسلامی شعرا کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ دھرتی ماتا تھی جس کی پرستش ساری دنیا میں ہوتی تھی۔ العزیٰ کے معنی "طاقتور" کے تھے۔ اس کی پرستش کا قوم سبا میں بھی پتہ چلتا ہے اور اس کے نام پر لوگ اپنا نام عبدالعزیٰ رکھتے تھے۔ ابن اسحٰق (متوفی ۷۶۸ء / ۱۵۱ھ) کے بیان کے مطابق العزیٰ محض ایک مکان تھا جس کی اہلِ قریش تعظیم کرتے تھے لیکن واقدی (متوفی ۸۲۲ء / ۲۰۷ھ) کا بیان ہے کہ وہ ایک بت تھا جس کے توڑنے سے ایک حبشی عورت برآمد ہوئی۔ یہ خود دیوی تھی۔ اُس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بت شکن نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قدیم مورخین کو اس دیوی کی ماہیت کا صحیح علم نہ تھا۔

"مذہب زردشت[1] کے بعض علماء کا خیال ہے کہ عرب پر پہلے ایرانیوں ہی کی حکومت تھی، چنانچہ مہ آبادیوں کی باقیات الصالحات میں ابھی تک مکہ اور مدینہ کا وجود پایا جاتا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک شہر مکہ، مہ آبادی، ایرانیوں کا آباد کردہ ہے۔ مہ آبادیوں نے وہاں ایک مندر تعمیر کیا جس میں چاند کی مورت رکھی تھی اور زحل کی یاد میں ایک سیاہ پتھر بھی نصب کیا۔ اس عبادت خانے کا نام مہ گہ یعنی "چاند دیوتا کی جگہ" رکھا جو کثرتِ استعمال سے مکہ ہو گیا[2] اور کیوان کا سیاہ پتھر حجرِ اسود، اسی طرح انھوں نے لفظ مدینہ کو مہ دینہ بتایا ہے جس کے معنی "چاند کی بستی" کے ہیں۔ اس لفظ مدینہ سے لفظ مدائن نکلا ہے جو ایران کا پایہ تخت تھا اور جہاں چاند کی مورتیوں کے بہت سے مندر تھے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عرب میں چاند کی دیوی کو منات کہتے تھے"۔ بہرحال مکہ ایک تجارتی مرکز تھا کیونکہ یہاں سے ہو کر ہندوستان کا مال مصر، عراق اور ایران وغیرہ جایا کرتا تھا۔ مکہ ہی میں عربوں کی مرکزی عبادتگاہ تھی جسے کہتے تو بیت اللہ (خانۂ خدا) تھے لیکن تھا وہ بُت خانہ جہاں سال کے دنوں کی مناسبت سے ۳۶۰ بُت نصب تھے۔ علاوہ ازیں کعبہ کی چھت پر ایک قوی ہیکل بت نصب تھا جسے ہُبل کہتے تھے۔ بعض قبایل اسے صنمِ اکبر مانتے تھے۔ اس کی ہیبت ایک تنومند فربہ آدمی کی تھی اور یہ تانبے یا سیسے کا بنا ہوا تھا۔ بڑی بڑی سربیاں اسی پر چڑھائی جاتی تھیں اور بغیر اس کی اجازت کے کسی اہم کام کی ابتدا نہ کی جاتی تھی۔ اسکے سامنے ہمیشہ سات تیر پڑے رہتے تھے۔ ان پر ہاں یا نہیں لکھا ہوتا تھا۔ کوئی عرب جب کوئی کام کرنا چاہتا تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتا اور ہاں یا نہیں جو کچھ نکلتا اُسی کے مطابق عمل کرتا۔ غالبًا یہ وہی دیوتا تھا جسے اہلِ فنیقیہ بعل کہتے تھے۔

ان بتوں کے علاوہ اُن میں خدائے برتر کا اعتقاد بھی پایا جاتا تھا جسے اللہ یا اللہ تعالیٰ کہتے تھے۔ اللہ کا لفظ بہت پرانا ہے خود آنحضرت کے والد کا نام عبداللہ (یعنی "اللہ کا بندہ") تھا اور خانۂ کعبہ کو بیت اللہ (خانۂ خدا) کہتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کی اُن نظموں میں جنھیں المعلقات کہتے ہیں، لفظ اللہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ اپنے تمام معبودوں کو اللہ کا ماتحت سمجھتے تھے (اگرچہ وہ عملی طور پر دوسروں کی اللہ سے کہیں زیادہ تعظیم کرتے تھے) اللہ کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ اتنا بڑا معبود ہے کہ کوئی اُس تک نہیں پہونچ سکتا اس لئے چھوٹے چھوٹے سیکڑوں معبود اسی خیال سے پوجے جاتے تھے کہ وہ اللہ کی درگاہ میں شفیع ہوں گے۔ وہ اللہ اور جنوں میں رشتہ مانتے تھے (۳۷/۱۵۸) اور جنوں کو اللہ کا ساجھی سمجھتے تھے (۶/۱۰۰) اور اسی لئے اُن سے استمداد کرتے تھے (۷۲/۶) اللہ کے بیٹے بیٹیاں بھی مانے جاتے تھے (۶/۱۰۰) اللہ کی بیٹیوں کا کئی مقامات پر ذکر ہے (۱۶/۵۷، ۳۷/۱۴۹، ۵۳/۲۱)۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ اللہ کو خالق اور قادرِ مطلق مانتے تھے (۱۳/۱۶، ۳۱/۲۵، ۳۹/۳۸، ۴۳/۹، ۴۳/۸۷) شدید مصیبت میں اُسے یاد کرتے تھے (۱۰/۲۲، ۱۶/۵۳، ۲۹/۶۵، ۳۱/۳۲) سب سے بڑی قسم اللہ کی سمجھی جاتی تھی (۶/۱۰۹، ۱۶/۳۸، ۳۵/۴۲) وہ نذر و نیاز کے موقعوں پر اللہ کا حصہ دوسرے معبودوں سے الگ رکھتے تھے (۶/۱۳۶) اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر انھیں یا ان کے اسلاف کو اللہ نے دوسرے معبودوں کی پرستش سے منع کیا

---

[1] مولانا نیاز فتحپوری "انتقادیات" جلد دوم صفحہ ۴۵

[2] اہلِ ہنود موکشا یعنی "نجات کی جگہ" کہتے تھے۔

تا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے (۲۴/۱۴۲ ، ۳۶/۱۶۹)

صلاح کی ضرورت

اہلِ عرب مختلف قبیلوں میں منقسم تھے ۔ یہ قبیلے باہم لڑا کرتے تھے ۔ ذرا ذرا سی بات پر تلوار کھنچ جایا کرتی تھی اور سالوں کشت و خون کا بازار گرم رہا کرتا تھا ۔ سماج میں عورت کی حالت نہایت گری ہوئی تھی
تھیں غلاموں سے بدتر سمجھا جاتا تھا اور غلاموں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی ۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے یا پانچ چھ سال
ہونے پر زندہ دفن کر دیتے ۔ کثرت ازدواج اور اشتراک فی النسواں کا رواج تھا ۔ شراب خواری کا یہ عالم تھا کہ زیادہ پی جانے
ے اکثر موتیں ہو جایا کرتی تھیں اور جوئے کا ایسا شوق تھا کہ لوگ خود اپنی بازی لگا دیتے اور ہارنے پر غلام بن کر زندگی گزارتے ۔
نہ کعبہ کا طواف مرد اور عورت برہنہ ہو کر کرتے تھے اور بجائے ایک کے سیکڑوں معبودوں کے آگے جبیں سائی کرتے تھے ۔ ان
خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اصلاح کی سخت ضرورت تھی ۔ خود مکہ اور مدینہ میں یہودی اور عیسائی کثرت سے آباد تھے ۔ وہ
پنا مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے ۔ اگرچہ اس قسم کی کوئی منظم کوشش تو نہ کی گئی تھی تاہم بعض عربی قبایل اُنکے
زیر اثر آ گئے تھے اُن کا مذہب بہر حال عربوں کے مذہب سے افضل تھا ۔ کم از کم وہ بت پرست نہ تھے اس لئے بعض اہلِ عرب
خود اپنی اصلاح کی ضرورت محسوس کرنے لگے ۔ رسول اللہ سے پہلے ایک فرقہ عرب میں پایا جاتا تھا جو مذہبی اصلاح کا حامی تھا
س فرقہ کے لوگ اپنے کو " دین ابراہیمی " کا پیرو کہتے تھے لیکن اُن کے عقاید یہودیوں سے مختلف تھے لہذا یہودیوں نے انھیں
حنفی کہنا شروع کر دیا جس کے اصلی معنی " کافر " یا " بدعتی " کے ہیں لیکن بعد میں یہ لفظ دین ابراہیمی کے پیرو کے معنی میں استعمال
کیا جانے لگا اور تاریخ میں یہ فرقہ حنیف کے نام سے مشہور رہا ۔ اس فرقہ میں زید ابن عمر ایک بڑے پایہ کی شخصیت گزری ہے جس سے
خود رسول صلعم بہت متاثر ہوئے تھے ۔

محمدؐ کا ظہور

جب عربوں کی ذہنی اور اخلاقی حالت اتنی گر گئی تو عرب میں رسول اللہ کا ظہور ہوا ۔ آپ ۵۷۰ء میں مکہ میں پیدا ہوئے
بڑے ہو کر آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا ۔ اس سلسلہ میں آپ مکہ کی ایک متمول خاتون جناب خدیجہ کا سامانِ تجارت
لے کر شام گئے ۔ حضرت خدیجہ ان کی غیر معمولی شخصیت سے اتنا متاثر ہوئیں کہ شادی کا پیغام دے دیا ۔ حالانکہ اُن کی عمر ۴۰ سال کی تھی اور محمدؐ
کی صرف پچیس سال کی تھی ۔ بہر حال یہ شادی نہایت کامیاب رہی اور آپ فارغ البال ہو کر زیادہ سے زیادہ وقت عوام الناس کی خدمت
اور غور و خوض میں صرف کرنے لگے ۔ دیگر مذہبی رہنماؤں کی طرح وہ بھی بچپن سے غور و فکر کے عادی تھے ۔ آپ اکثر کوہ حرا پر چلے جاتے
اور کئی کئی دن ایک غار میں بیٹھے سوچا کرتے ۔ انھیں افسوس تھا اپنی قوم کے ذہنی و اخلاقی انحطاط کا اور روحانیت کے فقدان کا ۔

وہ فرقہ حنیف کی تعلیمات خصوصاً زید ابن عمر کے خیالات سے کافی متاثر تھے ۔ انھیں یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تبادلۂ خیال کا
موقع ملا کیونکہ بعض عرب قبایل نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور عرب میں یہودی اور عیسائی کافی تعداد میں آباد تھے ۔ خود حضرت خدیجہ کے برادر
عم زاد ورقہ نے یہودیت اختیار کر لی تھی اس لئے ممکن ہے کہ محمدؐ کو بائبل سننے کا بھی اتفاق ہوا ہو اور جب وہ بہ سلسلۂ سفر شام گئے ہوں تو صابئین
کے عقاید سے بھی واقفیت حاصل کی ہو ۔

مروجہ مذاہب[2] سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ایک اصلاحی تحریک کا خاکہ مرتب کیا اور ۶۱۰ء میں جب آپ کی عمر
چالیس سال کی تھی آپ نے تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کیا ۔

---

۱ یہودیوں ، عیسائیوں اور صابئین کا ذکر قرآن کے سورہ ۲ (البقر) کی آیت ۶۲ اور سورہ ۵ (المائدہ) آیت ۶۹ میں موجود ہے ۔

۲ سورہ ۲۲ (الحج) کی آیت ۱۷ میں مذکورہ فرقوں کے علاوہ مجوسیوں کا ذکر بھی پایا جاتا ہے ۔

جب رسول اللہ نے اپنی قوم کو یہ پیغام پہونچایا کہ بُت پرستی اور شرک کو چھوڑکر ایک خدا کی پرستش کرو تو معدودے چند لوگوں کے بقیہ نے صاف انکار کر دیا بلکہ ان کا مضحکہ اُڑایا۔ لیکن جب آپ کی تبلیغی کاوشیں بڑھیں تو تجار مکہ خطرہ محسوس کرنے لگے کیونکہ بت پرستی کے ختم ہونے کے معنی تھے مکہ کی تجارتی اور مذہبی اہمیت کا زایل ہو جانا۔ لہذا آپ کو پہلے ہر طرح کا لالچ دیا گیا اور پھر آپ کے جانی دشمن ہو گئے چنانچہ رسول اللہ اور ان کے متبعین کو سخت تکلیفیں پہونچائی جانے لگیں اور دو بار آپ کو حبشہ، ایک بار طائف اور چوتھی بار مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی یہ آخری ہجرت ۶۲۲ء کا واقعہ ہے۔ اسی سال سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

مدینہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے پیغمبروں کی ہر طرح سے مدد کی۔ پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا لیکن اب وہ مدینۃ النبی یعنی "نبی کا شہر" کہلانے لگا۔ اس سے مکہ اور مدینہ والوں میں دشمنی بڑھ گئی اور خود رسول کو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے تلوار سنبھالنا پڑی پڑی۔ کئی جنگیں ہوئیں بالآخر ۶۳۰ء میں مدینہ والوں کے لشکر نے جو دس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا رسول کی قیادت میں مکہ پر چڑھائی کی اور شہر کو بہ آسانی فتح کر لیا۔ رسول کے اشارہ پر خانۂ کعبہ کے سارے بتوں کو مسمار کر دیا گیا (بجز حجر اسود کے جو اب بھی خانۂ کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے) اب مکہ والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور جب آپ نے اپنی زندگی کا آخری حج ادا کیا تو ایک لاکھ چودہ ہزار مومنین آپکے ساتھ تھے اور اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ ع ۱)

"الیوم اکملت لکم دینکم، واتممت علیکم نعمتی"

(آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

اور مختصر سی علالت کے بعد ۶۳۲ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

قرآن و احادیث

قرآن مسلمانوں کا مذہبی صحیفہ ہے جسے "کلام الہٰی" مانا جاتا ہے یعنی اُس میں جو کچھ لکھا ہے وہ محمدؐ پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا، جب آپ کو منصب نبوت عطا ہوا (۶۱۰ء) تو تنزیل وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ آپ کی وفات (۶۳۲ء) تک جاری رہا۔ چونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے جو پیغامات اُن تک پہونچتے وہ اپنے صحابہ کو یا تو حفظ کرا دیتے یا لکھوا دیتے۔ اُن دنوں کاغذ نہ تھا اس لئے لوگ کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے پیغمبر اسلام کے کاتب خصوصی زید بن ثابت کو اس پر راضی کیا کہ حفاظت کے خیال سے تمام ابواب کو یکجا کرو۔ اس طور پر سال دو سال میں قرآن مجید مرتب ہو گیا۔ حضرت عثمان خلیفہ ثانی کے عہد میں اس قرآن پر نظر ثانی کی گئی۔ یہی موجودہ قرآن ہے جو ۱۱۴ سورتوں یا ابواب پر مشتمل ہے۔

قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک دوسری مقدس چیز حدیث ہے، یہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور ان میں سے بعض موضوع ہیں لہذا ائمہ فن نے درایت کے اصول مقرر کئے ہیں جن سے ان کے صحیح یا غلط ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اب ہم قرآن و احادیث کی روشنی میں معبود کا اسلامی تصور پیش کرتے ہیں

اسلامی توحید

وحدانیت اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ مسلمان ہونے کے لئے کلمۂ طیبہ پر دل سے ایمان لانا ضروری ہے جس کا جزو اول توحید الٰہی سے متعلق ہے اور دوسرا جزو رسالت محمدی ہے:-

لا الٰہ الا اللہ (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا)[۱]

محمد رسول اللہ (حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)

---

[۱] بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ ژند آویستا کے "نیست ایزد مگر یزداں" کا لفظی ترجمہ ہے۔ اسی طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم (شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) "بنام یزداں بخشش گر دادار" کا ترجمہ ہے جس سے زردشتی اپنی کتابوں کو شروع کرتے ہیں۔

پنڈت سندر لال، گیتا اور قرآن، صفحہ ۱۱

توحید کے معنی ہیں کہ خدا اپنی ذات، صفات اور افعال میں ایک ہے۔ ذات کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ معبود کئی نہیں ہیں اور نہ اُس میں ایک سے زاید ذاتیں شامل ہیں۔ صفات کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ اُس کی جملہ صفات کسی شے یا شخص میں نہیں پائی جاتی ہیں اور افعال کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ جو کام اللہ کر سکتا ہے اُسے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا اور نہ اُس کے معاملات میں کسی دوسرے کو دخل ہے۔

قرآن کے ایک باب (۱۱۲) کا نام ہی "سورۂ توحید" ہے جسے ثلث قرآن کہتے ہیں اُس کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو ان سے کہو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس کی برابری کا ہے"۔

اس سورۃ کے ذریعہ، ثنویت، تثلیث اور کثرت پرستی ہر ایک کی تردید کی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن کے پہلے سورہ الفاتحہ (بمعنی "شروع"۔ "کھلنا") کا نقل کرنا بھی ضروری ہے:

"سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے بڑا مہربان، نہایت رحم والا (اور) انصاف کے دن کا حاکم (ہے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ چلا، اُن لوگوں کی راہ جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ اُن کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کی" (آیات ۱-۷)

دلایل توحید

قرآن نے اثبات الوہیت میں دو قسم کے دلایل پیش کئے ہیں۔ دلایل آفاق اور دلایل انفس۔ ان میں سے اول قسم اُن دلایل کی ہے جو مشاہدۂ کائنات سے حاصل ہوتے ہیں اور دوسری قسم کی دلایل کا ماخذ خود ہمارا نفس ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ہم ان کو اپنی دلیلیں کائنات میں اور خود اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر آشکارا ہو جائے کہ وہی حق ہے"

سورۂ ذاریات میں ہے:-

"اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے نفوس کے اندر بھی ہیں، کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ (۲۰-۲۱)

دُنیا کی ہر شے اپنے پیدا کرنے والے کا ثبوت ہے۔ صحیفۂ کائنات کے مطالعہ سے ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ضرور اس کارخانۂ عالم کا کوئی چلانے والا ہے۔ یہ مصنوعات کسی صانع کی محتاج ہیں۔ اسی لئے قرآن نے بار بار مطالعۂ کائنات کی تاکید کی ہے۔

مخلوقات سے خالق کا پتہ لگانے کے لئے قرآن نے جو مطالبہ کیا ہے اُس کا اندازہ ذیل کی آیات سے ہو سکتا ہے:-

(۱) "یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے کہ ان کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوں" (۲۲/۴۶)

(۲) "ارض و سما میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن سے یہ غافل لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں" (۱۲/۱۰۵)

(۳) "اے رسول! کہو کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ خدا کس طرح آفرینش کی ابتدا کرتا ہے" (۲۹/۲۰)

(۴) "اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کئے، جس نے بارشیں برسا کر تمھارے لئے پھل طیار کئے۔ سمندروں میں الٰہی قانون سے تیرنے والے جہاز تمھارے قبضہ میں دئے، نہریں تمھارے لئے مسخر کیں، گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمھیں حکمراں بنایا اور لیل و نہار کا سلسلہ تمھارے بس میں کر دیا۔ نیز تمھیں وہ سب کچھ دیا، جس کی تمھیں تمنا تھی" (۱۴/۳۲-۳۳)

اس آخری اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کائنات کا حاکم ہے، محکوم نہیں۔ اُسے ہر چیز کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ مناظر فطرت کی پرستش کرتا پھرے جیسا کہ اقوام سلف کرتی تھیں یا کرتی ہیں، نہ صرف کائنات کا حسن و جمال بلکہ اُس کا نظم و نسق بھی اپنے ناظم کا ثبوت ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

"بار بار دیکھو، کیا تمھیں اس لا انتہا سلسلۂ خلق میں کوئی بدنظمی نظر آتی ہے" (۶۷/۳)

"اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتے" (۲۱/۲۲)

حقیقت شرک شرک کے لفظی معنی ہیں "شریک کرنا" یعنی خدا کی ذات، صفات یا افعال میں کسی دوسری شے یا شخص کا شامل کرنا۔
قرآن کے مطابق "شرک ایک گناہ عظیم ہے" (۳۱/۱۳)

قرآنی ہدایت ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو عبادت نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے (۳/۶۴) اس کے سوا شرک کی ایک اور قسم ہے جس کی طرف قرآن میں یوں اشارہ کیا ہے" کیا تم نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے" (۲۵/۴۳) ۔ قرآن نے جا بجا کثرت پرستی، فطرت پرستی، بت پرستی، ثنویت اور تثلیث وغیرہ کی تردید کی ہے۔

شرک فی العبادات اسلام کے پانچ ارکان ہیں:۔ (۱) خدا اور رسول پہ ایمان لانا۔ (۲) دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا۔ (۳) ماہِ رمضان میں تیس دن کے روزے رکھنا۔ (۴) زکوٰۃ یعنی اپنی جمع شدہ دولت کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر خرچ کرنا۔ (۵) اگر استطاعت ہو تو حج کرنا۔

اگرچہ اللہ کا لفظ اور اُس کا تصور عربوں میں محمدؐ سے پہلے بھی پایا جاتا تھا لیکن ذہنی و عملی توحید کا فقدان تھا۔

نماز اور روزہ بھی دنیا کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھے کیونکہ صابئین دن میں سات وقت کی نماز پڑھتے تھے اور سال میں ایک مہینہ کے روزے رکھتے تھے لیکن طہارتِ نفس کے علاوہ ان کا مقصود اپنے مخصوص معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنا تھا لہذا رسول نے یہ شرط لگا دی کہ نمازیں پڑھو اور روزے بھی رکھو لیکن خدا کے لئے۔ نماز کا مقصد خدا کی عظمت کا اقرار اور اپنی فروتنی کا اظہار ہے علاوہ ازیں ایک دوسرا مقصد مسلمانوں میں اخوت اور مساوات کا احساس پیدا کرنا ہے۔ روز کی نمازیں محلے کے اجتماعات ہیں، جمعہ کی نماز کئی کئی محلوں کا اجتماع، عید کی نماز شہر اور حج مختلف شہروں اور ملکوں کے مسلمانوں کا اجتماع ہیں۔ رسول سے پہلے بھی حج ہوا کرتا تھا لیکن مرد اور عورتیں برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، لیکن رسول اکرمؐ نے اسے بھی منع کر دیا۔ اور عبادات کے سلسلہ میں جو مشرکانہ حرکتیں ہوتی تھیں اُن کو بھی دور کر دیا۔

قرآن نے خدا کی وحدت کے ساتھ نوعِ انسان کی وحدت پر بھی زور دیا۔ "رب العالمین" کے فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا دُنیا کی ساری قوموں کی یکساں نگہداشت کرتا ہے۔ سب اقوام کا خدا ہے ہر ایک سے یکساں پیش آتا ہے۔

اسم ذات خدا فارسی زبان کا لفظ ہے جسے "خود آ" کا مخفف سمجھا جاتا ہے یعنی وہ "ہستی جو خود سے وجود میں آئی ہو" لیکن معنوی اعتبار سے اس نام میں یہ نقص ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی لہذا اُس کے عدم سے وجود میں آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ غالباً یہ لفظ ٹیوٹانی زبان کے اُن الفاظ سے تعلق رکھتا ہے جن میں سے ایک لفظ انگریزی کا "گاڈ" (God) ہے اور یہی گاڈ، خدا ہو گیا۔

عربی میں خدا کا خاص نام اللہ ہے جو مخفف ہے الالٰہ کا۔ ال حرفِ تخصیص ہے لفظ الٰہ جو اسم نکرہ ہے معبود کے معنی میں کل سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔

عراق کی سامی زبان میں خدا کا نام ایل تھا چنانچہ مشہور شہر بابل کا نام مخفف ہے 'باب ایل' کا جس کے معنی ہوئے "خدا کا دروازہ"۔ آرامی زبان میں خدا کو ایل کہتے تھے۔ کنعانی میں بھی یہی لفظ تھا۔ عبرانی میں ایلوہ ہے جس کی جمع ایلوہیم آتی ہے۔ یہی آشوری زبان میں الٰہ تھا۔ اللہ کی پرانی صورت یعنی ایل فرشتوں کے ناموں کا آخری جز بھی ہے جیسے جبرئیل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل وغیرہ اور یہی سموئیل اور ایمنوئیل ایسے انگریزی ناموں کا بھی لاحقہ ہے۔ یہی نہیں پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:۔

> "رگ وید میں ایشور کے ناموں میں سے ایک نام اِلا ہے جو سنسکرت میں اِل دھاتو سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پوجا کرنا۔ رگ وید میں ایک پورا سوکت اِلا کے نام پر ہے"۔

(گیتا اور قرآن صفحات ۹ - ۱۰)

اسماء صفات لفظ اللہ خدا کا اسمِ ذات ہے جس کے تحت اُس کے جملہ صفات آتے ہیں۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر (۸:۱۸۰، ۱۷:۱۱۰) خدا کے "نہایت خوبصورت ناموں" (الاسماء الحسنیٰ) کا حوالہ دیا گیا ہے۔[1]

[1] بعض مشہور اسماء حسنیٰ یہ ہیں :-

الواحد	(ایک)	الرب	(پالنے والا)	الرشید	(راہ راست دکھانے والا)	القہار	(قہر کرنے والا)
الاحد	(ایک)	الرحمٰن	(مہربان)	الرزاق	(رزق دینے والا)	الجبار	(جبر کرنے والا)
الحق	(باطل کا ضد)	الرحیم	(بہت مہربان)	العظیم	(عظمت والا)	المنتقم	(انتقام لینے والا)
القدوس	(پاک)	الغفار	(بخشنے والا)	العزیز	(غالب)	الاول	(پہلا)
النور	(روشنی)	الغفور	(〃)	العلی	(بلند و برتر)	الآخر	(آخری)
الحیّ	(زندہ)	العفوّ	(درگزر کرنے والا)	المتعالی	(بلند و عالی)	الظاہر	(کھلا ہوا)
القیوم	(قایم)	الوہاب	(بہت بخشنے والا)	الکبیر	(بڑا)	الباطن	(اندرونی)
الواجد	(موجود بالذات)	الحلیم	(بردبار)	المتکبر	(بڑا)	اللطیف	(لطف کرنے والا)
الغنی	(بے نیاز)	الصبور	(صبر کرنیوالا)	الماجد	(بزرگ)	المتین	(مضبوط)
الصمد	(دایم)	التواب	(توبہ قبول کرنیوالا)	المجید	(بزرگ)	المقدم	(اقدام کرنے والا)
الباقی	(باقی رہنے والا)	المجیب	(دعائیں 〃 〃)	الحمید	(لایق حمد)	الموخر	(ہر چیز کو اسکی جگہ رکھنے والا)
الوارث	(صاحب میراث)	الشکور	(تھوڑی سی نیکی پر بڑا ثواب دینے والا)	الجلیل	(عظمت والا)	النافع	(نفع پہونچانے والا)
الخالق	(پیدا کرنیوالا)	الکریم	(کرم کرنے والا)	القوی	(طاقتور)	الضار	(ضرر پہونچانے والا)
الباری	(بنانے والا)	الرؤف	(بڑا مہربان)	القادر	(قدرت والا)	المعز	(عزت دینے والا)
المصور	(صورتگر)	الودود	(محبت کرنیوالا)	المقتدر	(صاحب اقتدار)	المذل	(ذلیل کرنے والا)
البادی	(ظاہر)	الولی	(دوست)	الوالی	(حاکم)	الرافع	(بلند کرنے والا)
المبدی	(ابتدا کرنیوالا)	البرّ	(محسن)	الملک	(بادشاہ)	الخافض	(نیچے لانے والا)
العلیم	(جاننے والا)	الحفیظ	(حفاظت کرنے والا)	الوکیل	(کارساز)	الباسط	(فراخ کرنے والا)
الحکیم	(دانا)	السلام	(سلامتی عطا کرنیوالا)	الفتاح	(منصف)	القابض	(گرفت کرنے والا)
الخبیر	(واقف)	المومن	(امن دینے والا)	العدل	(انصاف کرنیوالا)	المعطی	(عطا کرنے والا)
السمیع	(سننے والا)	الواسع	(وسیع کرنے والا)	المعید	(حاذق)	المانع	(روکنے والا)
البصیر	(دیکھنے والا)	المنعم	(نعمتیں عطا کرنے والا)	الباعث	(مُردوں کو زندہ کرنے والا)	المحیی	(زندہ کرنے والا)
الرقیب	(نگہبان)	المقیت	(روزی رساں)	الجامع	(جمع کرنے والا)	الممیت	(مارنے والا)
الشہید	(گواہ)	المغنی	(غنی کرنے والا)	المحصی	(شمار کرنے والا)	ذوالجلال والاکرام	
المہیمن	(نگہبان)	الہادی	(ہدایت کرنے والا)	الحسیب	(حساب کرنے والا)		(صاحب جلال اور بزرگی عطا کرنیوالا)

فلسفۂ اسلام

اسلامی فلسفہ کا اصل ماخذ یونان ہے۔ جب مسلمانوں نے شام، مصر، عراق اور عجم کو فتح کیا تو وہ یونانی فلسفہ سے واقف ہوئے کیونکہ سکندر کی فتح کے بعد ان ممالک میں یونانی علوم و فنون کا بہت چرچا ہو گیا تھا۔ خلیفہ ابو جعفر منصور (۷۵۴ء - ۷۷۵ء) کے زمانہ سے یونانی ادب کے ترجمہ کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ خلیفہ ہارون رشید (۷۸۶ء - ۸۰۹ء)، مامون رشید (۸۱۳ء - ۸۳۳ء) اور المعتصم (۸۳۳ء - ۸۴۲ء) کے عہد تک اور اس کے بعد بھی صدیوں تک جاری رہا۔ حکمائے یونان میں افلاطون اور ارسطو کی طرف بہت زیادہ توجہ کی گئی، جن پر ابو نصر فارابی (۸۷۰ء - ۹۵۰ء) اور ابن سینا (۹۸۰ء - ۱۰۳۷ء) نے بہت کام کیا۔ مغرب (اسپین) میں ابن طفیل (متوفی ۱۱۸۵ء) اور ابن رشد (۱۱۲۶ء - ۱۱۹۸ء) نے فلسفہ کو فروغ دیا۔

بعض مشہور فلاسفہ اسلام یہ تھے:-

ابو یعقوب ابن اسحٰق الکندی (متوفی ۸۷۳ء) - مسلمانوں میں پہلا شخص تھا جو فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا۔ وہ فیثاغورث، بقراط، افلاطون اور ارسطو کی تعلیمات سے کافی متاثر تھا اور اُس نے اپنی تصانیف میں زیادہ تر ارسطو کی پیروی کی۔ اُس نے خدا کی وحدت اور عدل پر زور دیا ہے۔ کندی کے نزدیک دُنیا خدائے تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے لیکن یہ سلسلۂ آفرینش خدا اور عالم کے درمیان بہت سے درمیانی واسطے پائے جاتے ہیں۔ ہر اعلیٰ چیز اپنے سے ادنیٰ چیز کی علت ہے لیکن کوئی معلول اُس چیز پر اثر نہیں ڈال سکتا جو سلسلۂ وجود میں اُس سے بالاتر ہے۔ مادہ عقل کے تحت ہے اور اُسے وہی شکل اختیار کرنا پڑتی ہے جو عقل چاہتی ہے۔ دراصل عقل ہی قوت فاعلہ کی حامل ہے اور ربانی عقل اور مادی جسم کے درمیان روح کا درجہ ہے۔[1]

ابو نصر فارابی (۸۷۰ء - ۹۵۰ء) مسلمانوں میں "افلاطونیت جدیدہ" کا امام تھا۔ جس کا آغاز الکندی نے کیا تھا اور جسے بعد کو بوعلی سینا نے ترقی دی اُس کا رجحان مذہب کی طرف تھا اور اُس نے ملحدانہ خیالات سے بیزاری کا اظہار کیا۔ فارابی کا نظام مدلل روحانیت یا زیادہ صحیح لفظ میں عقلیت پر قایم ہے۔ وہ صفائے قلب کو تمام فلسفیانہ غور و فکر کی بنیاد سمجھتا تھا۔ فلسفہ اُس کے نزدیک حقیقت اشیاء کا علم ہے جسے حاصل کر کے انسان خدا سے مشابہ ہو جاتا ہے۔[2] عقل انسانی کا مقصد اور اُس کی سعادت یہ ہے کہ پہلے عقل کائنات میں اور پھر ذاتِ خداوندی میں جذب ہو جائے۔[3] فارابی کے نزدیک خدا واجب الوجود ہے۔ علت سے بری، قدیم، غیر متغیر، عقل مطلق اور خیر محض، خود ہی عالم اور خود ہی معلوم ہے۔[4]

ابن سینا (۹۸۰ء - ۱۰۳۷ء) نے اپنے فلسفہ کی بنیاد فارابی کی تعلیم پر رکھی تھی۔ اس کے فلسفہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ خدا واجب الوجود ہے۔ وہی تمام کائنات کی تخلیق کا علت العل ہے اور اسی سے چشمۂ وجود جاری ہے۔ اس لئے کائنات بھی قدیم ہے۔ وہ اس بات کا بھی قایل تھا کہ قانونِ قدرت تمام نظام عالم پر حاوی ہے اور اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ قرآنی تصور "کیف مایشاء" کا ہے

---

[1] "تاریخ فلسفۂ اسلام" مصنف ٹی۔جے۔ دی بوئر مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صفحات ۷۲ - ۷۳، ۷۵ - [2] ایضاً صفحہ ۷۹ - [3] صفحات ۸۲ - ۸۹ - [4] علامہ ہندی "فلسفۃ الاسلام" جلد اول صفحہ ۲۴ -

یعنی خدا جو چاہے کر سکتا ہے لیکن ابن سینا اس کا قایل نہ تھا۔[۴۱]

ابنِ مسکویہ (متوفی سنہ ۱۰۳۰ء) نے اپنی تصنیف الفوز الاصغر[۴۲] میں تین اہم مسایل سے بحث کی ہے:۔ (۱) خدا کا وجود اور اسکے اوصاف (۲) نفس کا وجود مرنے کے بعد (۳) نبوت اور اُس کے متعلقات وحی و الہام وغیرہ اور ان کو فلسفیانہ طریقہ پر ثابت کیا ہے۔[۴۳] دوسرے مشہور فلسفی ابن طفیل اور ابن رشد وغیرہ ہیں جن کا ذکر آئے گا۔

معتزلہ ۔ اعتزال دراصل ایرانی تحریک تھی جس کا بانی واصل ابنِ عطا (سنہ ۶۹۹ء - سنہ ۷۴۸ء) مانا جاتا ہے یہ شخص ایرانی تھا اور مشہور متکلم خواجہ حسن بصری[۴۴] کا شاگرد۔

معتزلہ میں بھی وہ اُس فرقہ کا بانی تھا جو واصلیہ کہلاتا ہے۔ اس کے خاص عقاید یہ تھے: (۱) نفی صفات یعنی خدا کی صفات عین ذات ہیں (۲) مسئلہ قدر یعنی انسان خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے۔[۴۵]

اگرچہ معتزلہ کوئی مذہبی فرقہ نہ تھا بلکہ ایک دبستانِ خیال تھا جس میں سُنّی و شیعہ دونوں شامل تھے تاہم معتزلہ کا عقلی نظام سب سے زیادہ شیعوں میں مقبول ہوا لیکن اپنی بے انتہا آزاد خیالی کی بنا پر اسے اُبھرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اس فرقے کے دوسرے زبردست نمایندے یہ تھے:۔

عمر بن عبید اللہ (سنہ ۶۹۹ء - سنہ ۷۶۱ء)۔ یہ بھی خواجہ حسن بصری کے شاگرد تھے واصل نے انھیں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ قدریہ عقیدہ رکھتے تھے۔ معتزلہ کی شاخ عمریہ انھیں سے منسوب ہے۔ واصل کا گروہ بغداد سے اور عمر کا گروہ بصرہ سے تعلق رکھتا تھا۔[۴۶]

ابو الہذیل (ولادت سنہ ۵۳-۷۵۲ء - وفات سنہ ۵۰-۸۴۹ء یا سنہ ۴۱-۸۴۰ء) ماموں کے استاد اور بصرہ کے علماء اعتزال کے پیشوا تھے۔ فرقہ ہذیلیہ انھیں کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے خاص خاص عقاید یہ تھے:۔ (۱) خدا کا علم، اس کی قدرت، اس کا وجود عین ذات ہیں (۲) خدا کے بعض ارادے ایسے ہیں جن کا کوئی محل نہیں جیسے خدا کا قول کُن[۴۷] اور بعض ارادوں کا محل ہے جیسے اوامر و نہی۔ (۳) خدا کے مقدرات محدود ہیں۔ کسی چیز کو وجود میں لانا، فنا کرنا اور مارنا اس کے دائرۂ قدرت سے باہر ہے۔ (۴) احکام شرع کے واجب ہونے سے پہلے عقل کے ذریعہ خدا کا پہچاننا واجب ہے (۵) خدا کا ارادہ اور وہ چیز جس کا وہ ارادہ کرتا ہے دونوں ایک ہیں۔[۴۸]

نظام (ولادت سنہ ۸۰۱ء وفات سنہ ۸۳۵ء اور سنہ ۸۴۵ء کے درمیان)۔ بصرہ میں نشو و نما ہوا اور عمر کا آخری حصہ بغداد میں بسر کیا۔ ان کے خاص عقاید یہ تھے: (۱) بدی اور گناہ خدا کی قدرت سے خارج ہیں۔ (۲) احکام شرع کے وارد ہونے سے قبل دلایل عقل سے خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہیے۔[۴۹]

الجاحظ ۔ (متوفی سنہ ۸۶۵ء یا سنہ ۸۶۹ء) نظام کے شاگرد تھے اور جماعت معتزلہ کے بڑے مقبول امام۔ ان کے مخصوص عقاید یہ تھے:۔ (۱) کوئی مادی جسم معدوم نہیں ہوتا۔ (۲) خدا گناہوں کا ارادہ نہیں کرتا۔ (۳) خدا کی رویت ناممکن ہے۔ یہ مذہب اعتزال کے خاص فرقہ جاحظیہ کے بانی تھے۔[۵۰]

الجبائی ۔ (متوفی سنہ ۹۱۵ء) اخیر وقت تک مسلک اعتزال پر قایم رہے۔ وہ صفات باری کو عین ذات قرار دیتے تھے۔[۵۱]

---

[۴۱] نگار سالنامہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۴۔ تفصیل کے لئے مولوی ظفر علی خاں کی کتاب "فلسفہ ابن سینا" ملاحظہ ہو۔ [۴۲] اُردو میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے ملاحظہ ہو سلسلہ انجمن ترقی اُردو نمبر ۲۔ القول الاظہر ترجمہ الفوز الاصغر مترجمہ مولانا حکیم محمد حسن صاحب فاروقی (سنہ ۱۹۲۳ء)۔ [۴۳] مولانا عبدالسلام ندوی "حکمائے اسلام" حصہ اول صفحہ ۲۴۸۔ [۴۴] ڈاکٹر اقبال "فلسفہ عجم" مترجمہ میر حسن الدین (حیدرآباد دکن) صفحات ۵۰-۵۱۔ [۴۵] سالنامہ "نگار" ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۲۰۔ [۴۶] ایضاً صفحہ ۱۰۶۔ [۴۷] وحید احمد "تصوف کی اصلیت" صفحہ ۱۰۱۔ [۴۸] قرآن کی آیت ہے "جب وہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اسے کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا، پس ہو جاتا ہے (کن فیکون)" پ۲۳۔ [۴۹] سالنامہ نگار سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۹۔ [۵۰] صفحات ۱۱۸-۱۱۹۔ [۵۱] صفحات ۸۵-۸۶۔ [۵۲] صفحہ ۸۶

اشاعرہ

ابو الحسن الاشعری - (۸۷۳ء - ۹۳۵ء) - الجبائی کے شاگرد تھے لیکن بعد کو اپنے استاد سے منحرف ہو گئے اور اعتزال کے خلاف متعدد رسایل لکھے[1] - انھوں نے خدا کو جسمیت اور انسانیت سے بالاتر قرار دیا اور اُسے قادر مطلق، فعال مطلق اور عالم مطلق قرار دیا حیات بعد ممات اور دیدار الٰہی کی تائید کی -

طحاوی اور ماتریدی ——— بھی اشعری کے ہمعصر تھے اور معتزلی عقاید کے مخالف[2] ماتریدی نے اللہ کی ابدی صفات میں تکوین (بنانا) کا اضافہ کیا تھا - اس صفت کے دوسرے نام خلق (پیدا کرنا) احیاء (جان ڈالنا) رزق (خوراک مہیا کرنا) اور اِمات (مار ڈالنا) ہیں - انھیں "صفات الافعال" کہتے ہیں - اشعری کے نزدیک یہ پیدا ہوتی ہیں لیکن ماتریدی مسلک کے ماننے والوں کے نزدیک ابدی ہیں - انسان مجبور ہے یا مختار - اس باب میں اشعری نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہر انسان میں اکتساب کا مادہ ہوتا ہے جو اگرچہ خدا کی طرف سے ہے لیکن اس کے استعمال کرنے میں انسان کی مرضی کو بھی دخل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کسی حد تک مختار ہیں، گویا اشعری نے درمیانی راستہ اختیار کیا تھا لیکن ماتریدی نے صاف کہدیا کہ ہمیں اپنے افعال میں پورا "اختیار" حاصل ہے اور اسکے لئے ہمیں سزا یا جزا ملے گی -

فقہ اکبر دوم جو ۱۰۰۰ء میں مرتب کی گئی تھی بیشتر اشعری کی تعلیمات پر مبنی ہے - یہ ۲۹ مقالات پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین کا خلاصہ یہ ہے :-

اللہ خیر و شر کا حاکم مطلق ہے - وہ اپنی مخلوقات سے کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہے - وہ ابد سے معہ اپنی صفات کے موجود ہے - یہ صفتیں اُس کے جوہر اور افعال سے متعلق ہیں - قرآن خدا کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے لیکن موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کا کلام مخلوق ہے - جہاں پر قرآن میں خدا نے موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں سے خطاب کیا ہے تو یہ اُس کا کلام اُن کی نسبت سے ہے - ہم الفاظ اور حروف کے ذریعہ مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں لیکن اللہ کو اس کی ضرورت نہیں - جہاں تک تشبیہی عقاید کا تعلق ہے خدا کے چہرہ، ہاتھ اور روح ہے لیکن ان کا تعلق اُس کی صفات سے ہے جسم سے نہیں ہے - لوحِ محفوظ میں گزشتہ اور آیندہ زمانہ کے واقعات بیانیہ انداز میں لکھے ہیں بطور مقدر کے نہیں - خدا اپنی کسی بھی مخلوق کو مجبور نہیں کرتا - انسان کے تمام افعال اکتسابی ہیں لیکن خدا اُن کو پیدا کرتا ہے اور وہ اُس کی مرضی سے سرزد ہوتے ہیں - یہ ضروری نہیں ہے کہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالدیا جائے - اللہ اُسے معاف بھی کر سکتا ہے - رسول کی حمایت سے بھی گناہ معاف ہو سکتے ہیں مومنین خدا کا بہشت میں جلوہ دیکھیں گے اور اپنے جسم کی آنکھوں سے اور اُس وقت اُن میں اور خالق کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہوگا -

یہاں پر "خدا کے کلام" کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے - مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آسمان کا سب سے بلند مقام عرش ہے اُس کے نیچے کُرسی ہے، کُرسی پر لوح محفوظ ہے جس پر گزشتہ و آیندہ زمانہ کے تمام حالات منقوش ہیں - قرآنِ مجید بھی لوحِ محفوظ میں موجود ہے (سورۃ البروج کی آیات ۲۱ - ۲۲ میں اس کا ذکر ہے) اور ارضی قرآن اسی لوحِ محفوظ سے منقول ہے - معتزلہ اِسے ماننے کے لئے طیار نہ تھے - اُن کی حجت یہ تھی کہ اگر قرآن ابدی اور غیر مخلوق ہے تو پھر اُسے دوسرا خدا ہونا چاہئے - حالانکہ ایسا نہیں ہے - قرآن میں بعض مقامات پر موسیٰ (اور دوسرے پیغمبروں) سے خطاب کیا گیا ہے اب یہ الفاظ کیسے ابدی اور غیر مخلوق ہو سکتے ہیں جبکہ موسیٰ ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے تھے[3] - یہی وجہ تھی کہ معتزلی حکماء نے اعلان کیا کہ قرآن حادث ہے اور جو اس سے انکار کرتا

---

[1] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۲ - [2] نگار سالنامہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۱۲

[3] نگار سالنامہ صفحہ ۱۲۹

اُسے سرِ بازار سزا دی جاتی[1] کیونکہ بعض مسلم حکمراں معتزلی خیال کے ہو گئے تھے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی اہلِ حدیث اور عوام معتزلہ سے برگشتہ ہو گئے اور اسی ردِ عمل کے سلسلہ میں اشاعرہ کا فرقہ وجود میں آیا۔

اشراقیئین — اس فرقہ کے بانی شہاب الدین سہروردی (۱۱۵۳ء — ۱۱۹۱ء) تھے۔ وہ فلسفہ میں ارسطو اور ابن سینا کے تبع تھے۔ انھوں نے فلسفہ، مذہب اور تصوف تینوں کو ملا کر ایک نیا نظریہ مذہب و اخلاق کا پیش کیا جسے حکمت اشراق کہتے ہیں[2]۔ دراصل وہ حکمائے ایران کے سخت معتقد تھے اور ان کے فلسفہ کو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ اپنی مشہور کتاب حکمۃ الاشراق کے مختلف مقامات پر انھوں نے زردشت وغیرہ کا نام نہایت ادب و احترام سے لیا ہے اور ان کے فلسفیانہ نظریات کی تائید کی ہے یہی وجہ تھی کہ فقہا نے ان پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا اور بعض سیاسی بدگمانیوں کی وجہ سے ۳۶ سال کی عمر میں سلطان صلاح الدین کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔ بہرحال اُن کے زمانہ میں اُن کا فلسفہ بہت مقبول تھا اور اُن کی کتاب (حکمۃ الاشراق) اس قدر مقبول ہوئی کہ اُس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں[3]۔

ملاحدہ — فلسفیانہ غور و خوض نے مسلمانوں میں بڑی آزاد خیالی پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ اس آزاد روی نے نمایاں طور پر الحاد کی شکل اختیار کر لی اور وقتاً فوقتاً مختلف حکماء اسلام ملحد قرار دئے گئے۔ نیچے اُن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

احمد بن حابط (تیسری صدی ہجری) مشہور معتزلی امام نظام کے شاگرد تھے۔ یہ تناسخ کے قایل تھے اور الوہیت مسیح کے مخالف۔ حیوانات میں بھی اولیا و انبیاء کے پیدا ہونے کے معتقد تھے۔ رسول اللہ کی کثرت ازدواج پر معترض تھے اور ابو ذر غفاری کو رسول اللہ سے زیادہ زاہد و مرتاض سمجھتے تھے۔ انھیں عام طور پر ملحد خیال کیا جاتا ہے[4]۔

ابو بکر رازی (۸۶۴ء — ۹۲۵ء)۔ پانچ چیزوں کو قدیم تسلیم کرتے تھے (خالق، روح، مادہ، وقت اور فضا) کیونکہ خدا کے تصور کے ساتھ ان چیزوں کو قدیم تسلیم کرنا ضروری ہے۔ تخلیق کے باب میں وہ اس بات کے قایل تھے کہ کائنات (ہیولیٰ مطلقہ) کی تخلیق سے قبل منتشر اجزاء لایتجزیٰ پائے جاتے تھے اور انھیں اجزاء سے بعد کو زمین، ہوا، پانی، آگ اور سیارے وجود میں آئے۔

اخلاقیات میں وہ ترک دُنیا کے قایل نہ تھے۔ مذہبیات میں انھوں نے معتزلہ کی بھی مخالفت کی ہے اور غالی شیعوں کی بھی۔ انکے دہریہ یا ملحد ہونے کے ثبوت میں ان کی دو کتابیں پیش کی جاتی ہیں "مخارق الانبیاء" اور "نقد الادیان" ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) ان کے نزدیک تمام انسان فطرتاً یکساں و برابر ہیں۔ (۲) انبیاء کسی خاص ذہنی یا روحانی برتری کے حامل نہیں تھے۔ (۳) معجزے مکر و فریب ہیں یا محض قصے کہانیاں۔ (۴) دُنیا میں جنگ و فساد کا باعث صرف مذہب ہے۔ (۵) عقل و مذہب میں تطابق ممکن نہیں۔ (۶) الہامی کتابوں سے زیادہ انسانی خدمت افلاطون، ارسطو، اقلیدس اور بقراط کی ہے[5]۔

ابن رشد (۱۱۲۶ء — ۱۱۹۸ء) اسپین کے سب سے بڑے فلسفی و حکیم تھے۔ الحاد کے الزام میں یہ جلا وطن کر دئے گئے تھے لیکن پھر واپس بلائے گئے۔ جن مسایل میں ابن رشد پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا وہ کائنات کی قدامت، بقاء روح اور حشر و نشر کے عقاید سے متعلق تھے۔ وہ مروجہ عقاید اسلامی کے بالکل منکر نہ تھے لیکن وہ انھیں عقل و فلسفہ سے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر قرآن میں کوئی بیان ایسا نظر آتا ہے جو عقل کے خلاف ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مفہوم کچھ اور ہے جسے عقلی حیثیت سے سمجھنا چاہیے۔ علماء ظواہر انھیں عقاید کی وجہ سے مخالف تھے اور ملحد کہتے تھے[6]۔

---

[1] تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۳۵ — [2] نگار سالنامہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۰ — [3] مولانا عبدالسلام ندوی "حکمائے اسلام" حصہ اول صفحات ۲۹۲-۲۹۴ ڈاکٹر اقبال "فلسفۂ عجم" صفحہ ۱۲۰ — [4] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۰ — [5] ایضاً صفحہ ۹۵ — [6] ایضاً صفحات ۶۸ — ۶۹ —

ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء – ۱۳۲۸ء) کے الحاد کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ۱۲۹۹ء میں جبکہ وہ قاہرہ میں تھے ان سے صفات خداوندی کے متعلق استفسار کیا گیا۔ ان کے جواب سے شافعی علماء برہم ہو گئے اور پروفیسری کے عہدہ سے ہٹا دیا۔ ۱۳۲۶ء میں الحاد کے الزام میں معہ اپنے دو بھائیوں کے نظر بند کر دئے گئے۔ وہ خدا کی جسمیت کے قایل تھے۔ غزالی اور ابن عربی کے مخالف تھے۔ صوفیہ کو بھی بُرا سمجھتے تھے اور ابن سینا کے فلسفہ پر بھی اعتراض کرتے تھے[۱]۔

ابو حیان (چوتھی صدی ہجری) مشہور فقیہ، فیلسوف اور صوفی تھے۔ اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے بغداد سے نکال دئے گئے۔

ابن راوندی اور ابو العلاء المعری کی طرح ان کا بھی زنادقہ میں شمار ہوتا تھا[۲]۔

ابن الراوندی ـ تیسری صدی ہجری کا ملحد اعظم تھا۔ پہلے اُس نے مذہب اعتزال اختیار کیا لیکن جوانی ہی میں ملحد اور دہریہ ہو گیا اُس نے تمام انبیاء کی تردید میں کتابیں لکھیں اور قرآن کے مقابلہ میں بھی ایک کتاب تصنیف کی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انبیاء افسانوں کو یوں ہی شعبدوں سے دھوکے دیا کرتے تھے۔ کتاب الدافع میں کہتا ہے: خدا کے پاس قتل و غارت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، جو ہمیشہ ایک کینہ پرور غضبناک دشمن کیا کرتا ہے، پھر کتاب اور رسول بھیجنے کی کیا حاجت تھی؟

ایک جگہ لکھتا ہے: یہ خدا کا زعم ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ چنانچہ قرآن میں کہتا ہے کہ (**وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا**) یعنی "خدا اس پتے کو بھی جانتا ہے جو درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے"۔ اسی طرح اُس نے جنت کا بھی مذاق اُڑایا ہے۔ اُس کا یہ بھی خیال تھا کہ دنیا اور جو کچھ یہاں نظر آتا ہے اور چاند تارے وغیرہ قدیم ہیں۔ ان کا بنانے والا کوئی نہیں ہے[۳]۔

ابو العلاء المعری ـ (۹۷۳ء – ۱۰۵۸ء) کو عام طور پر ملحد خیال کیا جاتا ہے، لیکن وہ موحد تھے۔ البتہ خدا کا تصور اُن کے یہاں عام مروجہ تصور سے علیحدہ تھا۔ وہ وحی اور الہام کے قایل نہ تھے وہ مذہب کو خود انسانی ذہن و دماغ کی تخلیق سمجھتے تھے۔ وہ حشر و نشر اور بقاء روح کے بھی معتقد نہ تھے۔ وہ نماز، روزہ سے زیادہ بلندی اخلاق کے قایل تھے[۴]۔

فلسفہ کی تردید ـ الغزالی (۱۰۵۸ء – ۱۱۱۱ء) اسلام کے نہایت مشہور مفکر و متکلم تھے وہ ابتدا ہی سے ہر مسئلہ میں ذاتی غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ عرصہ تک فلسفہ کے مطالعہ میں منہمک رہے اور عقاید مذہبی سے منحرف ہو گئے۔ بالآخر جب علوم ظاہری سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو تصوف کی طرف مایل ہوئے اور پھر خدا رسول حشر و نشر تمام باتوں کے قایل ہو گئے[۵]۔ اُس وقت جبکہ فلسفہ کے مقابلہ میں مذہب کے پاؤں اُکھڑے جا رہے تھے غزالی نے بڑا کام کیا۔ انھوں نے فلسفہ پر دو کتابیں لکھیں:- (۱) مقاصد الفلاسفہ (۲) تہافۃ الفلاسفہ۔ یہ آخری کتاب فلسفہ کی تردید میں لکھی گئی تھی اس کی وجہ تصنیف کے متعلق امام موصوف دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ مذہب اسلام سے مسلمانوں کے برگشتہ ہونے کا سبب اکابر فلاسفہ سقراط، بقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے نام ہیں چونکہ یہ لوگ مذہب کے منکر تھے لہذا ان کے متبعین نے بھی تقلیداً لامذہبیت اختیار کی لیکن خود فلسفیوں کا مذہب بھی یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے وہ ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں حتی کہ ارسطو اپنے استاد افلاطون کے اقوال کو بھی رد کر دیتا ہے لیکن اگر اُن کے اصول الہیات مثل ریاضی و منطق کے صحیح ہوتے تو اس قدر اختلاف آراء نہ ہوتا۔ اس پر مترجمین نے ترجموں میں جو تحریفیں کی ہیں مستزاد ہیں۔ لہذا فلاسفۂ قدیم کی غلطیوں کے اظہار اور اُن کے رد کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

غزالی نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کتاب کا مقصد فلسفیوں کے مذہب کی تردید ہے نہ کہ مدافعت اور یہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اس کتاب نے مسلمانوں کے خیالات کو بہت متاثر کیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مشرق

---

[۱] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۴ – [۲] صفحہ ۶۷ – [۳] مزید تفصیل کے لئے جناب عرشی کا مضمون "تیسری صدی ہجری کا ملحد اعظم" مطبوعہ نگار ستمبر ۱۹۵۵ء ملاحظہ ہو – [۴] نگار سالنامہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۷۸ – [۵] صفحہ ۱۰۷ –

فلسفہ بُری طرح مجروح ہوا لیکن امام صاحب کی وفات کے ایک صدی بعد ابن رشد نے "تہافت الفلاسفہ" کی تردید میں ایک مستقل
ب "تہافۃ تہافت الفلاسفہ" لکھی اور اس طرح فلسفہ کا احیاءِ ثانیہ کیا۔[1]

ل اور عقل کی کشمکش

مسلمانوں کی اکثریت، علماءِ ظواہر اور اہلِ حدیث کا خیال ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عقل کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ قرآن و حدیث میں تاویل کرنے کے بجائے ظاہری معنی کو سامنے رکھنا چاہئے اور
ں پر آنکھ بند کرکے عمل کرنا چاہئے۔

عموماً لوگ خدا کے شخصی تصور کے حامل ہیں یعنی خدا کی ذات کو انسانی صورت و صفات سے متصف مانا جاتا ہے۔ عقلیت پسندوں
اس پر احتجاج کیا ہے۔ انھوں نے عقل کی رہنمائی میں قرآن و حدیث کو سمجھنے کی کوشش کی۔ معتزلہ نے خصوصاً مذہب کی بنیاد عقل
رکھنا چاہی۔ فلسفہ اور منطق کو مشعلِ ہدایت بناکر انھوں نے خدا کی ذات و صفات پر غور کیا۔ وہ وحدت الٰہی کے ماننے والے تھے لیکن
کی ذات کو صفات سے بری سمجھتے تھے اُس کی صرف ایک ہی صفت ہوسکتی ہے یعنی ابدیت۔ اُن کا کہنا تھا کہ قرآن میں خدا کے لئے
نام استعمال کئے گئے ہیں اور اُن سے جن صفات کا اظہار ہوتا ہے اگر خدا کو اُن جملہ صفات کا حامل مانا جائے تو اس سے خدا کی وحدت
ہوجائے گی اور اُس میں کثرت کا اجتماع ماننا پڑے گا۔ وہ ہر قسم کے تشبیہ و استعارہ سے گریز کرتے تھے اور چونکہ قرآن میں خدا کے
ھوں، آنکھوں اور چہرے کا ذکر ہے اور عرش پر قرار پکڑنے کا حوالہ ہے اس لئے ان امور کی عقلی توجیہ کرتے تھے۔ ان کے خیالات عوام
خیالات سے قطعاً مختلف تھے۔ انھوں نے تنزیہ (پاک کرنا) اور تخالف (مخالف کرنا) کے اصول کو اس قدر برتا کہ خدا محض ایک ایسا
دوره گیا جس کی تعریف ہی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً خدا کا ایک نام علیم (جاننے والا) ہے اب ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اُسے کس چیز کا علم
صل ہے۔ وہ چیز اُس کے اندر ہے یا باہر ہے پہلی صورت میں اُس کی ذات میں دوئی پیدا ہوجاتی ہے اور دوسری صورت میں اُس کا
م کامل نہیں ہوسکتا۔ فارابی نے اس گتھی کو یوں سلجھانا چاہا کہ خدا خود ہی تخیل ہے، خود ہی عمل تخیل اور خود ہی موضوع تخیل، عقل
معقول تینوں ہی اللہ ہیں لیکن یہ مسئلہ خاطر خواہ نہ سلجھا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مسایل کبھی حل ہونے کے نہیں لہذا جن حکماء نے یہ
اہے کہ "خدا کی تعریف نہیں کی جاسکتی" بالکل ٹھیک کہا ہے۔

ہم نے اوپر تنزیہ اور تخالف کے اصول کا ذکر کیا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی تفصیل کردی جائے۔ تنزیہ کے
نی ہیں پاک کرنا یعنی اللہ کی ذات سے انسانی صورت و صفات کو علٰحدہ کرنا۔ اور تخالف کے بھی یہی معنی ہیں کہ "ہر خیال جو
ارے دماغ میں آتا ہے فانی ہے اور اللہ اُس سے مختلف ہے" (**کل ما خطر ببالک، فاھو ہالک واللہ بخلاف ذالک**)
ن دو اصولوں کے برتنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ناموں سے اُس کی ذات کا کوئی صحیح تخیل نہیں قایم کیا جاسکتا، اُس کی فطرت ہمیشہ
سربستہ رہے گی ـــ بایں ہمہ حکمائے اسلام کی اکثریت فلسفۂ واجب الوجود کی قایل رہی ہے یعنی خدا اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں
م و جسمانیت سے معرا ہے اور جب یہ ثابت ہے کہ خدا کے جسم نہیں۔ تو یہ بھی ثابت ہے کہ خدا کے لئے آلات، ادراک، حواس ظاہری و
نی جیسے قوت لامسہ و ذائقہ و وہم و خیال اور افعال کے لئے اعضاء و جوارح نہیں ہیں وہ غیر مادی اور غیر متغیر ہے۔ متاثر ہونا اور منفعل
نا اُس کے لئے محال ہے اور اُس کا حلول کسی شے میں ناممکن ہے وہ نقایص سے پاک اور جملہ کمالات سے متصف ہے، اُسکی صفات عین ذات ہیں

سئلہ جبر و اختیار

خدا کی ذات و صفات کے بعد دوسرا مسئلہ جس پر علماءِ اسلام نے سب سے زیادہ بحث و مباحثہ کیا ہے مسئلہ جبر و اختیار ہے یعنی انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور، وہ جو جی چاہے کرسکتا ہے یا سب کچھ منجانب اللہ
تا ہے قرآن کی آیت ہے:۔ "جس کو اللہ راہ دکھاوے وہی راہ پانے والے ہیں اور جس کو گمراہ کرے وہ خسارہ میں رہنے والے ہیں" (۷/۱۷۸)
آن میں متعدد مقامات پر خدا کا انسانوں کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر کرنے کا ذکر ہے (۴/۱۵۵، ۷/۱۰۰، ۱/۶۵، ۱۶/۱۰۸، ۳۰/۵۹، ۴۰/۳۵،

---

[1] مولانا عبدالسلام ندوی "حکمائے اسلام"، حصہ اول صفحات ۴۱۶ – ۴۱۸

پ ۲۴ ، ۳۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور انسان مجبور محض ہے۔ ایک دوسری آیت سے بھی انسان کا مجبور ہونا ثابت ہوتا ہے "کہو کہ ہمیں کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھدیا ہے" ($\frac{9}{51}$) ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:۔

"اگر سب بندے مل کر کوشش کریں کہ تم کو کوئی ذرہ برابر ایسا نفع پہونچا دیں جو خدا نے تمھارے لئے مقرر نہیں کیا تو وہ نہیں پہونچا سکیں گے اور اگر سب مل کر تم کو کوئی ایسا نقصان پہونچانا چاہیں جس کا ارادہ خدا نے نہیں کیا تو وہ ہرگز نہیں پہونچا سکیں گے" (ترمذی شریف[1])

اشعری (متوفی ۹۳۵ء) لکھتا ہے کہ "ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ روئے زمین پر خیر و شر میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کے ارادے کے بغیر واقع ہو سکے۔ سب کچھ اس کے ارادے سے ہو رہا ہے خدا کے منشاء کے خلاف کوئی شخص کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے اور تمام افعال انسانی اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں جیسا کہ اس آیہ شریف سے ظاہر ہوتا ہے "خدا نے تمھیں اور تمھارے اعمال کو پیدا کیا ہے"[2]۔ اشعری کے نزدیک قتل کا فاعل بندہ نہیں بلکہ خدا ہے اور بندہ محض محل ظہور ہے۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ:۔ "انسان صورت مختار میں مجبور ہے" (**الانسان مجبور فی مختار**) شرح فقہ اکبر صفحہ ۵ میں ہے کہ "اس پر اتفاق ہے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف منسوب کیا جاوے کیونکہ تمام کائنات خدا کے ارادے سے ہے۔ بعض نے تفصیل سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ برعایت ادب یہ نہ کہا جائے کہ خدا کفر، ظلم اور فسق کا بھی ارادہ کرتا ہے"۔ ابو محمد ہشام بن الحکم (دوسری صدی ہجری) جبریہ عقیدہ رکھتے تھے، غالباً اس لئے کہ ابتدا میں انھوں نے جہم بن صفوان سے تعلیم حاصل کی تھی[3] جو توحید کی آڑ لے کر جبر کے قایل ہو گئے تھے (کیونکہ ان کے نزدیک فاعلیت خدا ہی میں منحصر ہے)۔ اسی طرح عمر خیام بھی جبریہ نظریہ کے موید تھے[4]۔

فلسفۂ جبر پر سب سے بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے اور انسان افعال کے کرنے میں آزاد نہیں تو پھر وہ بے قصور ہے اور یہ خدا کے انصاف سے بعید ہے کہ وہ بے قصوروں کو سزا دے ۔ اس لئے بعض علماء نے انسان کے خود مختار ہونے کی تعلیم دی۔ ایک فرقہ جو تاریخ میں قدریہ کے نام سے مشہور ہوا انسان کے با اختیار ہونے کا قایل تھا۔ معبد جہنی مسئلۂ قدر کا موجد تھا۔ غیلان دمشقی (پہلی صدی ہجری) اور خواجہ حسن بصری نے اس نظریہ کی شد و مد سے اشاعت کی اور مذہب اعتزال کی تاریخ اسی وقت سے شروع ہوئی[5] (بعد میں قدریہ فرقہ معتزلہ میں ضم ہو گیا) معتزلہ گروہ یہ کہتا تھا کہ انسان خیر و شر کے انتخاب میں قطعاً آزاد ہے اور اس انتخاب کے بعد کام کرنے میں ہر طرح سے مختار ہے[6]۔

معتزلی امام واصل بن عطا (۶۹۹ء – ۷۴۸ء) مسئلہ قدر کے قایل تھے یعنی انسان خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے[8]۔

ابو عثمان عمر بن عبید (۶۹۹ء – ۷۶۱ء) بھی واصل کی طرح قدریہ تھے۔ ایک شخص نے اس مسئلہ پر ان سے بحث کی۔ انھوں نے کہا کہ خدا نے قضا و قدر کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے وہ مسلمانوں کی تسلی و اطمینان کے لئے کافی ہے۔ خدا کا ارشاد ہے: "**فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون**" "یعنی ہم ان کاموں کا سوال کریں گے جو وہ کرتے تھے"۔ یہ نہیں فرمایا کہ "ہم نے جو کچھ ان کے مقدر میں لکھدیا تھا"۔ اس سے انسان کا اپنے افعال میں خود مختار ہونا ظاہر ہے[9]۔ یقیناً یہ آیت فلسفہ قدر کی تائید میں ہے لیکن دوسری آیات جبر کی تائید میں ہیں۔ علمائے مغرب نے اسے "تضاد فی القرآن" کہا ہے اور اس کی طرف خصوصیت سے اشارہ کیا ہے (ملاحظہ ہو "انسائکلوپیڈیا آف اسلام" مقالہ اللہ)

---

[1] منقول از "اسلامی توحید" مولفہ مولانا منظور نعمانی صفحہ ۱۱ – [2] حقایق الاسلام حصۂ اول صفحہ ۳۲ – [3] علامہ ہندی "فلسفۃ الاسلام" جلد اول صفحات ۵۰–۵۱ – [4] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۲۰ – [5] فلسفۃ الاسلام جلد اول صفحہ ۵۰ – [6] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۰ – [7] حقایق الاسلام جلد اول صفحہ ۳۲ – [8] سالنامہ نگار ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۲۰ – [9] نگار سالنامہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۶

تصوف اسلام

خدا کو جاننے کے لئے انسان نے دو راستے اختیار کئے، ایک کا تعلق دل سے ہے اور دوسرے کا دماغ سے۔ جب دماغ تھک گیا تو دل سے کام لیا اور جب دل نے ساتھ نہ دیا تو دماغ سے، یہاں تک کہ دل و دماغ کی یہ جنگ خدا کے بارے میں اب تک جاری ہے۔ دماغ یا عقل سے کام لینے والوں نے فلسفہ و حکمت کے ذریعہ سے خدا کی حقیقت معلوم کرنا چاہی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ ملحد و منکر ہو گئے۔ دل والوں نے صرف جذبات سے کام لیا اور وہ بھی آخرکار ماعرفناک کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور صوفیہ کا تعلق اسی جماعت سے ہے اس خیال کے لوگ مختلف قوموں میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں یہی چیز فلسفۂ ویدانت کہلائی۔ یونان و روم میں باطنیت (Mysticism) کے نام سے مشہور ہوئی اور اسلام میں تصوف کے نام سے۔

صوفی — لفظ صوفی کے ماخذ کے باب میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ (۱) بعض اسے صفا سے مشتق مانتے ہیں کیونکہ صوفیوں کے لئے صفائے قلب ضروری چیز ہے، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ صفوی ہوتا نہ کہ صوفی۔ (۲) بعض صف سے استخراج کرتے ہیں کیونکہ خدا سے تعلق رکھنے والوں میں وہ پہلی صف میں آتے ہیں لیکن اس صورت میں، سے صفی ہونا چاہئے تھا۔ (۳) بعض اس کا تعلق صفہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اہل صفہ، رسول کے زمانہ میں صحابہ کی ایک جماعت تھی جو تارک الدنیا ہو کر مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتی تھی، لیکن اگر یہ لفظ صفہ سے ماخوذ ہوتا تو اسے صُفی ہونا چاہئے تھا۔ (۴) بعض کے نزدیک لفظ صوفی یونانی لفظ سوفی سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں اور ایرانیوں نے سین کو صاد سے بدل دیا۔ (۵) آخری رائے یہ ہے کہ لفظ صوفی صوف سے نکلا ہے جس کے معنی "اون" کے ہیں گویا صوفی کے معنی ہوئے "پشمینہ پوش" یہ آخری نام (پشمینہ پوش) فارسی زبان میں "تارک الدنیا فقیروں کا لقب تھا، کیونکہ شروع میں یہ لوگ مثل عیسائی راہبوں کے بے رنگے ہوئے موٹے اون کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اس رائے کو سب سے پہلے ابونصر السراج (متوفی ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب "اللمعہ" میں پیش کیا تھا اور اسی کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ امام قشیری کی تحقیقات کے مطابق یہ لفظ دوسری صدی ہجری کے اواخر (۸۱۵ء) میں وجود میں آیا۔

تصوف کا ماخذ فان کریمر اور ڈوزی نے ایرانی تصوف کا ماخذ ہندی ویدانت کو ظاہر کیا ہے اور نکلسن نے نوفلاطونیت کو براؤن نے اسے سامی مذہب کے خلاف آریائی ردعمل قرار دیا ہے۔ برخلاف اس کے علمائے اسلام کا یہ کہنا ہے کہ قرآن و احادیث میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود تھے جو عربوں کی خالص عملی ذہانت کی وجہ سے نشو و نما پا کر بار آور نہ ہو سکے لیکن جب ان کو ممالک غیر میں موزوں حالات میسر آگئے تو وہ ایک جداگانہ نظریہ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔[لہ]

قرآن کے سورہ ۵۶ (واقعہ) کی آیات ۸، ۹ اور ۱۱ میں انسانوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ اصحاب المیمنہ (داہنے ہاتھ والے) یعنی مومن جو خدا پر ایمان لائے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اصحاب المشئمہ (بائیں ہاتھ والے) یعنی جو لوگ بھٹک گئے اور دوسرے معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ مقربون (مقرب کی جمع) جو لوگ خدا سے بالکل قریب ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف

لہ ڈاکٹر اقبال "فلسفۂ عجم" صفحہ ۹۵

(باب اول) میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ لفظ صوفی قرآن مجید میں نہیں استعمال ہوا ہے لیکن اُس کے مفہوم کو لفظ "مقرب" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ صوفیہ کے یہاں مراقبہ خاص چیز ہے جس کے ثبوت میں قرآن کی بعض آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں مشاہدۂ کائنات اور مطالعہ نفس کی ہدایت کی گئی ہے مثلاً :-

"اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمھارے نفوس کے اندر بھی ہیں۔ کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتی ہیں"۔ (سورہ ۵۱ آیات ۲۰-۲۱)

اسی طرح عقیدۂ وحدت الوجود ان آیات سے استنباط کیا جاتا ہے :-

"مشرق اور مغرب اللہ کا ہے اس لئے جدھر تم مڑو اُدھر ہی اللہ کا چہرہ ہے"۔ (۲/۱۱۵)

"اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس کو دیکھ رہا ہے"۔ (۵۷/۴)

"وہ (سب سے) اول (سب سے) آخر اور (ہر شئے کا) ظاہر و باطن ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے"۔ (۵۷/۳)

"خدا ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے"۔ (۴/۱۲۶)

"اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں"۔ (۵۰/۱۶)

اس سلسلہ میں یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ جب خدا انسان سے رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو اُس کی ماہیت کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن میں یہ ہے کہ: "وہ زمین اور آسمان کا نور ہے" (سورۂ نور آیت ۳۵) اور نور کا ظہور ہر شئے میں ممکن ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم روایات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے صوفیہ کا یہ دعویٰ آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے قرآن کی تعلیم کے ماسوا اپنے بعض صحابہ کو باطنی تعلیم بھی دی تھی لیکن "اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے کہ پیغمبر نے فی الواقع حضرت علی یا حضرت ابوبکر کو کوئی باطنی علم سکھایا تھا"[۱]۔ معرفتِ نفس کے سلسلہ میں یہ بلیغ جملہ "اپنے آپ کو پہچان" سقراط کی طرف منسوب ہے لیکن صوفیہ اسے حضرت علی بلکہ خود رسول کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔

بلاشبہ "تعلیم تصوف جہاں تک حُبِّ الٰہی، اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا تعلق ہے قرآن مجید سے لی گئی ہے"[۲]۔ لیکن زندگی کے صوفیانہ نصب العین اور فلسفۂ تصوف پر مسیحیت، نوفلاطونیت، بدھ مذہب اور ویدانت کی اثر آفرینی ناقابل انکار حقیقت ہے[۳]۔

ویدانت کی اثر اندازی کا امکان آٹھویں صدی کے بعد سے پیدا ہوتا ہے جب عباسی خلفاء نے سندھ کو فتح کر لیا۔ منصور، ہارون اور مامون رشید کے زمانوں میں سنسکرت ادب کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ البرامکہ نے (جو عباسی خلفاء کے وزیر تھے) خصوصاً ہندو ادب کی نشر و اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ البیرونی (۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء) نے "کتاب الہند" کے ذریعہ اپنے معاصرین کو ہندوستان کے علوم و فنون، مذہب اور سماجی حالت سے آگاہ کیا۔ اُس نے کپل کے سانکھیہ فلسفہ اور پاتنجلی کے یوگ سوتر کا سب سے پہلے سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا اور مسلمانوں کو بھاگوت گیتا سے متعارف کیا۔

ہندوستانی صوفیہ کا ویدانت سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اسلام اور ہندو مذہب میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور دارا شکوہ نے سنسکرت سے رامائن، گیتا، اپنشد اور یوگ وشسٹ کے ترجمے کئے، اپنشدوں کا ترجمہ "سرِّ اکبر" (راز عظیم) کے

۱۔ اقبال "فلسفۂ عجم"، صفحہ ۱۰۴۔ ۲۔ مولانا عبدالمالک آروی "تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر"، نگار نومبر ۱۹۶۹ء، صفحہ ۴۰۔
۳۔ ایضاً صفحہ ۴۵۔

ام سے کیا گیا۔ یوں تو دارا شکوہ نے علومِ اسلامی کے علاوہ توراۃ، زبور اور انجیل کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا لیکن اُس کی تسلی اپنشدوں سے ہوئی جنھیں وہ معدنِ توحید، سرچشمۂ توحید اور قدیم ترین الہامی صحیفہ کہتا ہے۔ اُس نے ویدانت اور تصوف کے اتحاد کو دکھانے کے لئے "مجمع البحرین" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جواب تک موجود ہے۔

پہلا صوفی — مولانا جامی (۸۱۷ھ - ۸۹۸ھ / ۱۴۱۴ء - ۱۴۹۲ء) کے تذکرہ صوفیہ (نفحات الانس) سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے تصوف کی تعلیم دی، ذوالنون مصری (متوفی ۲۴۵ھ) تھے جو مشہور فقیہ و محدث مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کے شاگرد تھے۔ ذوالنون کی تعلیمات کو حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) ضبطِ تحریر میں لائے۔ اور جنید کے اصول کی تبلیغ ابوبکر شبلی خراسانی (متوفی ۳۳۵ھ) نے کی انکی تعلیمات کو ابونصر السراج (متوفی ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب اللمعہ میں اور ابوالقاسم القشیری (متوفی ۴۶۵ھ) نے اپنے رسایل میں قلمبند کیا۔ یہ امام غزالی (۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ) کا کارنامہ تھا کہ انھوں نے دینیات میں فلسفہ کے علاوہ تصوف کو بھی شامل کر لیا اور اس طرح تصوف کو اسلام کا ایک ضروری جزو بنا دیا۔

صوفی خانوادے — صوفیہ کے مختلف سلسلے "خانوادے" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے چودہ خاص ہیں:۔

۱۔ زیدیہ	بانی عبدالوحید بن زید[له]	(متوفی ۱۷۷ھ)	۸۔ جنیدیہ	بانی جنید بغدادی	(متوفی ۲۹۷ھ)
۲۔ عیادیہ	" فضیل بن عیاد	(" ۱۸۷ھ)	۹۔ جُبیریہ	" جبیرۃ البصری	(" ۲۸۷ھ)
۳۔ ادھمیہ	" ابراہیم بن ادہم	(" ۱۶۱ھ)	۱۰۔ چشتیہ	" خواجہ علو دیناوری	(" ۲۹۹ھ)
۴۔ عجمیہ	" حبیب عجمی[له]	(" ۱۵۶ھ)	۱۱۔ غزرونیہ	" ابواسحٰق غزرونی	(" ۴۲۶ھ)
۵۔ کرخیہ	" معروف کرخی	(" ۲۰۰ھ)	۱۲۔ طوسیہ	" علاء الدین طوسی	(" ۵۶۰ھ)
۶۔ سقطیہ	" سری سقطی	(" ۲۵۳ھ)	۱۳۔ سہروردیہ	" ابونجیب سہروردی	(" ۵۶۳ھ)
۷۔ طیفوریہ	" بایزید بسطامی	(" ۲۶۱ھ)	۱۴۔ فردوسیہ	" نجم الدین کبریٰ	(" ۶۱۸ھ)

ہندوستان میں صوفیہ کے چار سلسلے پائے جاتے ہیں:۔ قادریہ[سه]، سہروردیہ، چشتیہ اور نقش بندیہ[سه]۔ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ) اور نقش بندی سلسلہ کو خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۰۱۲ھ) اور اُن کے شاگرد شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے رواج دیا۔ ہندوستان میں تصوف کی تجدید کی بنا پر شیخ موصوف مجدد الف ثانی کہلاتے ہیں۔

صوفی شعراء — فارسی میں ابوسعید فضل اللہ خراسانی (۳۵۷ھ - ۴۴۰ھ / ۹۶۷ء - ۱۰۴۹ء) کو صوفیانہ شاعری کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف رُباعیاں کہتے تھے۔ ان کی ۹۲ رباعیاں مع جرمن ترجمہ کے ۱۸۷۵ء میں شایع ہوئی تھیں[هه]۔ نظامی گنجوی (۱۱۴۰ء - ۱۲۰۳ء) جو فارسی ادب میں "خدائے سخن" کہلاتے ہیں تصوف کی طرف بہت مایل تھے[ته]۔

تیرھویں صدی میں تین بڑے صوفی شاعر پیدا ہوئے فریدالدین عطار، جلال الدین رومی اور شیخ سعدی۔ انھوں نے مسلمانوں کے خیالات کو بہت متاثر کیا۔ آج بھی ان کا کلام شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

فریدالدین عطار — امام غزالی کے انتقال کے ۸ سال بعد ۱۱۱۹ء میں نیشاپور میں پیدا ہوئے تھے، تصوف میں وہ شیخ رکن الدین کے مرید تھے ۱۲۲۹-۳۰ء میں چنگیز خاں کے حملہ کے دوران میں ایک منگول نے شہید کر دیا۔ نثر میں ان کا تذکرۃ الاولیا اور نظم میں پند نامہ اور منطق الطیر

له عبدالوحید بن زید اور حبیب عجمی، خواجہ حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء) کے شاگرد تھے۔ بصرہ کی ایک دوسری عظیم ہستی مشہور صوفیہ رابعہ (متوفی ۱۸۵ھ / ۸۰۱ء) تھیں۔ سه قادریہ خانوادے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۶ء) تھے۔ سه خواجہ بہاؤالدین نقش بند (متوفی ۱۳۸۹ء) نے نقش بندیہ خانوادے کی بنیاد ڈالی۔ هه سالنامہ نگار ۱۹۵۰ء صفحات ۱۲۶ - ۱۲۷ - ته ایضاً صفحہ ۱۴۰۔

مشہور ہیں۔[1]

جلال الدین رومی[2] ۔ ۱۲۰۷ء میں بلخ میں پیدا ہوئے لیکن بعد میں قونیہ (ایشیائے کوچک) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی مثنوی کو مسلمانوں میں بڑی عزت حاصل ہے۔

مولانا روم مولوی خانوادے کے بانی تھے۔ اس سلسلہ کے فقیر "رقاصی درویش" کہلاتے ہیں۔

شیخ مصلح الدین سعدی[3] ۔ شیراز کے مشہور شاعر تھے۔ ۱۱۸۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ حضرت عبدالقادر جیلانی ان کے مرشد تھے۔ ان کی گلستان (نثر میں) اور بوستان (نظم میں) مشہور کتابیں ہیں۔ تصوف میں ان کے رسایل مشہور ہیں۔

بعد کے صوفی شعرا میں صاحبِ گلشن راز، حافظ شیرازی اور جامی بہت مشہور ہیں۔

محمود شبستری ۔ ان کے بارے میں ہماری معلومات ناکافی ہیں۔ غالباً ان کا زمانہ تیرھویں صدی کا آخر اور چودھویں صدی کا شروع تھا۔ ان کی مثنوی گلشن راز بہت مشہور ہے جو تقریباً ۱۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے اس میں صوفیانہ مسایل کا سوال و جواب کی صورت میں ذکر ہے۔

حافظ شیرازی ۔ پورا نام خواجہ شمس الدین تھا (متوفی ۱۳۸۹ء) انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شیراز میں بسر کیا۔ دیوان حافظ ان کے کلام کا مجموعہ ہے۔ بعض غزلیں تصوف کے رنگ میں ہیں۔

مولانا جامی ۔ (۱۴۱۴ء - ۱۴۹۲ء) پورا نام نورالدین عبدالرحمٰن تھا۔ خراسان کے ضلع جام میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نقش بندیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آخری عمر میں مجذوب ہوگئے تھے اور بولنا ترک کردیا تھا۔ ان سے تین دیوان اور سات مثنویاں یادگار ہیں جن میں مثنوی یوسف زلیخا بہت مشہور ہے۔ ان کا تذکرہ صوفیہ (نفحات الانس) بھی بہت مقبول ہوا۔[4]

چونکہ اردو شاعری کا فارسی شاعری سے گہرا تعلق رہا ہے۔ اس لئے تقریباً سبھی اردو شعرا نے مسایل تصوف کو بیان کیا ہے۔

عربی میں ابن الفرید (۱۱۸۱ء - ۱۲۳۵ء) سب سے بڑا صوفی شاعر تھا جو قاہرہ میں پیدا ہوا۔ طائیہ اُس کا شاہکار مانا جاتا ہے جو ۷۶۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ ترکی کے صوفی شعرا میں نسیمی اور نیازی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

خُدا کا تخیل

تصور باری کے اعتبار سے صوفیہ تین گروہوں میں منقسم ہیں:۔ ایجادیہ، وجودیہ اور شہودیہ۔

ایجادیہ ۔ اس کا مقابلہ ہم مادھو آچاریہ کے "دویت واد" (ثنویت) سے کرسکتے ہیں۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات کی تخلیق لاشئے سے ہوئی ہے اور خالق کا جوہر مخلوقات سے جدا ہے یہ نظریۂ "ہمہ از اوست" (سب اُسی نے بنایا) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لا معبود الا ہو" ہے۔ یہ ہوالباری کا نعرہ بلند کرتے ہیں یعنی خدا فطرت سے ماورا اور اُس کا خالق ہے۔ اس نظریہ کے مطابق خدا اور انسان کا تعلق خالق اور مخلوق حاکم اور محکوم کا سا ہے لہٰذا خدا کو محبوب کل ماننے کے باوجود عاشقِ حق انا عبدہ (میں اُس کا غلام ہوں) کی منزل سے آگے نہیں بڑھتا۔

وجودیہ ۔ اس کا مقابلہ ہم شنکر آچاریہ کے "ادویت واد" (وحدت الوجود) سے کرسکتے ہیں۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے۔ خالق اور مخلوق کا جوہر ایک ہے۔ یہ نظریۂ "ہمہ اوست" (سب وہی ہے) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لا موجود الا ہو" ہے۔ یہ ہوالکل کا نعرہ بلند کرتے ہیں یعنی کائنات کی ہر شئے میں خدا کا ظہور ہے اور ماسوا اللہ کے اور کچھ موجود نہیں ہے

---

[1] ان کے کلام کا نمونہ "شعر العجم" جلد دوم میں دیکھئے۔ [2] تفصیلی حالات کے لئے مولانا شبلی نعمانی کی کتاب "سوانح عمری مولانا روم" ملاحظہ ہو

[3] تفصیلی معلومات کے لئے مولانا حالی کی کتاب "حیات سعدی" دیکھئے۔

[4] نگار سالنامہ ۵۵ء صفحہ ۱۳۰

سان اور خدا میں وہی نسبت ہے جو قطرہ اور دریا میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب طالبِ حق کمال کے درجہ کو پہونچتا ہے تو وہ منصور کی طرح انا الحق[۱] (میں حق ہوں) چلا اُٹھتا ہے۔ اس نظریے مطابق عشق، عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں اور انسان میں خدا کا حلول یا خدا سے انسان کا اتحاد اور وصال ممکن ہے۔ عشق حقیقی آخری منزل میں انسان اور خدا کا رابطہ

من تو شدم، تو من شدی — من تن شدم، تو جاں شدی

ہو جاتا ہے۔

وحدت الوجود کے قایل زندگی کو ایک بارِ گراں سمجھتے ہیں۔ انھیں خدا سے "جدائی" کا احساس ستاتا رہتا ہے۔

ہودیہ — اس کا مقابلہ ہم رامانج کے "وششٹ ادویت واد" (مشروط ثنویت) سے کر سکتے ہیں۔ یہ نظریہ ایجادیہ اور وجودیہ کے درمیان چیز ہے۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق عالم و ما فیہا مثل آئینہ کے ہیں جن میں الٰہی صفات کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ نظریہ "ہمہ از اوست" سب اُسی میں ہے) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لا مشہود الا ہو" ہے۔

تخلیق عالم کے بارے میں اس مدرسہ کا یہ خیال ہے کہ ؎

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد — پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد
خود را بہ لباس غیر دیدن عجب است — کیں بو العجبی کارِ خدائی باشد

شہود کے معنی دیکھنے یا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں یہ ایک درجہ بھی ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد الک کو تمام موجودات میں جلوۂ حق نظر آنے لگتا ہے۔ اس مسلک کے ماننے والے شہودی کہلاتے ہیں۔ اور در اصل وجودی اور شہودی ہی وفیوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔

شہودیہ دبستانِ خیال کے بانی شیخ رکن الدین علاء الدولہ تھے۔ اُن کا صحیح زمانہ نامعلوم ہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ [illegible] میں راد میں مقیم ہے۔

بایزید بسطامی (متوفی ۸۷۴ء) ابو سعید خراسانی (۹۶۷ء - ۱۰۴۹ء) اور محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ء - ۱۲۴۰ء) فلسفہ دت الوجود کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ الجیلی (۱۳۶۵ء - ۱۴۲۸ء) نے "انسان کامل" میں اس نظریے کی تائید کی۔ وہ کہتا ہے کہ: "خدا پانی اور فطرت آب نجمہ یا برف"۔ ابن العربی کے نزدیک بھی "خالق اور مخلوق دونوں کا جوہر ایک ہے" (وجود المخلوقات عین وجود الخالق)

بایزید بسطامی نے تصوف میں "فنا" کے تصور کو داخل کیا۔ یعنی جب عارف نہایت درجہ تک پہونچتا ہے تو اُس کی ذات منفی ہو جاتی ہے اور ف خدا ہی خدا رہ جاتا ہے اور یہ مرتبہ "فنا فی اللہ" کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ صوفیہ کے عقیدہ میں حصولِ فنا کے بعد بقائے دوام حاصل تا ہے۔ اس عقیدے کا مقابلہ بدھ مذہب کے موکش یا نرواں سے کیا جاتا ہے۔

عقیدۂ حلول

اسی سلسلہ میں عقیدۂ حلول کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر شئے کے رگ و پے میں اس طرح پیوست ہو جاتا ہے کہ اُسے ذاتِ الٰہی سے کوئی جدا شئے قرار دینا ممکن نہیں اور اس لئے اگر خود اس پر خدا کا اطلاق کیا جائے تو غلط ہوگا۔ فرقۂ حلولیہ کے مطابق خدا ہر شئے کے جزو جزو میں اس طرح گھل مل کر سمایا ہوا ہے کہ اُس شئے ہی کو بجائے خود اللہ قرار دے دیا جائے تو صحیح ہوگا" عقیدہ ویدانت سے تعلق رکھتا ہے۔ حسین بن منصور حلاج بھی حلول کا قایل تھا۔" وہ مدعی تھا کہ تذکیہ نفس و تصفیہ قلب اور کثرت عبادات

---

۱ انا الحق ہمیں ویدانت کے "اہم برہم اسمی" (میں خدا ہوں) اور "تت توم اسی" (تو "وہ" ہے) کی یاد دلاتا ہے۔

۲ حسین بن منصور حلاج از جناب مولوی محمد اسمٰعیل ناصح "عالمگیر" جون ۱۹۴۲ء۔

سے انسان بشریت سے منزہ ہوجاتا ہے اور اُس میں ایک خاص استعداد و صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے ۔ اُس وقت روح الٰہی اُس میں حلول کرجاتی ہے اور وہ انسان سے بالکل خدا بن بیٹھتا ہے[۱]۔ اسی عقیدے کے پیشِ نظر اس نے انا الحق (میں حق ہوں) اور "لیس فی جبتی الا الحق" (میرے لباس حق کے سوا کچھ نہیں ہے) کا نعرہ لگایا ، اسی دعوئے الوہیت کی بنا پر اسے ۹۲۲ء میں قتل کر دیا گیا ۔

شریعت سے انحراف

منصور کے ایسے مرموز فقرے بایزید بسطامی سے بھی منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً : " میرے جبہ میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہے " ۔ " میری شان کیسی عالی ہے " ۔ " فی الحقیقت میں خدا ہوں ، میرے سوا کوئی خدا نہیں اسلئے میری پرستش کرو " وغیرہ وغیرہ ۔ وہ خواب میں " معراج " حاصل ہونے کے بھی مدعی تھے ۔ انھیں کا قول ہے کہ عشق عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں میں اور تو (خدا) کی تفریق سے خدا کی توحید میں فرق پڑتا ہے ۔

ابو سعید خراسانی (متوفی ۱۰۴۹ء) عارفین کے لئے شریعت کو غیر ضروری بتاتے تھے ۔ اپنے سلسلہ کے درویشوں کو انھوں نے ہدایت کی تھی کہ جب موذن اذان دیں تو سلسلۂ رقص کو منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ وہ حج کی بھی ممانعت کرتے تھے ۔ شمس تبریز کے اشعار ذیل سے بھی حج کی نفی ہوتی ہے ؎

اے قوم ! بہ حج رفتہ ! کجا اید کجا اید
معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
معشوق تو ہمسایۂ تو دیوار بہ دیوار
در بادیہ سرگشتہ چرائید چرائید
آناں کہ طلبگارِ خدا اید ، خدا اید !
حاجت بہ طلب نیست شما اید شما اید !
چیزے کہ نگردید گم ، از بہر چہ جوئید
کس غیر شما نیست کجا اید کجا اید !

قدیم صوفیوں کے برخلاف جو سنت رسول کا اتباع کرتے تھے ، یہ شریعت سے صریحاً انحراف ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ فقہا اور متکلمین نے ہمیشہ تصوف کو نفاق سمجھا ۔ خارجیوں اور امامیوں نے بھی اس کی مذمت کی ۔ معتزلہ اور علماء ظواہر نے تصوف کی اس لئے مخالفت کی کہ خالق اور مخلوق کے 'عشق' کو تسلیم کرنے کے معنی نظری طور پر " تشبیہ " کے اصول کو تسلیم کرنا اور عملی طور پر ملامسہ اور حلول کو ماننا ہے ۔

حقیقتِ محمدی

بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے صوفیہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ کے ساتھ نور کا تصور بھی انھوں نے شامل کیا تھا[۲] لیکن دراصل یہ خیال بڑا پرانا ہے ۔ ابن سینا (ولادت ۹۸۰ء) نے اپنی کتاب الاشارات میں فلسفۂ ارسطو کی عقل (علت اولیٰ) کا مقابلہ خدا کے نور سے کیا تھا جس کا قرآن (۲۴/۳۵) میں ذکر ہے ۔

یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول " جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا " (۱۴/۹) رسول اللہ سے اس طرح منسوب کیا جاتا ہے " جس نے مجھے دیکھا اُس نے اللہ کو دیکھا " بعض صوفیہ کے نزدیک محمدؐ جامۂ بشری میں خدا تھے نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ وہ تخلیقِ عالم سے پہلے موجود تھے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے نظام تکوین میں محمدؐ کا وہی مقام ہے جو عیسائیت میں " کلام " (Logos) کا ہے ۔ یوحنا کی انجیل کی ابتدائی آیات ہیں :-

---

[۱] حسین بن منصور حلاج از جناب مولوی محمد اسمٰعیل ناصح " عالمگیر " جون ۱۹۴۲ء ۔

[۲] امام غزالی کی کتاب " مشکوٰۃ الانوار " کے ایک باب میں 'حقیقت محمدی' کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ۔

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا . . . . ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اُس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی اُس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا" (باب ۱ - آیات ۱ - ۴)

حدیث نبوی ہے کہ "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا تھا اور پھر اُس نور سے زمین و آسمان اور ساری مخلوق کو پیدا کیا۔"

دوسری حدیث ہے :- "میں پیدا ہوا ہوں اللہ کے نور سے اور میرے نور سے ساری مخلوق ہے" (قصص الانبیاء)

محی الدین ابن عربی (۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء - ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) نے حقیقتِ محمدی پر تفصیلی گفتگو کی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ :- "حقیقتِ محمدی کا تخیل کائنات کا تخلیقی، احیائی اور عقلی اصول ہے - وہ "حقیقت الحقائق" ہے جس کا ظہور "انسانِ کامل" میں ہوتا ہے - کامل انسان وہ ہے جس میں عالمِ کبیر کے جملہ صفات کا اجتماع ہو"۔

عبدالکریم الجیلی (۷۶۷ھ/۱۳۶۵ء - ۸۳۲ھ/۱۴۲۸ء) نے اپنی مشہور تصنیف "الانسان الکامل" میں حقیقت محمدی پر یوں روشنی ڈالی ہے :-

"اُس کا ایک نام امراللہ ہے اور تمام موجودات میں اُس کا مرتبہ افضل ترین ہے - وہ تمام مخلوقات کا محور ہے - ملائکہ اُس کے سامنے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو قطرے بحرِ ذخار کے سامنے"۔

تخلیق عالم کو صوفیہ کی اصطلاح میں "تنزل" کہتے ہیں - اس نظریے کی تائید میں حدیث قدسی نقل کی جاتی ہے یعنی "میں (خدا) ایک مخفی خزانہ تھا - میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا"۔

صوفیہ کے نزدیک ساری کائنات دو حصّوں میں منقسم ہے - عالمِ امر اور عالمِ خلق - عالم امر سے مراد وہ لطیف اشیاء ہیں جو لفظ "کن" سے پیدا ہوگئیں - یہ غیر فانی ہیں اور عالمِ خلق سے مراد وہ اشیاء ہیں جو مادے سے پیدا کی گئیں یہ فانی ہیں - ان دو عالمین کو ملا کر عالمِ کبیر کہتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں انسان کو عالمِ صغیر کہا جاتا ہے جو عالمِ امر کے پانچ عناصر (قلب، روح، سر، خفی اور اخفاء) اور عالمِ خلق کے پانچ عناصر (نفس، خاک، باد، آتش، آب) کی ترکیب سے بنا ہے۔

صوفی کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ترکیبی عناصر (جنھیں لطائف کہتے ہیں) کو منزہ کر کے عرفان حاصل کرے۔

طریقۂ تصوف

تصوف کی اصطلاح میں روحانی زندگی کو "سفر" کہتے ہیں اور حق کی طالب روح "سالک" کہلاتی ہے - اُس کی منزلِ مقصود "معرفت" ہے اور راستہ "طریقت" - وہ مختلف "مقامات" اور "احوال" سے گزر کر منزل تک پہونچ کر "فنا فی الحقیقت" ہونا چاہتی ہے۔

امام غزالی، مشکوٰۃ الانوار میں لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ روشنی اور تاریکی کے ۷۰ ہزار حجابات میں مخفی ہے جن میں سے نصف اندرونی پردے نور کے ہیں اور نصف بیرونی تاریکی کے - وصال کی آرزو مند روح سات منازل سے گزرتی ہے اور ہر منزل طے کرنے پر دس ہزار پردے دور ہو جاتے ہیں بالآخر جب روح آخری منزل کو پہونچتی ہے تو سارے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور طالب مطلوب کے روبرو ہوتا ہے۔

ہفت منازل کے بارے میں صوفیہ میں اختلاف ہے - بعض کے نزدیک وہ منزلیں یہ ہیں :- (۱) عبودیت (۲) عشق (۳) زہد (۴) معرفت (۵) وجد (۶) حقیقت (۷) وصل - بعض روحانی نشوونما کی صرف چار منزلیں مانتے ہیں یعنی شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت، ان کا مقابلہ ہم مسیحی صوفیوں کی تین اصطلاحوں سے کر سکتے ہیں :- (۱) تزکیہ نفس (۲) تنویر قلب (۳) واصل۔

صوفیہ کشف کے بھی قایل ہیں یعنی ہر انسان میں خدا تک پہونچنے اور اُس کو جاننے کے لئے ایک قوتِ مخفی موجود ہے - اس خوابیدہ قوت کو بیدار کرنا ہی صوفیہ کا نصب العین ہے - اس کا آغاز دنیا کی حرص و ہوس کو چھوڑ کر عبادت، ریاضت اور مراقبہ سے ہوتا ہے - طریقت کے معنی ہیں "راہِ حق" اس منزل میں قدم رکھنے کے بعد سالک کو الہام حاصل ہوتا ہے - بعد ازاں انسان خدا کا سچا علم (عرفان) حاصل کرتا ہے اور آخری منزل وہ ہوتی ہے جب انسان کی اپنی خودی بالکل مٹ جاتی ہے اور خدا ہی خدا رہ جاتا ہے۔

روحانی نشوونما کے لئے انسان کو اُن تمام منازل سے گزرنا پڑتا ہے جن سے خدا تکوینِ عالم کے فعل میں گزرا لیکن خدا کا عالمِ مخلوقات میں ظہور تنزل کی صورت میں ہوتا ہے اور بندہ کا خدا تک پہونچنا عروج کی صورت میں۔ انھیں کو قوسِ نزول اور قوسِ عروج کہتے ہیں اور یہی سفرالحق اور سفرالعبد کہلاتا ہے۔

عشقِ مجازی صوفیہ عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کی ایک منزل قرار دیتے ہیں یعنی جب انسان کو دنیاوی عشق میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ خدا کی طرف رجوع ہوتا ہے اور دنیاداری کو چھوڑ کر خدا سے محبت کرنا سیکھتا ہے۔ وہ ذاتِ خداوندی کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور خدا کے لئے خودی کو مٹا دیتا ہے دنیا میں پڑ کر خدا کا حاصل کرنا صوفیہ کے نزدیک محال ہے۔

اگرچہ رہبانیت اسلام کے منافی ہے (حدیث ہے "لا رہبانیت فی الاسلام") لیکن ترکِ دنیا صوفیہ کا شعار رہا ہے۔ ابراہیم بن ادہم (متوفی ۱۶۱ھ) بلخ کے شہزادے تھے لیکن انھوں نے تخت و تاج چھوڑ کر فقیری لے لی (اُن کی زندگی ہمیں گوتم بدھ کی یاد دلاتی ہے) ابوحامد الغزالی (۱۰۵۸ء۔ ۱۱۱۱ء) جو بغداد کے مدرسۂ نظامیہ میں پروفیسر تھے فلسفہ اور دینیات میں روحانی تسکین نہ پاکر تصوف کی طرف مایل ہوئے اور اپنے عہدے سے استعفا دے کر تلاشِ حق میں بغداد چھوڑ کر خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ اسی طرح فریدالدین عطار (ولادت ۱۱۱۹ء) نے بھی اپنا پیشہ چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ مختصر یہ کہ فقر و فاقہ اور ترکِ دنیا صوفیہ کی زندگی کا ایک ضروری جزو رہا ہے۔

صوفیہ کی آزادروی چونکہ صوفیا کا واحد مقصود "تلاشِ حق" ہوتا ہے لہٰذا وہ مذاہب میں تفریق نہیں کرتے۔ عرفی کہتا ہے:-

عاشق ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر | پروانہ چراغِ حرم و دیر نہ داند
ہرگز مگو کہ کعبہ ز بتخانہ خوشتر است | ہر جا کہ ہست جلوۂ جانانہ خوشتر است

فارسی اُردو شعراء نے بکثرت اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔

اقبال اور فلسفۂ خودی تصوف کی بنیاد فنا فی اللہ کے عقیدہ پر ہے۔ وہ دنیاوی علوم و فنون میں ترقی کے بجائے ترکِ دُنیا کی تعلیم دیتا ہے توکل، قنوطیت اور تقدیر پرستی اُس کے لازمی ثمر ہیں اور جب تصوف شعر و ادب میں داخل ہو گیا تو عوام پر اس کی اثر اندازی بڑھ گئی جس سے عوام کے ذوقِ عمل کو صدمہ پہونچا اور من حیث الکل تصوف مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہوا۔ لہٰذا اس بے راہ روی کے استیصال کے لئے ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال (۱۸۷۶ء۔ ۱۹۳۹ء) نے اپنی مثنوی "اسرارِ خودی" میں تصوف کی ایک نئی تفسیر پیش کی اور اُن کے پیغام نے مسلمانانِ عالم میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اقبال نے فلسفہ اور تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ تصوف کے "انسانِ کامل" اور فلسفہ کے "فوق البشر" (Superman) سے انھوں نے "فلسفۂ خودی" کا بنیادی تخیل اخذ کیا۔

انسان و خدا کے باہمی تعلق پر اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی میں جو خیال آرائی کی اُس کا خلاصہ یہ ہے:- خدا کے مقابلہ میں انسان ایک مستقل ہستی کا مالک ہے اور اُسے "وصل" کی آرزو کے بجائے اپنی "خودی" میں رفعت پیدا کرنا چاہئے۔ صوفیہ کے نزدیک "ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کو نفسِ کل میں جذب کر دیں قطرہ کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ دریا کی بے پایاں اور لازوال موجوں میں گم ہو جائے"[1]۔ لیکن اقبال کا کہنا ہے کہ جب انسان کی انفرادیت ہی ضایع ہو گئی تو وصال کا کیا لطف۔ اگر قطرہ دریا میں ملے گا تو اپنی جداگانہ ہستی کھو بیٹھے گا لہٰذا ہمیں نفیِ خودی کے بجائے حفظِ خودی کی تدبیر کرنا چاہیے۔ ۔۔۔ دراصل "فلسفۂ خودی تصوف کے اس مخصوص تصور کا رد ہے جو انسان کو اپنی جداگانہ ہستی مٹانے کی تلقین کرتا ہے۔۔۔ وہ ہستی صوفیہ کے نزدیک باعثِ ننگ اور منبعِ آلام ہے اقبال کے نزدیک مایۂ صد فخر و مباہات ہے اور وہ اُسکی تحلیل کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ خدا سے ملنے پر آمادہ ہیں لیکن اپنی ہستی کو کھو کر نہیں"[2]۔ اقبال انسان کی مجبوری کے قایل نہ تھے۔ نوعِ انسان کے لئے اُن کا یہ پیغام تھا ؎

خودی کو بلند اتنا کر کہ ہر تقدیر سے پہلے | خدا بندے سے پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

---

[1] محمد رفیق خاور "اقبال اور اُس کا پیغام" صفحات ۱۲-۱۰۔ [2] "اقبال اور خدا" از جناب عبدالغفار صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل عالمگیر جون ۱۹۴۲ء

عقلیت کا عروج

تاریخ عالم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب اور علم ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے ہیں اور ایسا ہونا چاہئے تھا کیونکہ مذہب اپنی تعلیمات پر آنکھ بند کرکے عمل کرانا چاہتا ہے اور علم ہر چیز کو تسلیم کرنے سے پہلے عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اسی لئے علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ لوگوں میں تشکیک کا مادہ بڑھتا گیا اور پھر اسی تشکیک نے آگے چل کر الحاد و کفر کی صورت اختیار کر لی۔

جب کسی قوم کے مذہب، اخلاق میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو مفکرین اصلاح کی ضرورت محسوس کرنے لگتے ہیں اور جب کوئی شخص اصلاح کی غرض سے سامنے آتا ہے تو اس کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ مصر میں جب اخناطن نے اصلاحی قدم اٹھایا تو قوم اس کی دشمن ہو گئی۔

ہندوستان میں بدھ اور جین مذاہب کا ظہور برہمنوں کے مذہب کے ردعمل کی صورت میں ہوا تھا چونکہ ان دو مذاہب کے بانیوں (مہاتما گوتم بدھ اور مہابیر سوامی) نے ویدک مذہب کے بنیادی عقاید کو تسلیم کر لیا تھا اس لئے مصلح و پیغمبر کہلائے لیکن چارواک نامی فرقے نے ویدک مذہب پر سخت تنقید کی اور مصالحت پر طیار نہ ہوا اس لئے ملحد کہلایا[1]۔

یونان و روم کے ملاحدہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے خیالات عوام سے قطعاً مختلف تھے اور وہ کسی طرح اُن سے مفاہمت کرنے پر طیار نہ تھے۔

عرب میں محمدؐ کا ظہور اُس وقت ہوا تھا جب عربوں کا مذہب خرافیات اور مکروہات کا مجموعہ بن کر رہ گیا تھا۔ اُن کی ہر طرح سے مخالفت کی گئی، لیکن بالآخر انھوں نے اپنے بلند اخلاق اور کردار سے بدوؤں کو رام کر لیا اور پیغمبر کہلائے۔ پھر مسلمانوں ہی میں ابن الراوندی جیسے ملحدِ اعظم پیدا ہوئے اور بہت سے دوسرے لوگ بھی جنھوں نے اسلامی تعلیمات پر علم و عقل کی روشنی میں نکتہ چینی کی یا اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔

الغرض الحاد اور کفر دُنیا میں کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن یورپ اور امریکہ سے پہلے جن ممالک میں الحاد کا ظہور ہوا وہ محض ذاتی غور و فکر کا نتیجہ تھا، اُس میں سائنس کا دخل نہ تھا اور موجودہ الحاد سائنس پر مبنی ہے۔

دورِ جدید کا آغاز قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں تہذیب و شائستگی کا زوال ہو چکا تھا۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم تھیں۔ جاگیرداروں کا زور تھا۔ عوام کی حالت نہایت خراب تھی۔ تعلیم کا فقدان اور مذہب کا غلبہ تھا۔ مذہبی معاملات میں پوپ کی رائے آخری تسلیم کی جاتی تھی اور گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ میں تقریباً نصف جاگیردار چرچ کے افسر تھے۔

سولھویں صدی سے جاگیرداری مٹنے لگی اور حکومت کی باگ ڈور طاقتور بادشاہوں کے ہاتھ میں آگئی۔ بادشاہوں نے

---

[1] اگرچہ بدھ اور جین مذاہب بھی ملحد ہیں، تاہم ہندوؤں کی نگاہ میں گوتم بدھ کی اتنی اہمیت ہے کہ انھیں وشنو کا اوتار مان لیا گیا۔ جین مذہب بھی ہندو مذہب کی ایک شاخ مانا جاتا ہے۔ لیکن چارواک فرقہ کو ہندوؤں نے ہمیشہ ذلت کی نگاہ سے دیکھا۔

اس بات کی بھی کوشش کی کہ سیاسی صیغہ کی طرح مذہب پر بھی اُن کا اقتدار قایم ہوجائے۔ اس پر پوپ اور بادشاہوں میں جھگڑا ہوا۔ بالآخر پوپ کی طاقت محدود ہوگئی اور بادشاہوں کے اختیارات مذہب کے معاملہ میں بھی بڑھ گئے۔ وہ "نیابت الٰہی" کے اُصول کے قایل تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہوں کا تقرر خدا کی جانب سے ہوتا ہے لہٰذا وہ خدا کے سوا اپنے اعمال اور افعال کے لئے کسی کے روبرو جوابدہ نہیں لیکن علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عوام کو اپنے حقوق اور فرایض کا پورا احساس ہوچکا تھا۔ اٹھارویں صدی سے استبدادی حکومتوں کا زوال شروع ہوا اور دور جدید کے دوسرے نصف (پہلا نصف سولھویں سے اٹھارویں صدی تک مانا جاتا ہے) یعنی اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں دُنیا کے بیشتر ممالک سے بادشاہت رخصت ہوگئی اور جمہوریت قایم ہوگئی۔

علوم و فنون کا احیاء یونان و رومہ کے زوال کے بعد سے یورپ میں جہالت کا دور شروع ہوگیا تھا۔ چودھویں سے سترھویں صدی عیسوی تک یورپ میں علوم و فنون کی نئی اشاعت ہوئی۔ یہ تحریک "نشاۃ ثانیہ" (Renaissance) کہلاتی ہے۔ جو بڑی حد تک مسلمانوں کی رہین منت ہے۔ تمدن یورپ پر اسلامی اثرات کی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوتی ہے۔ علم کا پہلا مرکز اٹلی تھا وہاں سے علمی ذوق فرانس۔ اسپین اور انگلستان وغیرہ منتقل ہوا۔ بعد کو کاغذ سازی کے رواج اور چھاپے خانوں کے قیام سے اشاعت علوم میں بڑی مدد ملی۔

مذہبی اصلاح (Reformation) اول اول پوپ کو کلیسا کا صدر مانا جاتا تھا اور ملک کی حکومت پر بھی اس کا بڑا اقتدار تھا حتیٰ کہ جب جرمنی کے بادشاہ ہنری چہارم کو پوپ گریگوری ہفتم (۱۰۷۳ء - ۱۰۸۵ء) نے عیسائی برادری سے خارج کردیا تو وہ ننگے پاؤں اور ٹاٹ لپیٹ کر اُس سے معافی مانگنے گیا تھا۔[1]

اس کے بعد جب علم کی روشنی پھیلی تو لوگ پوپ پر بھی رائے زنی کرنے لگے اور اصلاح کلیسا کی طرف لوگوں کو توجہ ہوئی۔ اس سلسلہ میں جان وکلف (John Wycliffe) کا نام سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے جو چودھویں صدی عیسوی میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دیتا تھا، وہ بڑا آزاد خیال شخص تھا اس کی نکتہ چینی سے ناراض ہوکر پوپ نے اُسے برادری سے خارج کردیا (اُس زمانہ میں کسی بھی آدمی کے لئے یہ سب سے بڑی سزا خیال کی جاتی تھی) اور اُسے یہ حکم ملا کہ یونیورسٹی میں تعلیم کا کام ترک کردے اور جب وہ مرگیا تو ایک مذہبی جلسہ کے حکم کے مطابق اُس کی لاش پاک مقام سے کھود کر ناپاک جگہ پر پھینک دی گئی اور اُس کے پیرووں کی کثیر تعداد زندہ جلادی گئی۔[2]

دوسرا شخص ایرٹسمس (Erasmus) تھا جس نے چرچ کی خرابیوں کو طشت ازبام کیا۔ اُس کا زمانہ ۱۴۶۶ء سے ۱۵۳۶ء ہے۔ اگرچہ وہ ہالینڈ میں پیدا ہوا تھا مگر اُس کی زندگی کا زیادہ حصہ فرانس۔ انگلستان، اٹلی اور جرمنی میں گزرا تھا۔ پوپ[3] کو بے نقاب کرنے کے لئے اُسی نے ۱۵۱۹ء میں ایک کتاب "حماقت کی تعریف" (The Praise of Folly) لکھی جس سے پوپ کے وقار کو سخت نقصان پہونچا۔

تیسرا شخص مارٹن لوتھر (Martin Luther) تھا۔ اُس نے مذہبی اصلاح کی سب سے زیادہ کوشش کی وہ ۱۴۸۳ء میں جرمنی میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں وفات پائی۔ اُس نے لیودہم (Leo X) کی سخت مخالفت کی اور آخر کار جرمنی میں پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد پڑگئی جو یورپ کے دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا یہاں تک کہ اب اسپین و اٹلی کے علاوہ تمام یوروپ و امریکہ پروٹسٹنٹ کلیسا کا مقلد ہے۔[4]

---

[1] آر۔ کے۔ ماتھر ایم، اے "ارتقائے انسانی"، صفحات ۱۸۷ - ۱۸۸ (کانپور ۱۹۵۲ء) ۔ [2] آر۔ کے ماتھر ایم۔ اے "دنیا کی مختصر تاریخ"، کانپور ۱۹۵۲ء) صفحات ۱۸۶ - ۱۸۷ ۔ [3] ایضاً صفحات ۱۸۶ - ۱۸۷ ۔ [4] ایضاً صفحہ ۱۸۹ ۔

مذہب سے انحراف پروٹسٹنٹ مذہب کے قیام سے یورپ میں فرقہ وارانہ خونریزی کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں کسی ملک کا حکمراں کیتھولک مذہب کا پیرو ہوتا تو پروٹسٹنٹ لوگوں کا خون بہاتا اور جب کوئی حکمراں پروٹسٹنٹ ہوتا تو کیتھولک لوگوں کا قتل عام کرتا۔ پروٹسٹنٹ مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے پوپ نے ایک خاص محکمۂ تفتیش (Inquisition) قایم کیا جس نے چند سال کے مختصر عرصہ میں اسپین اور اٹلی میں لاکھوں انسانوں کی جان بڑی عقوبت سے لی۔ اور جب بھی کسی عالم نے کوئی ایسی بات کہی جو بائبل کی تعلیم کے خلاف ہوئی تو وہ بھی پوپ کا نشانۂ غضب بنا۔ الغرض جتنی علمی ترقی ہوتی جاتی تھی اتنی ہی لوگوں کو اس بات کا احساس ہوتا جاتا تھا کہ بائبل "الہامی صحیفہ" نہیں ہے اور اُس کی بعض تعلیمات علم کی رو سے غلط ہیں۔ چنانچہ گیارڈانو برونو (Giordano Bruno) اطالوی عالم کو اسی جرم میں پوپ کے حکم سے سات سال کے لئے قید میں ڈال دیا گیا اور پھر ۱۷ فروری ۱۶۰۰ء کو زندہ جلا دیا گیا اور گلیلیو (Galileo) کو اس جرم میں کہ وہ سورج کے گرد زمین کی گردش کا قایل تھا، قانونی شکنجہ میں کسا گیا۔

پھر عالموں کے دشمن صرف کیتھولک مذہب کے ماننے والے ہی نہ تھے بلکہ پروٹسٹنٹ مذہب کے لوگ بھی تھے۔ انھوں نے عیسائی مذہب میں صرف اتنی ہی اصلاح کی تھی کہ پوپ کی غلامی کے جوئے کو اُتار پھینکا تھا اور گرجوں سے مریم اور عیسیٰ کے بُت اور تصویریں نکلوا دی تھیں لیکن وہ اس کے لئے طیار نہ تھے کہ کوئی شخص بائبل کے بیانات کو غلط ثابت کرے۔ اگرچہ ارباب مذہب نے سائنسدانوں اور فلاسفہ پر طرح طرح کے ظلم کئے تاہم ان کی ترقی برابر جاری رہی۔

فرانس ۔ ڈیکارٹ[۱] (۱۵۹۶ء ۔ ۱۶۵۰ء) کو فلسفہ جدیدہ کا بانی مانا جاتا ہے وہ پہلا شخص تھا جس نے فلسفہ اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ اگرچہ وہ خدا کا قایل تھا تاہم خدا کے بارے میں اُس کا تصور عوام سے مختلف تھا۔ جیسوٹ پادریوں کے خوف سے اُس نے اپنے خیالات کا اظہار کھل کر نہیں کیا لیکن اس میں ذرا شبہ نہیں کہ وہ عقلیت کا زبردست حامی تھا۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت اس کی کتاب (Discourse on Meth) ہے۔ ڈیکارٹ کے انتقال کے صرف بیس سال کے بعد اُس کے فلسفہ پر پابندی عاید کر دی گئی بایں ہمہ اُس کا فلسفہ ترقی کرتا رہا۔

نکولس فریریٹ[۲] (۱۶۸۸ء ۔ ۱۷۴۹ء) فرانس کا پہلا عالم تھا جس نے اپنے کو لامذہب ظاہر کیا اور روسو[۳] (۱۷۱۲ء ۔ ۱۷۷۸ء) اور والٹیر[۴] (۱۶۹۴ء ۔ ۱۷۷۸ء) سماجی انقلاب پیدا کرنے میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اگرچہ یہ دونوں خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن وحی کے قایل نہ تھے اور والٹیر کو بقائے روح سے بھی انکار تھا۔ جب والٹیر نے اپنے فلسفیانہ خطوط (Philosophical Letters) شایع کئے تو اصحاب کلیسا اس قدر برہم ہوئے کہ اُس کی جلدوں کو فراہم کرکے جلا دیا اور غریب والٹیر کو جان بچانے کے لئے ایک قلعہ میں پناہ لینی پڑی۔

والٹیر اور روسو کا ہم عصر ایک دوسرا زبردست عالم ڈڈیرٹ[۵] (۱۷۱۳ء ۔ ۱۷۸۴ء) تھا جس نے فلسفۂ تشکیک سے متاثر ہو کر ۱۷۴۶ء میں ایک کتاب لکھی اور اس کی پاداش میں اسے ایک سال کے لئے قید کر دیا گیا۔

اسی سلسلہ میں مشہور عالم فطرت بفان[۶] (۱۷۰۷ء ۔ ۱۷۸۸ء) کا ذکر بھی ضروری ہے جس نے ۳۵ سال کے عرصہ میں (۱۷۴۹ء سے ۱۷۸۸ء تک) ۳۶ جلدوں میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب (Natural History) لکھی تھی۔ اس کتاب میں اُس نے سورج اور سیاروں کی پیدائش کا وہ نظریہ بھی شامل کر لیا جس کا بھدا خاکہ ڈیکارٹ نے بنایا تھا اور جسے سائنسی صورت لاپلاس نے عطا کی۔ پادریوں نے اُسے مجبور کیا کہ وہ اس کتاب کی بعض عبارتیں بدل دے۔ غالباً اُس نے ایسا ہی کیا کیونکہ بعد کو اُس نے اپنے ایک دوست سے

---

۱ Descartes ۲ Nicolas Freret ۳ Rousseau ۴ Voltaire
۵ Diderot ۶ Buffon

کہا کہ "میں نے جا بجا خالق کا ذکر کیا ہے لیکن تمہیں صرف اس لفظ کو نکال کر بجائے اس کے قوت فطرت لکھنا ہے"۔ وہ بقائے روح کا بھی قایل نہ تھا۔۔

۱۷۹۶ء میں مشہور ماہر فلکیات لاپلاس[1] (۱۷۴۹ء - ۱۸۲۰ء) نے آفرینش عالم کے بارے میں اپنا مشہور "سحابی نظریہ" پیش کیا۔

مشہور فلسفی کامٹ[2] (۱۷۹۸ء - ۱۸۵۷ء) نے ایک خاص نظام فلسفہ کی بنیاد ڈالی جو ثبوتیت (Positivism) کہلاتا ہے۔ اس کی رو سے صرف اُن چیزوں کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جو قابلِ مشاہدہ اور قابلِ ثبوت ہیں لہذا خدا کی ذات وجود کے دایرہ سے خارج ہے۔ کامٹ نے "مذہبِ انسانیت" کو بھی پھیلانے کی کوشش کی اور اُس کی تنظیم رومن کیتھولک چرچ کے نمونہ پر کی۔ اسی لئے ہکسلے نے اُس کی یوں تعریف کی ہے کہ: "کیتھولک مذہب سے عیسائیت کو خارج کردو اور یہ کامٹ کا مذہبِ انسانیت ہے"۔ بہر حال اُس کا یہ مذہب تو زیادہ کامیاب نہ ہوا لیکن اُس کا فلسفہ بہت مقبول ہوا جسے انگلستان میں جان اسٹورٹ مل اور ہربرٹ اسپنسر نے بھی تسلیم کر لیا۔

عہدِ جدید میں فرانس کا مشہور فلسفی ہینری لوئی برگساں[3] (۱۸۵۹ء - ۱۹۴۰ء) ہوا ہے جسے ۱۹۲۷ء میں ادب کے سلسلہ میں نوبل پرائز دیا گیا لیکن اُس کا خاص کارنامہ اُس کی مشہور کتاب "تخلیقِ ارتقا" (Creative Evolution) ہے جو فرانسیسی زبان میں ۱۹۰۷ء میں شایع ہوئی اور ۱۹۱۱ء میں اُس کا انگریزی ترجمہ شایع ہوا۔ اس کتاب میں اُس نے روح اور مادے کو ازلی و ابدی تسلیم کیا ہے (اس لحاظ سے برگساں کا شمار ثنویئن میں ہوتا ہے) وہ روح کائنات کو "محرک جوہری" (Elan Vital) کہتا ہے اور اُس کے نزدیک ارتقاء روحِ کائنات کے تابع رہا ہے۔ وہ محض روحِ کائنات کو خدا سمجھتا تھا اور دینیات کے شخصی خدا کا قایل نہ تھا۔

ہالینڈ۔ اسپینوزا[4] (۱۶۳۲ء - ۱۶۷۷ء) وحدت الوجود کا سب سے بڑا موید تھا۔ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:۔ "خدا تمام اشیاء کی خارجی نہیں بلکہ داخلی علت ہے۔۔۔۔ سب چیزیں خدا کے اندر ہیں اور اُس میں حرکت کرتی ہیں"۔ دوسری جگہ لکھتا ہے:۔ "خدا کو مذکر تصور کرنا گویا عورت پر مرد کے تفوق کو ظاہر کرنا ہے۔ انسان نے خدا کو اپنا ایسا سمجھا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر مثلث بول سکتا تو وہ کہتا خدا مثلث ہے اور اگر دایرے کو گویائی حاصل ہوتی تو وہ کہتا خدا گول ہے"۔ ان خیالات میں ہمیں سینٹ پال اور زینوفینز کے اقوال کی جھلک نظر آتی ہے۔

جرمنی ۔ جرمنی کے شاعرِ اعظم گوئٹے[5] (۱۷۴۹ء - ۱۸۳۲ء) نے اسپینوزا کے فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا تھا اس لئے وہ بھی وحدت الوجود کا قایل ہو گیا۔ اپنی نظم "ایک اور سب" میں کہتا ہے کہ: "خود کو ذاتِ غیر محدود میں گم کر دینا اپنے کو پا لینے کے مرادف ہے"۔

جرمنی کے عظیم ترین موسیقار بیتھوون[6] (۱۷۷۰ء - ۱۸۲۷ء) اور مشہور عالمِ فطرت ہمبولٹ[7] (۱۷۶۹ء - ۱۸۵۹ء) اور مشہور فلسفی شیلنگ[8] (۱۷۷۵ء - ۱۸۵۴ء) بھی گوئٹے کی طرح نظریۂ "ہمہ اوست" کے قایل تھے۔

شوپنہائر[9] (۱۷۸۸ء - ۱۸۶۰ء) جو فلسفۂ ویدانت سے کافی متاثر ہوا تھا مسئلۂ جبر اور وحدت وجود کا موید تھا۔ فشتے[10] جرمنی کے تقریباً سب ہی فلاسفہ بقائے روح، وحی اور شخصی خدا کے منکر تھے اور غیر شخصی خدا کا اعتقاد رکھتے تھے۔

---

[1] Laplace — [2] Comte — [3] Henri Louis Bergson
[4] Spinoza — [5] Goethe — [6] Beethoven — [7] Humboldt
[8] Schelling — [9] Schopenhauer — [10] Fichte

(۱۷۶۲ء – ۱۸۱۴ء) کے نزدیک خدا نام تھا "کائنات کے اخلاقی نظام" کا اور وونٹ (۱۸۳۲ء – ۱۹۲۰ء) "کائنات کی الہٰی قوت" کو خدا سمجھتا تھا۔

ایمنویل کانٹ (۱۷۲۴ء – ۱۸۰۴ء) نے ۱۷۸۱ء میں اپنی مشہور کتاب "انتقاد عقل محض" (Critique of Pure Reason) لکھی جس سے فلسفۂ تشکیک کو تقویت پہونچی لیکن اُس کی دوسری کتاب "انتقاد عقل و عملی" (Critique of Practical Reason) وجود باری اور بقائے روح کی تائید کرتی ہے۔

فیورباخ (۱۸۰۴ء – ۱۸۷۲ء) لامذہب تھا۔ اُس نے مادیت کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں۔ کارل مارکس (۱۸۱۸ء – ۱۸۸۳ء) نے جو موجودہ اشتراکیت کا بانی تھا۔ فیورباخ کی تحریروں سے متاثر ہو کر مادیت اختیار کر لی تھی۔ جس چیز کو "مارکسزم" کہا جاتا ہے وہ اشتراکیت اور مادیت کا آمیزہ ہے۔ مولشاٹ (۱۸۲۲ء – ۱۸۹۳ء) جرمن ماہر عضویات، مادیت کا امام تھا۔ بوشنر (۱۸۲۴ء – ۱۸۹۹ء) نے ۱۸۵۵ء میں "قوت اور مادہ" (Force & Matter) نامی کتاب لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ وہ مادہ پرست تو نہ تھا لیکن لامذہب ضرور تھا اور وحدیئن (Monists) کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور بوشنر اور ہیکل (۱۸۳۴ء – ۱۹۱۹ء) بھی اسی جماعت سے وابستہ تھے۔

آسٹ والڈ (۱۸۵۳ء – ۱۹۳۲ء) نے ۱۹۰۶ء میں ہیکل کے ساتھ مل کر ایک "انجمن وحدیئن" (Society of Monists) بنائی جو دنیا کی سب سے بڑی عقلیت پسند جماعت تھی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء – ۱۹۱۸ء) کے بعد وحدیئن نے اُبھرنا شروع کیا لیکن نازیوں نے انھیں دبا دیا۔

نطشے (۱۸۴۴ء – ۱۹۰۰ء) کے نزدیک لحاد ایک پر لطف چیز "نغمۂ زردشت" (Thus Spake Zardusthra) میں لکھتا ہے: "تمام خدا مر چکے ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ فوق الانسان رہیں۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ فوق الانسان کیا ہے۔ انسان کچھ ایسی چیز ہے کہ اُس سے تجاوز کیا جا سکتا۔۔۔۔۔ توانائی، عقل اور فخر۔ ان سے فوق الانسان بنتا ہے مگر یہ سب چیزیں متوازن ہونی چاہئیں۔"

انگلستان میں مذہبی بیداری صحیح معنوں میں ملکہ ایلزبتھ (۱۵۵۸ء – ۱۶۰۳ء) کے زمانہ سے پیدا ہوئی۔ یہ ملکہ خود بڑی آزاد خیال عورت تھی۔ اُس کے مشہور درباری سر والٹر ریلے پر جیسوٹ پادریوں نے یہ الزام لگایا تھا کہ اُس کا گھر "ملحدین کا مرکز" ہے اور یہ بات بالکل ٹھیک تھی۔ مارلو (۱۵۶۴ء – ۱۵۹۳ء) ہیرک اور بعض دوسرے روشن خیال لوگوں نے ریلے کی معیت میں ایک کلب قایم کر رکھا تھا جہاں آزادانہ مسایل مذہبی پر نقد و تبصرہ کرتے تھے لیکن یہ لوگ خشک تھے نہ کہ "ملحد" جیسا کہ قدیم کلیسا کے معتقدین نے ان کا نام رکھا تھا۔

ٹامس ہابس (۱۵۸۸ء – ۱۶۷۹ء) سر ہنری بلاؤنٹ (۱۶۰۲ء – ۱۶۸۲ء) جان لاک (۱۶۳۲ء – ۱۷۰۴ء) اور جان ٹولینڈ [illegible] – ۱۷۲۲ء) نے عقلیت کی نشو و نما میں نمایاں حصہ لیا۔ اسکاٹ لینڈ کے مشہور مورخ اور فلسفی ڈیوڈ ہیوم (۱۷۱۱ء – ۱۷۷۶ء) نے جو عرصہ تک فرانس کے معقولیت پسندوں کی صحبت میں رہ چکا تھا اپنی تحریروں سے انگلستان میں فلسفۂ تشکیک کو فروغ دیا۔ اسی زمانہ میں ایک دوسرا مشہور مورخ ایڈورڈ گبن (۱۷۳۷ء – ۱۷۹۴ء) ہوا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے تاریخ سے خرافیات (Myths) کو جدا کیا اور "تاریخ زوال روما" لکھ کر

Karl Marx — Feuerbach — Immanuel Kant — Wundt

Nietzsche — Ostwald — Haeckel — Buchner — Moleschott

Marlowe — Sir Walter Raleigh — Elizabeth

Sir Henry Blount — Thomas Hobbes — Herrick

David Hume — John Toland — John Locke

Edward Gibbon

امر ہو گیا۔ ٹامس پین[۱۱] (۱۷۳۷ء – ۱۸۱۹ء) نے عیسائی مذہب کی خرابیوں اور بائبل کی خرافیات کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی مشہور کتاب (Age of Reason) لکھی جو بڑی کارگر ثابت ہوئی ۔۔ بینتھام[۱۲] (۱۷۴۸ء – ۱۸۳۲ء) رابرٹ اوین[۱۳] (۱۷۷۱ء – ۱۸۵۸ء) شیلی[۱۴] (۱۷۹۲ء – ۱۸۲۲ء) اور کارلایل[۱۵] (۱۷۹۵ء – ۱۸۸۱ء) وغیرہ یہ سب لامذہب تھے ۔

جب چارلس ڈارون[۱۶] (۱۸۰۹ء – ۱۸۸۲ء) نے اپنا مشہور "نظریۂ ارتقاء" پیش کیا اور اُس کی کتابیں "مصدر انواع" (Origin of Species) اور "سلالت انسان" (Descent of Man) چھپیں تو دُنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا کیونکہ ان کتابوں نے بائبل کے وقار کو سخت نقصان پہونچایا۔ ارباب مذہب نے نظریۂ ارتقاء کی سخت مخالفت کی۔ سر ٹامس ہنری ہکسلے[۱۷] (۱۸۲۵ء – ۱۸۹۵ء) اور ارنسٹ ہیکل[۱۸] (۱۸۳۴ء – ۱۹۱۹ء) نے ڈاروِن کی پرجوش حمایت کی اور بالآخر سائنس اور مذہب کی اس جنگ میں سائنس کی جیت ہوئی ۔۔ اب تک مذہب مابعد الطبیعیات، سیاسیات، اخلاقیات، قصص و حکایات کا مجموعہ تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ چیزیں مذہب کی گرفت سے آزاد ہونے لگیں۔ سائنس کی ترقی سے یہ ظاہر ہو گیا کہ زمین کی پیدائش اور اُس کی صورت کے بارہ میں مذہب کے آراء کس قدر غلط ہیں۔ آثار قدیمہ کے انکشافات اور تقابلی علم المذاہب نے مذہب کی اصلیت کو ظاہر کر دیا۔ دن بدن لوگوں میں تشکیک کا مادہ بڑھتا گیا۔ چنانچہ ہکسلے اور ہربرٹ اسپنسر[۱۹] (۱۸۲۰ء – ۱۹۰۳ء) وغیرہ مشکک تھے ۔ چارلس بریڈلا[۲۰] (۱۸۳۳ء – ۱۸۹۱ء) نے اپنے کو لامذہب ظاہر کیا اور بت شکن (Iconoclast) کے نام سے مذہب کے خلاف مضامین لکھے ۔ کولنس[۲۱] (۱۸۴۸ء – ۱۹۰۸ء) اور ہیملٹن[۲۲] (۱۸۸۸ء – ۱۹۳۹ء) وغیرہ نے بھی مذہب کو خیرباد کہدیا۔ برنارڈ شا[۲۳] نے بائبل کو "جھوٹوں کا بنڈل" (Packet of Lies) بتایا اور خدا کو "قوتِ حیات" (Life Force) ظاہر کیا۔ عصر جدید کے مشہور فلسفی اور ماہر ریاضی برٹرانڈ رسل[۲۴] (ولادت ۱۸۷۲ء) بھی خدا کو ایک قسم کی "کائناتی روح" تسلیم کرتے ہیں ۔ امریکہ ۔ امریکی معلم اخلاق ایمرسن[۲۵] (۱۸۰۳ء – ۱۸۸۲ء) وحدت الوجود کا قایل تھا۔ وہ خدا کو "روح برتر و اعلیٰ" (Over Soul) کہتا تھا اور اُس کا متبع فیلڈنگ ہال[۲۶] (۱۸۵۹ء – ۱۹۱۷ء) "روح عالم" (World Soul)۔ ولیم جیمس[۲۷] (۱۸۴۲ء – ۱۹۱۰ء) امریکی ماہر نفسیات نے اپنی کتاب "کثرتی کائنات" (A Pluralistic Universe) مطبوعہ ۱۹۰۹ء میں خدا کے عیسوی تخیل کی مذمت کی۔ ماہر عضویات لوئب[۲۸] (۱۸۵۹ء – ۱۹۲۴ء) نے اپنی کتابوں میں مادیت کی پرزور تائید کی ہے۔ جارج سنتایانا[۲۹] (۱۸۶۳ء – ۱۹۵۲ء) نے اپنے کتاب (Reason in Science) میں اس بات کا اعتراف کیا کہ "فلسفہ طبیعی میں میں پکا مادیتی ہوں ... لیکن میں یہ جاننے کا مدعی نہیں کہ خود مادہ کیا ہے" ۔۔ اطالوی فلسفی کروچے[۳۰] (ولادت ۱۸۶۶ء) نے اگرچہ مادیت کی مخالفت کی تاہم بقائے روح اور شخصی خدا کا قایل اُس نے دین عیسوی ترک کر دیا۔

الغرض یوروپ و امریکہ میں ارباب فکر و نظر رفتہ رفتہ مذہب سے منحرف ہوتے رہے اور آخر کار وہ اس نقطہ پر پہونچ گئے جہاں شخصی خدا ختم ہو کر قوتِ مجردہ اس کی جگہ لے لیتی ہے اور یہ ابتدا تھی اس لامذہبیت کی جس نے آگے چل کر امریکہ میں ایک مستقل ادارہ کی صورت اختیار کر لی اور مذہب کا تصور داستان پارینہ ہو کر رہ گیا ۔

---

[۱۱] Thomas Paine [۱۲] Bentham [۱۳] Robert Owen [۱۴] Shelley [۱۵] Carlyle
[۱۶] Charles Darwin [۱۷] Sir Thomas Henry Huxley [۱۸] Ernest Haeckel
[۱۹] Herbert Spencer [۲۰] Charles Bradlaugh [۲۱] Collins [۲۲] Hamilton
[۲۳] Bernard Shaw [۲۴] Bertrand Russell [۲۵] Emerson
[۲۶] Fielding Hall [۲۷] William James [۲۸] Loeb
[۲۹] George Santayana [۳۰] Croce

مکتوبات نیاز

(تین حصوں میں)

...یر نگار کے تمام وہ خطوط جو جذبات نگاری، سلاست بیان، رنگینی اور البیلے پن کے لحاظ سے فن انشاء میں بالکل پہلی چیز ہیں اور جن کے سامنے خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے ...یشنوں میں پہلے ایڈیشن کی غلطیوں کو دور کیا گیا ہے اور ۲۸ پونڈ کے کاغذ پر طبع ہوئی ہے، قیمت ہر حصہ کی چار روپیہ (علاوہ محصول)

نقاب اُٹھ جانے کے بعد

...فتحپوری کے تین افسانوں کا مجموعہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے مُلک کے ہادیان طریقت و علمائے کرام کی اندرونی زندگی کیا ہے اور ان کا وجود ہماری معاشرت و اجتماعی حیات کیلئے ...م قاتل ہے، زبان پلاٹ انشاء کے لحاظ سے جو مرتبہ ان افسانوں کا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، قیمت آٹھ آنے علاوہ محصول)

شاعر کا انجام

...اب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں، یہ افسانہ اپنے پلاٹ اور انشاء کے لحاظ سے اس حد ...ک دوسری جگہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی، تازہ ایڈیشن نہایت صحیح اور خوشخط، قیمت بارہ آنہ (علاوہ محصول)

مالہ وما علیہ

حضرت نیاز نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ فن شاعری کس قدر مشکل فن ہے اور اس میدان میں بڑے بڑے شاعروں نے بھی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور اس کا ثبوت ...ے دور حاضر کے بعض اکابر شعراء مثلاً جوش، جگر، سیماب وغیرہ کے کلام کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہو۔ ملک کے نوجوان شاعروں کے لیے اس کا مطالعہ از بس ضروری ہے، قیمت دو روپیہ

شہاب کی سرگذشت

...رت نیاز کا وہ عدیم المثال افسانہ جو اُردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے، اس کی زبان، تخیل، اس کی نزاکت بیان، اس کی انشاء عالیہ سحر حلال ...ل پہونچی ہے، یہ ایڈیشن نہایت صحیح اور خوشخط ہے۔ قیمت دو روپے عار (علاوہ محصول)

مذاکرات نیاز

...ی حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات و تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے، ایک بار اس رسالہ کو شروع کر کے آخر تک پڑھ لیتا ہے۔ یہ جدید ایڈیشن ہے جس میں صحت و نفاست کاغذ و صباعت کا ...تمام کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

مذہب

حضرت نیاز کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے اور دُنیا میں یہ کیونکر رائج ہوا، اسکے مطالعہ کے بعد انسان خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ ...، پابندی کیا معنی رکھتی ہے، قیمت ایک روپیہ (علاوہ محصول)

انتقادیات

حضرت نیاز کے انتقادی مقالات کا مجموعہ فہرست مضامین یہ ہے، ایران و ہندوستان کا اثر جرمن شاعری پر، فارسی زبان کی پیدائش پر سرسری نظر، اردو شاعری پر تاریخی تبصرہ، ...گوئی، عہد بہ عہد ترقی، نقشہائے رنگ رنگ (غالب کی فارسی غزل گوئی پر تبصرہ)، ادبیات اور اصول نقد، فنون ادبیہ، حقیقت نگاری، قیمت چار روپے (علاوہ محصول)

فراست الید

...شخص انسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت، عروج و زوال، موت و حیات، صحت و بیماری، شہرت و ...ر پیشینگوئی کر سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

مینجر نگار لکھنؤ

نگار کے خاص نمبر

سالنامہ ۲۸ء

(مومن نمبر) جو ختم ہو چکا تھا اور جس کی مانگ بہت زیادہ تھی دوبارہ شائع کیا گیا ہے، مومن کے مطالعہ کے لیے اس کا پڑھنا ازبس ضروری ہے۔ قیمت دو روپے عہ/

جنوری ۱۹۴۳ء

اس نمبر میں ریاض خیرآبادی مرحوم کے کلام پر ملک کے متعدد مشاہیر نے نقد و تبصرہ کر کے بتایا ہے کہ ریاض کی شاعری کیا تھی، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول)

فروری۔ مارچ ۱۹۴۶ء

جو فن انتقاد پر ملک کے بہترین اہل قلم و ارباب فکر کے مضامین پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپیہ عہ/ (علاوہ محصول)

جنوری۔ فروری ۱۹۴۸ء

(پاکستان نمبر) نگار کا جوبلی نمبر جس میں دنیا کے سامنے اسلام کی عظمت رفتہ اور تمدن اسلام کے بلند حقائق کو پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے مستقبل کی تعمیر کے وقت
دور زریں کو نہ بھول جائیں جس پر مسلم حکومت کی ترقی کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول)

جنوری۔ فروری ۱۹۴۹ء

نگار کا افسانہ نمبر جس میں تقریباً بیس افسانے بہترین اہل قلم کے شائع کیے گئے ہیں اس سالنامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا
نگار ہی کے کتنے اصول ہیں اور ہر اسکول کا معیاری فسانہ کیسا ہونا چاہیے۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول)

جنوری۔ فروری ۱۹۵۱ء

اس سالنامے کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں ڈاکٹر اس ہنڈی کی مشہور عالم کتاب ایک مستقبل کی تلاش کا ترجمہ و اقتباس ہے۔ جس میں اس نے ایران، مصر، عراق، فلسطین و
ممالک اسلامی کی سیاحت کے بعد وہاں کی موجودہ اقتصادی زبوں حالی اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا اور
ترقی کے صحیح راستہ کو جان لیں۔ سالنامہ کا دوسرا حصہ ایڈیٹر نگار کے قلم کا ہے جس میں پہلی جنگ کے بعد مسلم حکومتوں کے انقلاب کی تاریخ اور اس کے اسباب کو
کیا گیا ہے۔ قیمت دو روپے عہ/ (علاوہ محصول)

سالنامہ ۱۹۵۲ء / حسرت نمبر

جس میں ملک کے تمام اکابر نقاد ادب نے حصہ لیا ہے اور انتخاب کلام حسرت اس انداز سے کیا گیا ہے کہ آپ کو کلیات حسرت کے دیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی حسرت
کا مرتبہ معلوم کرنے کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، قیمت دو روپے عہ/ (علاوہ محصول)

جنوری، فروری ۱۹۵۳ء

(داغ نمبر) جس میں داغ کے سوانح حیات کے بہت سے وہ پہلو پیش کیے گئے ہیں جو اس وقت تک سامنے نہ آئے تھے۔ اس نمبر میں قیام رامپور، حیدرآباد کے زمانے کے
حیات عشقیہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے فن شعرگوئی پر ملک کے مشہور نقادوں نے اظہار خیال کیا ہے۔ قیمت دو روپے عہ/ (علاوہ محصول)

سالنامہ ۱۹۵۴ء

(فرماں روایان اسلام نمبر) یہ تاریخ اسلامی کا نچوڑ ہے جس میں ولادت نبوی سے لیکر اس وقت تک کی تمام مسلم حکومتوں کے شجرے مع فرماں رواؤں کے عروج و زوال کو بتایا گیا ہے۔ یہ
درحقیقت تاریخی کتاب ہے جو ہر پڑھے لکھے کے پاس ہونا چاہیے۔ قیمت تین روپے عہ/ (علاوہ محصول)

سالنامہ ۱۹۵۵ء

(علوم اسلامی و علمائے اسلام نمبر) کا تتمہ۔ جس میں اسلامی علوم و فنون پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم حکومتوں نے علوم و فنون کی ترقی میں کیا حصہ لیا۔ اس کے ع
ممالک اسلامیہ کے اکابر علم و ادب کے مختصر حالات مع ان کی علمی خدمات اور تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیمت تین روپیہ آٹھ آنے (علاوہ محصول)

منیجر نگار لکھنؤ